پندرہ روزہ
ندائے اہلسنّت
لاہور (پاکستان)
منظر رقم

قرآن نمبر

ایڈیٹر: قاری محمد زوار بہادر ایم اے
رئیس التحریر: علامہ سید شبیر احمد ہاشمی

جلد ۳ - شمارہ ۱۹-۲۰ - اشاعت رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ - مارچ ۱۹۹۲ء - قیمت ۲۰ روپے رجسٹر نمبر ایل ۸۵۶۲

دفتر کا پتہ:
پندرہ روزہ ندائے اہلسنّت، لاہور
متصل دار العلوم جامعہ محمدیہ رضویہ
فردوس مارکیٹ گلبرگ نمبر ۳، لاہور
پاکستان
فون: ۸۵۱۰۸۰

زرتعاون سالانہ

پاکستان:	۱۰۰ روپے
برطانیہ:	۲۰ پونڈ
امریکہ:	۴۰ امریکی ڈالر
یورپ:	۴۰ امریکی ڈالر

زرتعاون پاکستانی کرنسی میں کسی ایسے بنک کی معرفت ارسال فرمائیں جس کی لاہور میں شاخ ہو۔

برطانیہ میں:
1. TAHIR CLOSE
CRUM SALL MANCHSTER - 8 ENGLAND

ترسیل زر
اکاؤنٹ نمبر 595 مسلم کمرشل بینک
فردوس مارکیٹ گلبرگ III لاہور

پبلشر قاری محمد زوار بہادر نے طیب اقبال پرنٹرز رائل پارک لاہور سے چھپوا کر گلبرگ نمبر ۳ بی سے شائع کیا۔

ندائے اہلسنت لاہور — اس شمارے میں — قرآن نمبر

قرآن نمبر

تو همی دانی کہ آئین تو چیست ؟
زیر گردوں سرّ تمکین تو چیست ؟
آں کتاب زندہ، قرآن حکیم ؟
حکمت او لایزال است و قدیم
حرف او را ریب نے تبدیل نے
آیہ اش شرمندۂ تاویل نے
نوع انساں را پیام آخریں
حامل او رحمۃ للعالمیں

اقبال

آئیے عہد کریں

قرآن نمبر

ادارہ

الحمدللہ "ندائے اہلسنت" کا قرآن نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہے اس جریدے کے اجراء کے وقت ہمارے پیش نظر جو مقاصد تھے ان میں قرآن و صاحب قرآن کی محبت عوام کے دلوں میں اجاگر کرنا اور نبی آخرالزماں کی لائی ہوئی اس مقدس کتاب کے پاکیزہ نظام کے عملی نفاذ کے لیے عوام کو تیار کرنا قرآنی نظام کے خلاف سازشیں کرنے والے حکمرانوں، سیاستدانوں کو عوام کے سامنے بے نقاب کرنا شامل تھا۔ اس کا فیصلہ تو آپ کریں گے کہ ہم کس حد تک اس مقصد میں کامیاب رہے ہیں۔ آیئے اس پر ایک نظر ڈالتے چلیں کہ قرآن نمبر شائع کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔

اللہ تعالیٰ نے تاریکی، جہالت، تعصب، ظلم و ناانصافی میں ڈوبے ہوئے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے پیغمبر بھیجے اور انہیں اپنی بارگاہ سے کتب و صحائف عطا فرمائے تاکہ بھولے بھٹکے انسان اپنے خالق و مالک کے احکامات پر عمل پیرا ہو کر صراط مستقیم پر گامزن رہیں۔ انبیاء کی جماعت میں انسانوں کی رہنمائی کے لیے سب سے آخر میں آنے والی ہستی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جس طرح وہ آخری نبی ہیں ان کی کتاب بھی آخری کتاب ہے۔ قیامت تک نہ کوئی پیغمبر آئے گا اور نہ کوئی کتاب۔ کیونکہ جسطرح رحمۃ اللعالمین کا دائرہ رسالت بڑا وسیع ہے اور ان کا زمانۂ نبوت قیامت تک ہے۔ ایسے ہی ان پر نازل کی جانے والی کتاب قرآن مجید بھی ساری نسل انسانیت کے لیے پیغام ہدایت قیامت تک ہے اس کے قوانین جاری و ساری ہیں۔ اگر موجودہ حالات پر غور کریں تو ملت اسلامیہ دن بدن ذلت و پستی کی طرف رواں دواں ہے اور اس کے زوال کا سبب قرآن کی تعلیمات سے روگردانی ہے۔ زندگی کے مختلف شعبوں میں انسان جس تیز رفتاری سے ترقی کر رہا ہے اسی تیزی سے تاریکی اور جہالت کی طرف رواں دواں ہے۔ غیروں کی تقلید میں مسلمان بھی بے حیائی، فحاشی، جھوٹ، منافقت، دھوکہ دہی، بغض و حسد، حرام کاری، ناجائز دھندے، تکبر و رعونت اور رسوم جاہلیت میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ اس منزل تک ہم کیوں اور کیسے پہنچے اس کا ایک ہی جواب ہے کہ ہم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر۔

قرآن پاک کس لیے نازل کیا گیا تھا؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

کتاب انزلنٰہ الیک لتخرج الناس من الظلمٰت الی النور باذن ربھم الی صراط العزیز الحمید۔

ترجمہ: قرآن آپ پر ہم نے اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے جائیں۔ اپنے رب کے راستے کی طرف چلو جو غالب و حمد والا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اندھیری رات کے تاریک حصوں کی طرح فتنے تمہارے لیے الجھنیں پیدا کر دیں تو تمہیں قرآن ہی سے وابستہ ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ قرآن شفاعت اور سفارش کرنے والا ہے اور اس کی شفاعت قبول ہے۔ قرآن تصدیق شدہ مدبر ہے جس نے اسے اپنا راہنما بنایا اسے جنت میں لے جائے گا اور جس نے اسے پس پشت ڈال دیا اسے جہنم میں پہنچا دے گا۔ وہ بہترین راستے کا رہنما ہے قرآن ایسی کتاب ہے جس میں تفصیل تشریح اور فیصلہ کن بات ہے قرآن مبتلائے ہلاکت کو نجات اور مشکلوں میں پھنسے ہوئے کو عافیت دیتا ہے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے:۔

واعلموان ھذا القرآن ھوالناصح الذی لایغش والھادی الذی لایضل

یاد رکھو قرآن مجید وہ مخلص ہے جو کبھی گمراہ نہیں کرتا وہ سخن گو ہے جو کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ جو بھی قرآن کے ساتھ بیٹھتا ہے ہدایت میں زیادتی اور جہالت میں کمی لے کر اٹھتا ہے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک سے رہنمائی حاصل کرنے اور اس کی ہدایات پر عمل کرنے کے لیے جو ارشادات فرمائے آج ملت اسلامیہ کے لیے خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔ جس قسم کی تہ در تہ تاریکیاں ظلمت کے سیاہ بادلوں سے مسلمان کی زندگی کا ماحول آج تاریک ہے۔ اس سے پہلے کبھی نہ تھا اسلام کے مخالفوں نے مسلمانوں کو قرآن سے دور رکھنے کے لیے سب سے موثر ترین ہتھیار جو استعمال کیا وہ دین اور سیاست کا الگ الگ تصور ہے جس کے ذریعے جہلاء کو حکمران بنا کر قرآن کے نظام کو دبانے کی کوشش کی گئی۔ نتیجتہً مسلم ممالک کے حکمران کشکول گدائی لے کر غیروں کے دروازے پر جا بیٹھے ہیں۔ نظام اقتصادیات، معاشیات، سیاسیات میں غیروں کی پیروی کو قابل فخر سمجھنے لگے اور قرآن پاک پر عمل کو باعث عار صدر اول اسلامی حکومت کے دور میں قرآن ہی حرف آخر اور فیصلہ کن حکم تھا۔ قرآن جاننے والے صحیح قدر و منزلت کے حامل تھے۔ خود سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو سمجھا دیا تھا کہ

اشرف امتی اصحاب اللیل وحملۃ القرآن

میری امت کے معزز شب بیدار (نماز تہجد پڑھنے والا) اور حاملین قرآن ہیں۔

حمل قرآن، قرآن یاد کرنا اس کا سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ہے ان

دنوں یہ صفت ایک معاشرتی قدر تھی۔ زندگی کی ہر مشکل میں قرآن کی طرف رجوع کرتے تھے ہر بات کو قرآن پر پرکھتے تھے۔ حق و باطل کو قرآن کے ذریعے پہچانتے اس کے بعد زندگی میں اس کے نمونے دیکھتے اور معین کرتے تھے۔ جب اسلامی معاشروں پر مسلط ہونے والی قوتیں اسلامی اقدار سے تہی دست و اجنبی ہونے لگیں اس وقت سے انہوں نے قرآن کو اپنے لیے رکاوٹ سمجھنا شروع کر دیا پھر اس مہم کا آغاز ہوا کہ خدا کے کلام کو زندگی کے درمیان سے ہٹا دیا جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دین معاشرتی زندگی سے جدا اور دنیا آخرت سے الگ ہو گئی۔ حقیقی دین داروں اور اقتدار پرست دنیاداروں میں ٹھن گئی۔ زندگی کے میدانوں اور مسلمانوں کے معاشروں میں سے اسلام اور قرآن کو انتظامی منصب سے ہٹا دیا گیا۔ اس کا تعلق عبادت گاہوں، مسجدوں، خانقاہوں، مدرسوں اور فاتحہ و چلم سے سمجھ لیا گیا۔ نتیجتہً آج پورے معاشرے پر نظر ڈالیے بڑے بڑے دعوے کرنے والوں اور نعرے لگانے والوں کو دیکھیے ان کی زندگی پر نظر ڈالیے قرآن کہاں ہے؟ سرکاری اداروں میں ہے؟ اقتصادی نظام میں ہے؟ معاشی نظام میں ہے؟ سیاسی نظام میں ہے؟ اسکولوں اور یونیورسٹیوں میں ہے؟ خارجہ سیاست یا حکومتوں سے تعلقات میں ہے؟ اقوام و ملل کے مختلف طبقات میں جن کے کم و بیش اثرات ہیں کہیں قرآن نظر آتا ہے؟ عوام میں قومی سرمایہ کی تقسیم میں ہے؟ اسلامی معاشرے کے سربراہوں کے عادات و خصائل میں ہے؟ اسلامی حکام کی انفرادی رفتار میں؟ زن و مرد کے روابط میں؟ خوراک و لباس میں؟ زندگی کے کس اصلی پرت میں قرآن ہے؟ ایوانوں میں؟ دفاتر میں؟ معیشت میں معاشرت میں؟ زندگی کے اتنے میدان ہیں، کہیں قرآن نظر نہیں آتا فقط قرآن ہدیہ دینے قبرستان میں تلاوت کرنے، طاقوں میں سجا کے رکھنے کے لیے رہ گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن انسانی زندگی کی کتاب ہے اور انسان کی حد نہیں، بے سرحد نہیں انسان ترقی پذیر ہے۔ انسان کی بے شمار جہتیں ہیں وہ انسان جس کی ترقی پذیری کی حد نہیں سرحد نہیں ہر زمان وہ رہنما اور معلم و دستگیر ہے۔ انسان کی مہذب و موزوں زندگی صرف قرآن ہی کے ذریعے سنواری جا سکتی ہے۔ ظلم، نسلی امتیاز، فتنہ و فساد، سرکشی، خیانت و بددیانتی، انسان کے نشوونما اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے اور قرآن ہی کے ذریعے دور کیا جا سکتا ہے۔ انسانی زندگی کا منشور قرآن ہدایات بناتی ہیں۔ قرآن کی طرف رجوع انسان کی شائستہ و پاکیزہ ارفع و اعلیٰ زندگی کی طرف رجوع ہے۔ اس عمل کی ذمہ داری قرآن پر ایمان رکھنے والوں پر عموماً اور قرآن جاننے والوں پر ان سے زیادہ ہے قرآن کی طرف رجوع ایک نعرہ ہے یہ نعرہ اگر حقیقت بن جائے تو یہ حق و باطل میں فرق کر دے جو قوتیں قرآن کی طرف بازگشت کو برداشت نہیں کر سکتیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسی قوتوں کو برداشت نہ کریں۔

آئیے عہد کریں کہ زندگی بھر اپنی تمام صلاحیتیں تمام تر توانائیاں، علم و دولت، قرآن پاک کے پیغام کو گھر گھر پہنچانے اور عملی زندگی میں اس کے نفاذ کے لیے وقف کر دیں گے۔

قرآن زندہ کتاب ہے جو بھی اس سے وابستہ ہوگا اسے حیات جاوداں نصیب ہوگی۔

دُعا ہے مولیٰ کریم مکین گنبد خضریٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے ہماری اس حقیر سی کوشش کو شرف قبول عطا فرمائے اور ہمیشہ قرآن اور صاحب قرآن کے پاک دین کی خدمت کی توفیق نصیب فرمائے۔

محمد زوار بہادر

اظہارِ تشکر

ادارہ ندائے اہلسنت نے بڑے مختصر نوٹس پر قرآن نمبر شائع کرنے کا اعلان کیا اور علماء و دانشور حضرات سے مضامین کی درخواست کی اس کے جواب میں جن حضرات نے اتنے مختصر نوٹس پر ہمیں مضامین عطا فرمائے ان کے شکر گزار ہیں۔ جن احباب نے اشتہارات کے لیے تعاون فرمایا ان کے بھی مشکور ہیں۔ خطاط منظر رقم، گوہر قلم پرنٹر طیب اقبال اور ایم۔ اے۔ ایم کمپوزنگ سینٹر (القرطبہ مارکیٹ مزنگ چونگی لاہور) وہ حضرات جنہوں نے اکابرین کے نایاب مضامین خطاطی کے نمونے بھیجے۔ ان سب کے شکر گزار ہیں اور وہ حضرات جو غائبانہ طور پر ندائے اہلسنت کی ترویج و اشاعت کے لیے کام کر رہے ہیں ان سب کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک کے صدقہ ان سب کی کوششیں قرآن پاک کے لیے قبول فرمائے اور قبر، حشر میں قرآن پاک کو ان کے لیے شفاعت و نجات بنائے۔

قرآن نمبر جلد دوم

صفحات میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے قرآن پاک کے حوالے سے بے شمار پہلو تشنہ طلب ہیں۔ مضامین کا انبار ہماری فائلوں میں موجود ہے۔ انشاء اللہ العزیز سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم کے سہارے آئندہ رمضان المبارک میں ندائے اہلسنت قرآن نمبر کی جلد دوم شائع کرے گا جو انشاء اللہ اس پرچے سے دگنا ہوگی اور اس کی تیاری ابھی سے شروع کر دی گئی ہے اُمید ہے اہل علم حضرات اپنی محبت و خلوص کا مظاہر کرتے ہوئے تعاون فرمائیں گے۔

ادارہ ندائے اہلسنت

اعتذار

ادارہ ان تمام حضرات سے صمیم قلب سے معذرت خواہ ہے جنہوں نے قرآن نمبر کے لیے مضامین بھیجے اور وہ جگہ کی قلت کی وجہ سے شائع نہ ہو سکے اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس کوشش کا اجر عطا فرمائے۔

قرآن نمبر

شانِ قرآن

یہ نظم بھی صنعت توشیح میں ہوئی ہے ندائے اہلسنت کے ایڈیٹر جناب قاری زوار بہادر نے اس نمبر کی طباعت میں مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ اس لیے اسی جذبہ تشکر کا اظہار اس نظم میں یوں کیا گیا کہ اس کے ہر مصرعہ کا پہلا حرف علیحدہ کرنے سے "قاری زوار بہادر صاحب زندہ باد" بن جاتا ہے۔

قائد انسانیت کی نعت عالی شان ہے　　اس لیے قرآن کا کونین میں فیضان ہے
رب کعبہ کا کلام زندہ قرآنِ حکیم　　یاد محبوب خدا کا دائمی فرمان ہے
زندگی کے واسطے قرآن ہے آب حیات　　واہ وا قرآن ہی بس محسن انسان ہے
اس جہاں میں دوستو قرآن منشور حیات　　راہِ آخر کے لیے قرآن ہی پیمان ہے
بختِ انساں کے لیے قرآن ہے تابندگی　　ہائے انساں پھر بھی اس سے دور ہے حرمان ہے
آج بھی قرآن یارو ہے پیام زندگی　　دافع رنج و بلا قرآن کی پہچان ہے
رحمتہ اللعالمین کی شان ہے قرآن میں　　صاحب قرآن یارو اس لیے ذی شان ہے
آیۂ ذات الٰہی ہیں جو محبوب خدا　　حق تعالیٰ کا کمالِ ذات ہاں قرآن ہے
بندگی کا نظم سکھلایا ہے ہر انسان کو　　زندگی کے واسطے قرآن گویا جان ہے
نور ہے قرآن فرمان حبیب کبریا　　دین محبوب خدا کی شان ہے۔ پہچان ہے
ہادیٔ کون و مکاں قرآن ناطق ہو گئے　　بس یہی شان رسول اللہ کا اعلان ہے

آدمیت کی نجات آخریں کے واسطے
داورِ محشر کا لطف اولیں قرآن ہے

سید شبیر احمد ہاشمی

معجزہ قرآن

رہبر وادیِ آگہی کا ہمسفر قرآن ہے!　　معرفت کی منزلوں کا راہبر قرآن ہے
یا امین عظمت قرآن ہیں خیر البشر!　　یا امین عظمت خیر البشر قرآن ہے
گلشن حق و صداقت کی بہار بے خزاں!　　نخل توحید و رسالت کا ثمر قرآن ہے
چوم کر اس کو سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں سبھی!　　تاجداران زمن کا تاجور قرآن ہے
دل کا اطمینان اور آنکھوں کی ٹھنڈک اس میں ہے!　　کیف دل قرآن ہے نور نظر قرآن ہے
ابن آدم کے مسائل اس نے حل فرما دیئے!　　طبع انساں سے بخوبی بہرہ ور قرآن ہے!
زندگانی کی شبِ تاریک میں ہے ضوفگن!　　ظلمت دارین میں نور سحر قرآن ہے
ہر فسانے میں حقیقت کا بھرا ہے اس نے رنگ!　　ہر زمانے میں بیاضِ معتبر قرآن ہے!

آج اس دم توڑتی انسانیت کے کرب کا!
ہے کوئی فیضان کا چارہ گر اگر "قرآن ہے"

فیض الرسول فیضان

پیغامات

مخدوم المشائخ

پیر طریقت حضرت دیوان سید آل مجتبیٰ علی خان معینی اجمیری پشاور

پندرہ روزہ ندائے اہلسنت مستقل نہیں۔ کبھی کبھی دیکھنے کو ملتا ہے اور ہمیشہ تسلی بخش علمی اور ادبی مجلہ نظر آیا قرآن نمبر کے اعلان سے بڑی خوشی ہوئی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ پوری محنت سے یہ نمبر مرتب کریں گے میں خواجہ خواجگان غریب نواز عطائے رسول خواجہ بزرگ معین الحق والدین سیدی معین الدین اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہر غلام سے درخواست کروں گا کہ وہ ندائے اہلسنت کی سرپرستی کریں اور خصوصاً قرآن نمبر کا ضرور مطالعہ کریں۔

قائد اہلسنت

حضرت علامہ امام شاہ احمد نورانی صدیقی مدظلہ صدر جمعیت علماء پاکستان وصدر ورلڈ اسلامک مشن

اس وقت عالمی اُفق پر عالم اسلام کے لیے مصائب کے بادل گھرے ہوئے ہیں امریکہ کا نیو ورلڈ آرڈر درحقیقت امت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آخری حملہ ہے۔ دشمنان اسلام ہماری تباہی کا مصمم ارادہ کر چکے ہیں۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ غلامان رسالت ماب کی سچی رہنمائی کی جائے اس سلسلہ میں ہمارے موثر جریدہ پندرہ روزہ ندائے اہلسنت نے قرآن نمبر شائع کرنے کا اعلان کرکے درحقیقت اسی سچی رہنمائی کا ارادہ کیا ہے مجھے یقین ہے کہ ندائے اہلسنت کی "فاضل مجلس ادارت" اس عظیم مشن میں کامیاب ہوگی۔ ندائے اہلسنت کے اس ایمان افروز اور باطل سوز اعلان نے مجھے بہت مسرت ہوئی ہے اور میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم حضور پُر نور سید العالمین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ندائے اہلسنت کے اس عزم خیر میں برکت فرمائے۔ (آمین)

میں اہلسنت کی خدمت میں خصوصی اپیل کرتا ہوں کہ وہ ندائے اہلسنت کی سرپرستی کریں اللہ و رسول آپ کے حامی و ناصر ہوں۔

فخر چشت اہل بہشت حضرت دیوان سید آل سیدی اجمیری

مرکزی صدر جماعت اہلسنت پاکستان

آپ لوگوں نے جماعت اہلسنت کے لیے بڑی خدمات انجام دی ہیں جماعت کا تحریری اثاثہ آپ ہی حضرات رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرف دیا ہے کہ اب قرآن نمبر شائع کر کے پندرہ روزہ ندائے اہلسنت کو زندۂ جاوید کر رہے ہیں۔ قرآن پاک کا مطالعہ سعادت دارین کے ساتھ اس وقت ہماری ذاتی اور قومی ضرورت بھی ہے۔ میں پندرہ روزہ ندائے اہلسنت کی پوری انتظامیہ اور ان کے تمام رفقاء کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور جماعت اہلسنت کی ہر شاخ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ قرآن نمبر کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔ اپنی ذاتی لائبریری کی زینت بنائیں۔

ملک المدرسین

استاذ العلماء رئیس الفقہاء شیخ الاساتذہ علامہ عطاء محمد بندیالوی مدظلہ رکن اسلامی نظریاتی کونسل

اس دور میں مادیت پرستی کا عروج ہے دولت معیار شرافت بن گئی ہے علم کے سوتے خشک ہو رہے ہیں دین سے تعلق واجبی ہے۔ مالیات اس دور کا سب سے بڑا مسئلہ بن گیا ہے۔ مسلم امہ پر زوال طاری ہے آج کوئی رازی، رومی، غزالی، جامی و سیوطی نہیں ہے۔ آج دنیا کے کسی کونہ میں حضور پیر مہر علی شاہ یا امام اہلسنت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی قدس اللہ سرہم کہیں نظر نہیں آتے اس لیے دین حق کی وہ روحانی عظمتیں بھی نظروں سے اوجھل ہیں اس تاریک رات بے علمی کے ماحول میں آپ نے پندرہ روزہ ندائے اہلسنت کا قرآن نمبر شائع کرنے کا اعلان کر کے میرے قلب مضطر کے لیے سکون کا سامان کیا ہے لیکن میری گذارش ہے کہ تمام مضامین قرآن کو جدید اسلوب میں مرتب فرمائیں خلوص اور للہیت کو پیش نظر رکھیں۔ مذہب مہذب مذہب حق اہلسنت اور مسلک سیدنا امام احمد رضا سے آپ کا والہانہ تعلق کسی شبہ سے بالا ہے اسی کو اس نمبر کی اشاعت کا اصولی رہنما بنائیں قرآن پاک کے سمندروں سے علمی موتیوں کی تلاش کے لیے غواصوں کی فوج ظفر موج جمع کریں علماء حق ہی اس بحر ناپیدا کنار سے موتی تلاش کر سکتے ہیں مجھے یقین ہے آپ ذمہ دار علماء کے مضامین کو جمع کریں گے احتیاط سے قدم اٹھائیے۔ میں سراپا دعا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب فرمائے میرے لیے بھی دعا فرمائیں۔

مفکرِ اسلام
جناب علامہ پروفیسر شاہ فرید الحق مرکزی سینئر نائب صدر جمعیت علماء پاکستان

محترمی آپ کا یہ ارادہ کہ پندرہ روزہ ندائے اہلسنت لاہور عظیم الشان قرآن نمبر شائع کر رہا ہے بہت ہی مسرت حاصل ہوئی اور اس نمبر کے لیے اشتہار کے عنوانات دیکھ کر یقین ہے کہ ہمارے محبوب جریدہ کا یہ نمبر واقعی عظیم ہوگا میں آپ کو آپ کے رفقائے کار کو اس موقع پر پُرخلوص ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں کہ آپ نے سنی جرائد میں اس وقت بڑی ہی اہم ضرورت کو پورا کیا ہے کیونکہ اغراض کے اس لق و دق صحراء میں اگر روشنی کی کوئی کرن ہے تو وہ صرف اور صرف قرآن ہے اور اس کے بعد صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ۔ آپ نے بروقت ان دونوں امور کی طرف دعوت دی ہے اللہ اپنے حبیب علیہ السلام کے صدقے آپ کا حامی و ناصر ہو میں جمعیت علماء پاکستان سے متعلق ہر محترم رکن سے عرض گزار ہوں کہ وہ ندائے اہلسنت کی سرپرستی کریں کیونکہ یہ ایک اہم نیکی ہے۔

جناب جنرل خواجہ محمد اظہر خاں (جنرل کے ایم اظہر)
سیکرٹری جنرل
جمعیت علماء پاکستان

جناب قاری صاحب سلام خلوص! یہ اطلاع میرے لیے انتہائی مسرت کا پیغام ہے کہ ہمارا نامور جریدہ پندرہ روزہ ندائے اہلسنت رمضان المبارک کے مقدس مہینہ کے آغاز میں خصوصی اشاعت قرآن نمبر شائع کر رہا ہے۔ واقعی رمضان پاک جشن نزول قرآن ہے اس کی مناسبت سے جامع اور ہمہ گیر موضوعات پر مبنی قرآن نمبر کی اشاعت بہت بڑی نیکی ہے۔ آپ نے ہمارے عوام کی صحیح رہنمائی فرمائی ہے میری طرف سے بے پناہ مبارک باد قبول فرمائیں۔ جمعیت علماء پاکستان اور ہمارے مسلک حق اہلسنت سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کو چاہیے کہ قرآن نمبر کا مطالعہ کرے اور رہنمائی حاصل کرے۔

مسرت کا پیغام ہے کہ ہمارا نامور جریدہ پندرہ روزہ ندائے اہلسنت رمضان المبارک کے مقدس مہینہ کے آغاز میں خصوصی اشاعت قرآن نمبر شائع کر رہا ہے۔ واقعی رمضان پاک جشن نزول قرآن ہے اس کی مناسبت سے جامع اور ہمہ گیر موضوعات پر مبنی قرآن نمبر کی اشاعت بہت بڑی نیکی ہے۔ آپ نے ہمارے عوام کی صحیح رہنمائی فرمائی ہے۔ میری طرف سے بے پناہ مبارک باد قبول فرمائیں۔ جمعیت علماء پاکستان اور ہمارے مسلک حق اہلسنت سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کو چاہیے کہ قرآن نمبر کا مطالعہ کرے اور رہنمائی حاصل کرے۔

شارح بخاری علامہ ابن علامہ مولانا سید محمود احمد رضوی پرنسپل مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور

دور حاضر میں قرآن مجید کی صحیح تفہیم و ترجمانی امت مسلمہ کا عظیم و جلیل فریضہ ہے اور علمائے اہلسنت کو اس طرف توجہ دینے کی خصوصی ضرورت ہے کیونکہ بد مذہب اور اسلام کے دشمن عناصر قرآن ہی کی آیتوں کا غلط ترجمہ اور ترجمانی کر کے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ حدیث رسول صحابہ کرام اور سلف صالحین کے تفسیری ارشادات کی روشنی میں قرآن کے مطلب اور مفہوم کو عوام تک پہنچانا ایک بہت بڑی عبادت ہے ندائے اہلسنت نے قرآن نمبر شائع کر کے دین کی بہت بڑی خدمت کی ہے اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے۔

شیخ القرآن استاذ العلماء رئیس الصلحاء حضرت علامہ ابوالفضل غلام علی صاحب اوکاڑوی مدظلہ

آپ ندائے اہلسنت کے ذریعہ بہت بڑی دینی، علمی اور سیاسی خدمت کر رہے ہیں میں دل کی گہرائیوں سے آپ کے لیے دعا گو ہوں۔ آپ نے ندائے اہلسنت کے قرآن نمبر کے لیے فرمایا ہے میں طبعی طور پر کمزور ہوں اپنی بیماری کی وجہ سے کوئی مضمون نہیں لکھ سکا ہوں مگر یہ موضوع وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے قرآن پاک کا مطالعہ ہی فروغ عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا باعث ہے۔ آج امت اسلام جس موڑ پر کھڑی ہے اس کے لیے کوئی جائے فرار باقی نہیں رہی ہلاکت اور بربادی کے کنارے ہم پہنچ چکے ہیں اس وقت صرف محسن کونین سید العلمین صلی اللہ علیہ وسل کا عشق ہی ہمیں بچا سکتا ہے اور قرآن پاک کا ہر حرف ابدی اور عشق محبوب خدا کا ترجمان ہے۔ آپ نے اس موضوع پر محنت کی ہوگی مضامین اپنے تنوع لیکر شائع ہونگے اہل علم کے رشحات فکر کو جمع کرنے میں آپ نے کمی نہیں کی ہوگی مجھے یقین ہے آپ ہمارے قابل فخر نوجوان قلم کار ہیں لیکن عزیز محترم ہر کام میں مقدم خلوص کو رکھیئے۔ کیونکہ قرآن نمبر کاغذوں کا مجموعہ نہیں ہوگا یہ تو خلوص کے پھولوں کا گلدستہ ہوگا۔ نمبر شائع ہونے پر صحیح تبصرہ کر سکوں گا۔ بہر حال آپ کا ایقان نشان منزل ہے یہ قابل مبارک باد ہے ہماری تاریخ میں ہی پہلی مرتبہ اس پیمانے پر کسی جریدہ نے قرآن پاک کی خدمت کی ہے۔

استاذ العلماء حضرت علامہ عبد الرشید جھنگوی مدظلہ

الحمدللہ ہمارا محبوب ترجمان پندرہ روزہ ندائے اہلسنت مسلسل مطالعہ میں رہتا ہے۔ گذشتہ دنوں آپ نے روافض کی ٹھیک ٹھیک خبر لی ہے۔ اور اپنی بے پناہ سیاسی معلومات کے آئینے میں اس بد نصیب گروہ کی نشاندہی کی ہے اب جو آپ نے قرآن نمبر کا اعلان کیا ہے میرے لیے بڑی ہی مسرت کا باعث بنا ہے کہ ہمارا جرید پڑھا لکھا طبقہ قرآن پاک کو اس آئینہ میں دیکھنے سے محروم ہے جس میں آپ دکھانا چاہتے ہیں چونکہ جدید پڑھے لکھے، سیاسی اور ادبی فکر کا ایک بہت بڑا حلقہ ندائے اہلسنت کو پڑھتا ہے اس لیے قرآن پاک کی فکری، انقلابی، سیاسی اور دینی نہج سے جس طرح آپ آگاہ کر سکیں گے اس کی مثال نہیں ملے گی۔ قرآن نمبر کے عنوانات سے اس کا وقیع ہونا واضح ہے۔ میری طرف سے پیشگی مبارک قبول فرمائیں۔

حکیم اہلسنت شارح فکر رضا
حضرت حکیم محمد موسی امر تسری مدظلہ

پندرہ روزہ ندائے اہلسنت اعلی حضرت عظیم البرکت امام اہلسنت سید امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے پاکیزہ مسلک کا بے باک ترجمان ہے اس کو چلانے والے حضرات روایتی مولوی نہیں جدید فکر اور حقیقی علم سے آشنا علماہیں۔ اس لیے مجھے یقین ہے کہ اس جریدہ کا قرآن نمبر بڑی محنت، جاں سوز کاوش اور گہرے خلوص سے مرتب کیا جائے گا اس کے عنوانات واقعی جدید فکر کی غمازی کرتے ہیں میں بڑی بے چینی سے اس پاکیزہ اور تاریخی نمبر کا انتظار کر رہا ہوں جناب مولانا ہاشمی اور جناب قاری زوار بہادر پیشگی مبارک کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس نمبر کو قبولیت عامہ اور شہرت نامہ عطا فرمائے۔

حضرت صاحبزادہ والاقدر پیر طریقت صاحبزادہ قاضی محمد فضل رسول حیدر رضوی سجادہ نشین آستانہ عالیہ محدث اعظم پاکستان فیصل آباد

قرآن پاک پوری انسانیت کے لیے منشور و دستور زندگی ہے۔ ہر دور کے پیدا ہونے والے مسائل میں کامل رہنمائی کی دستاویز ہے۔ حالات کی تاریکیوں میں ہمیشہ قرآن پاک طالع آفتاب نورانی کرنیں بکھیرتا رہا ہے۔ قرآن پاک نے ہی شیاطین، طواغیت کے محلات کو مسمار کیا ہے۔ تعقل اور مادیت کی ظلمتوں کا علاج ہمیشہ قرآن پاک ہی نے پیش کیا ہے مگر زمانہ کی ضلالتوں نے قرآن کے مفہوم اور ترجمانی کو اغواء کرنے کی کوشش کی ہے جعل ساز مترجمین اور جھوٹے مفسرین نے قرآن پاک کے لفظ ہی لفظ میں چھپے ہوئے عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مٹانے کی کوشش کی ہے۔ گذشتہ صدی میں مجدد اعظم سیدنا احمد رضا بریلوی نے جس طرح سلف صالحین کے مسلک حق کی حمایت کی۔ پرچم صداقت کو بلند فرمایا۔ قرآن پاک کے خلاف ہنود و یہود کی سازشوں کے پردے چاک کیے اس مقدس فکر کو اجاگر کرنے کے لیے پندرہ روزہ ندائے اہلسنت لاہور نے قرآن نمبر شائع کرنے کا اعلان کر کے بڑی سعادت حاصل کی ہے۔ میں ندائے اہلسنت کی انتظامیہ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

جانشین غزالی زمان
علامہ پروفیسر سید مظہر سعید کاظمی مرکزی صدر تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان سجادہ نشین آستانہ عالیہ کاظمیہ ملتان

اس خبر نے میرے دل و دماغ میں مسرتوں کا جشن برپا کیا کہ ہمارا ملّی ترجمان جریدہ پندرہ روزہ ندائے اہلسنت اس سال رمضان مقدس کے آغاز میں اللہ کی پاک کتاب منشور انسانیت قرآن حکیم کے وسیع مطالعہ کی دعوت دینے کے لیے قرآن نمبر شائع کر رہا ہے۔ یقین جانیئے میں بہت خوش ہوا ہوں اور آپ کے لیے بے انتہا دعائیں کر رہا ہوں کہ آپ نے بڑی اہم ضرورت کو پورا کیا۔

حضرت صاحبزادہ سید حامد سعید کاظمی ایم۔ این۔ اے
پارلیمانی لیڈر
جمیعت علماء پاکستان

پندرہ روزہ ندائے اہلسنت لاہور کا قرآن نمبر بھی اس کی روایات کے مطابق یقیناً جامع وقیع معلوماتی اور انقلابی ہو گا اس خبر نے مجھے آپ کو مبارکباد عرض کرنے پر مجبور کیا ہے اور میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عظیم نمبر کو عوام میں مقبولیت عطا فرمائے۔

شیخ طریقت حضرت علامہ پیر سید ابوالنصر منظور احمد شاہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ فریدیہ ساہیوال و صدر جماعت اہلسنت پنجاب

عزیز القدر قاری صاحب سلمہ اللہ اسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ پندرہ روزہ ندائے اہلسنت کے قرآن نمبر کا اعلان شادابی دل کا باعث ہوا۔ آپ کے لیے بے پناہ دعائیں کیں میں ندائے اہلسنت ہمیشہ صرف پڑھتا ہی نہیں ہوں۔ کبھی کبھی ڈرتا بھی ہوں۔ قرآن نمبر کے بارے میں یقین ہے کہ میری آرزوؤں پر پورا اترے گا۔ عزیزی شبیر شاہ ہاشمی سلمہاللہ بمضمون واحد مبارک اور دعا۔

حضرت صاحبزادہ والا قدر سید انیس المجتبیٰ شاہ صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ چراغیہ والٹن لاہور

میں ندائے اہلسنت کا پرانا قاری ہوں اس کے علم و فضل ادب و صحافت کے عظیم معیار کا انکار تو اس کے دشمنوں کو بھی نہیں میں تو اس کا نہ صرف دوست ہوں بلکہ اس کا قلبی خیر خواہ ہوں اس جریدہ نے قرآن نمبر کا جو اعلان کیا ہے امید نہیں یقین ہے کہ وہ اپنی فکری اور علمی بلندیوں پر ہوگا عوام اہلسنت کو اس کی سرپرستی کرنا چاہیے۔

حضرت صاحبزادہ علامہ سید محمد مظہر قیوم سجادہ نشین آستانہ عالیہ بھکھی شریف ضلع گجرات

میں پندرہ روزہ ندائے اہلسنت کا مستقل قاری ہوں میں جانتا ہوں کہ اس نے اہلسنت کے خلاف اٹھنے والے ایک بڑے فتنے کی بر وقت سرکوبی کی اور بھولے بھالے سنی عوام کو مکاری کے جال سے بچایا۔ اس پرجوش مبلغ مسلک رضا جریدہ نے بہت جلد اپنے گہرے نقوش جمائے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پورے ملک میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھا جاتا ہے۔ اب ندائے اہلسنت نے قرآن نمبر کا اعلان کر کے ایک اور قابل فخر خدمت کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کے عملہ ادارت کی جودت طبع نکتہ سنجی اور نکتہ آفرینی کی بنا پر یہ نمبر بڑا ہی معیاری ہوگا۔ کاش! سنی قوم اس کو وسائل فراہم کرے وہ کسی بھی عالمی جریدہ سے کم نہیں رہ سکتا۔ میں جناب قاری زوار بہادر اور محترم علامہ سید شبیر احمد ہاشمی کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ حضرت حافظ الحدیث قبلہ والد ماجد علامہ پیر سید جلال الدین قدس سرہ کے تلامذہ اور مریدین سے گذارش ہے کہ وہ ندائے اہلسنت کی سرپرستی کریں۔

حضرت شیخ طریقت پیر سید محمد اعظم صاحب آستانہ عالیہ گڑھی شریف (راولپنڈی)

حضرت علامہ سید شبیر احمد ہاشمی اور فاضل نوجوان جناب قاری زوار بہادر صاحب کی قلمی اور علمی کاوشیں مل کر قرآن نمبر کو مرتبہ کر رہی ہیں۔ اس کے عظیم ہمہ گیر ہونے کی یہی دلیل کافی ہے۔ میں نے اپنے بیٹے اور جمعیت علماء پاکستان کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل عزیزی محمد اکرم شاہ سلمہ اللہ کو ہدایت کی ہے کہ قرآن نمبر کی بھرپور سرپرستی کریں۔ پندرہ روزہ ندائے اہلسنت ہماری آرزوؤں کا مرکز ہے۔ اس کی قلمی، ادبی، علمی اور سیاسی خدمات کا میں تہ دل سے معترف ہوں اور ہمیشہ اس کی ترقی کی دعا کرتا ہوں۔

مخدوم ملت جناب صاحبزادہ حافظ محمد عبدالمناف سلیمانی تونسوی آستانہ عالیہ تونسہ شریف و مرکزی نائب صدر جمیعت علماء پاکستان

پندرہ روز ندائے اہلسنت ہمارا قابل فخر جریدہ ہے اس نے ہمیشہ سچی رہنمائی کی ہے۔ پاکستان میں سیاست کے بت خانے میں یہ ادبی آذان ہے حکمرانوں کی غلط روش کے سامنے حق کی چٹان ہے۔ اس کا قرآن نمبر بھی انشاء اللہ۔ روئے زمین پر پھیلی ہوئی بے دینی کے خلاف اعلان حق ثابت ہوگا۔ میں قرآن نمبر کی کامیابی کی پیشگی مبارکباد پیش کرتا ہوں اللہ تعالیٰ خواجگان چشت اہل بہشت کے طفیل آپ کے خلوص میں برکت فرمائے۔

عالم با عمل حضرت علامہ ابوداؤد محمد صادق صاحب قادری رضوی گوجرانوالہ

ماشاء اللہ ندائے اہلسنت کا قرآن نمبر بڑی آب و تاب سے آرہا ہے مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ آپ نے اس عظیم نمبر کو تاریخی بنا دیا ہے کہ خدا و مصطفیٰ کے فضل سے اس پرچہ میں کم از کم فوٹو جیسی غیر شرعی حرکت کو داخل نہیں ہونے دیا۔ پندرہ رزہ ندائے اہلسنت ہمارا قابل فخر ترجمان ہے وہ حضرت محدث اعظم پاکستان قدس سرہ کا حامی ہی نہیں۔ عقیدت مند ترجمان بھی ہے۔ اس کی علمی ادبی اور صحافتی خدمات قابل فخر ہیں۔ اس لیے قرآن نمبر بھی یقیناً تاریخی اور ہمہ گیر ہوگا۔ انشاء

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد حسین قادری رضوی سکھر

پندرہ روزہ ندائے اہلسنت ہم تشنہ لبوں کے لیے آب حیات بن کر آیا ہے۔ اس نے اپنی مختصر زندگی میں ثابت کیا ہے کہ وہ علمی، ادبی، سیاسی، شعری، فکری اور فنی خوبیوں سے آراستہ ہے۔ اس میں بین الاقوامی معیار پر طلوع ہونے کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔ صرف مالی وسائل اس کی راہ میں رکاوٹ ہیں اور اب اس جریدہ سعیدہ نے قران پاک کے مختلف علوم و معارف پر مواد دینے کے لیے قرآن نمبر شائع کرنے کا اعلان کیا ہے۔ میں یقین کامل سے عرض کرتا ہوں کہ اگر سنی قوم اس کی سرپرستی کرے تو وہ اردو ڈائجسٹ یا سیارہ ڈائجسٹ کے خصوصی نمبروں سے کہیں زیادہ فوقیت لے سکتا ہے۔ بہرحال اس کا عالم بے بسی میں یہ اعلان صور اسرافیل ہے۔ میری گذارش صرف یہ ہے کہ نمبر کو مثبت جامع اور اچھوتے رنگ میں پیش کیا جائے۔

قرآنِ پاک اور بارگاہِ رسالت کے آداب

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

یاایھا الذین امنوا لاتقولوا راعنا و قولوا انظرنا واسمعوا وللکفرین عذاب الیم○

اے ایمان والو "راعنا" نہ کہو بلکہ "انظرنا" کہو (یعنی حضور ہم پر نظر رکھیں) اور (ارشادات عالی کو پہلے ہی سے دل لگا کر) سنو---- (اس حکم سے) سرتابی کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

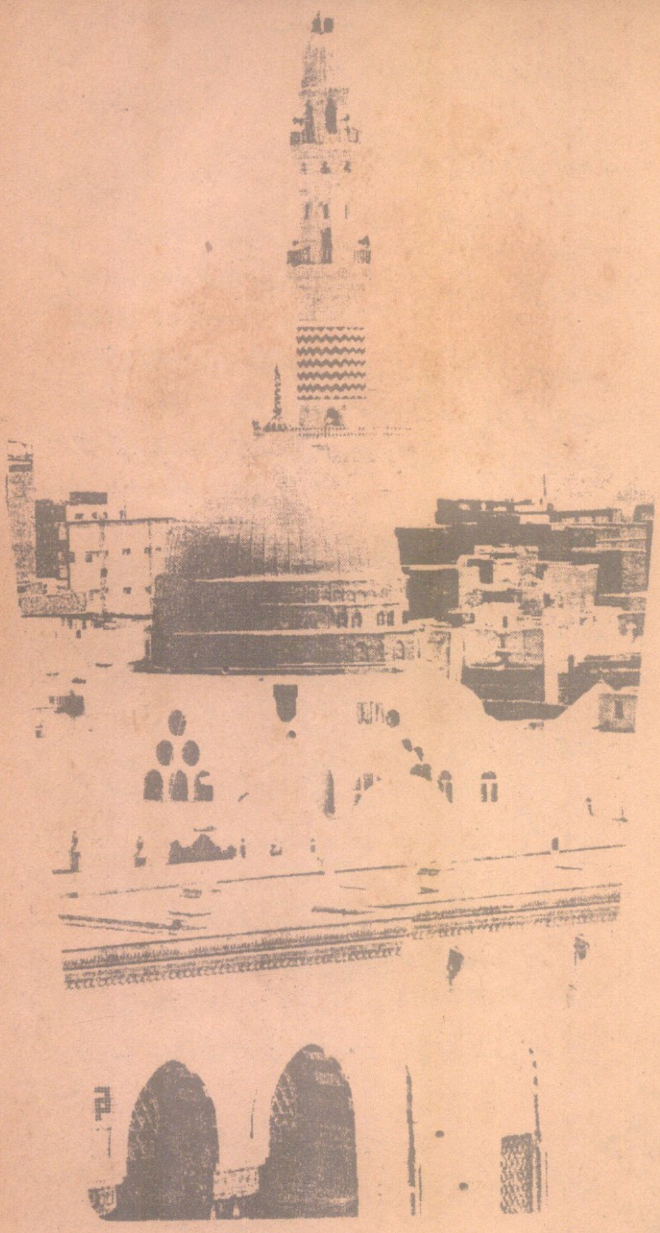
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں جب صحابہ کرام کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی تھی تو "راعنا" کہتے تھے یعنی ہماری رعایت کیجیئے اور مکرّر ارشاد فرمایئے---- اس مجلس مبارک میں یہودی بھی ہوتے، وہ "ع" کی زیر کو ذرا کھینچ کر "راعینا" کہتے تھے جس کے معنی لیتے اے ہمارے چرواہے"!--- حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہودیوں کی اس تحقیر آمیز شرارت کو سمجھ گئے چنانچہ انھوں نے بہانگ دہل فرمایا کہ اے دشمنانِ اسلام! تم پر خدا کی لعنت قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر تم میں سے پھر کسی نے رسول اللہ کو اس طرح مخاطب کیا تو اس کی گردن اڑا دوں گا" جلال سعد بن معاذ نے آسمان و زمین کو ہلا کر رکھ دیا--- اور یہ آیت نازل ہوئی جس نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گستاخانِ رسول کے منہ بند کر دیئے اور عذاب الیم کی وعید سنائی۔

یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ کفار و یہود جو کچھ کہا کرتے تھے وہ بیان واقعی تھا---- جھوٹ نہ تھا یعنی فی الواقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرائی تھیں۔ گو ان کی بکریاں نہ چرائیں بلکہ اپنی یا رضاعی ماں کی بکریوں کی پاسبانی فرمائی۔ اور آپ ہی پر کیا منحصر ہے بہت سی جلیل القدر ہستیوں نے بکریاں چرائی ہیں۔ یہ کوئی ایسا کام نہیں جس کو معاشرے میں اچھی نظر سے نہ دیکھا جائے۔ پھر بھی ارشاد ہوا "خبردار! اب "راعنا" نہ کہنا!---- بات چل رہی ہے "راعینا" کی اور ممانعت فرمائی جا رہی ہے "راعنا" کی--- اللہ اللہ غیرت الٰہی کی شان تو دیکھو! ---- کافروں کے معنی و مقصود کا تصور تک صحابہ کے دل میں نہ تھا بلکہ یہ وسوسہ ان کے قلب صافی میں گزر ہی نہ سکتا تھا مگر پھر بھی ممانعت فرمائی---- تو پھر اس کی کیا وجہ تھی؟---- بات یہ تھی گو "راعنا" اور "راعینا" کسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے موجب اہانت و توہین نہ ہو مگر کفار و یہود کا اس کو موجب توہین سمجھ کر استعمال کرنا غیرت الٰہی کو گوارا نہ ہوا اور صحابہ کی زبان سے ایک ایسے لفظ کا استعمال بھی ممنوع قرار دیا گیا جو اگرچہ صحابہ کے نزدیک کسی پہلو سے بھی موجب اہانت نہیں مگر کفار کے اختیار کردہ لفظ کے ساتھ اسے لفظی اشتراک ہے ----

یہ آپ کی کمال رعایت ادب ہے

باصاف ضمیراں باادب باش کہ بسیار
از آب گہر آئینہ زنگار گرفت ست

الغرض ہر چند صحابہ لفظ "راعنا" کو ادب و احترام اور تعظیم کے لیے استعمال کرتے تھے مگر پھر بھی اس سے ملتے جلتے دوسرے لفظ "راعینا" کا استعمال تذلیل و



تحقیر کے لیے استعمال کیا جاتا تھا اس لیے ممنوع قرار دے دیا گیا۔ لفظ "راعنا" سے اشارۃً کنایتہً بھی توہین مراد نہ تھی بلکہ اس کا استعمال تعظیم و ادب کے لیے تھا۔ پھر یہ لفظ مردود ٹھہرا اور اس کا استعمال کرنے والا مغضوب، تو غور کرو جن کلمات میں صراحتہً اور کھلم کھلا آپ کی شان میں گستاخی کی گئی ہو مولیٰ تعالیٰ کے نزدیک ان کلمات کا اور ان کے قائل کا کیا مقام ہوگا؟---- اس آیت میں دوسری بات قابلِ توجہ یہ ہے کہ یہاں مومنین سے خطاب فرمایا ہے، کفار یہود سے نہیں۔ اس لیے یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ وہی آیت کے مخاطب ہیں---- نہیں نہیں، مخاطب عوام و خواص مومنین ہیں۔

بہر کیف آیتِ مذکورہ سے مندرجہ ذیل اصول و آداب مستنبط کیے جا سکتے ہیں:۔

1۔ ایسا لفظ جس کے معنی اور اطلاق اگرچہ فی نفسہ صحیح ہو مگر اس سے تمسخر و استہزاء کا پہلو نکل سکتا ہو، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور استعمال کرنا ناجائز ہے۔

2۔ ایسے لفظ کا استعمال بھی جائز نہیں جو اگرچہ مقام ادب میں بولا جاتا ہو مگر اس سے ملتا جلتا لفظ مقامِ ادب سے گرا ہوا ہو۔

3۔ ایسے لفظ سے اگرچہ قائل کی مراد تمسخر و استہزاء نہ ہو مگر پھر بھی وہ گنہگار اور قابل مواخذہ ہے۔

4۔ اس قسم کے الفاظ بھول چوک اور اضطرار میں بھی نکل جائیں تو تدارک لازم ہے۔

5۔ جان بوجھ کر کہے جائیں تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے --- حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ اللہ کے نزدیک بھی اس کا قائل واجب القتل ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔

قرآن کریم میں جا بجا ایسی آیات ملتی ہیں جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و توقیر کا درس دیا ہے اور عظمت و شوکت کو بیان کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان آیات کو دل سے لگا کر رکھیں۔ تاکہ گلشنِ محبت و ادب ویران نہ ہو---- ملاحظہ فرمائیں:۔

1۔ یا ایہا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجہروا لہ بالقول کجہر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون۔

ترجمہ: اے ایمان والو! نبی کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہیں تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تم کو خبر تک نہ ہو۔

2۔ ان الذین یغضون اصواتہم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن اللہ قلوبہم للتقویٰ لہم مغفرۃ واجر عظیم۔

ترجمہ: جو لوگ رسول اللہ کے پاس اپنی آوازیں پست کرتے ہیں وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیا ہے ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔

3۔ ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرہم لا یعقلون

ترجمہ: جو حجروں کے پیچھے تم کو آواز دیتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہوتے ہیں۔

4۔ لم یذھبوا حتیٰ یستاذنوہ

ترجمہ: (ایمان والے وہ ہیں) جو نبی کی مجلس سے نبی کی اجازت کے بغیر نہیں جاتے۔

5۔ فاذا استاذنوک لبعض شانہم فاذن لمن شئت منہم۔

ترجمہ: جو شخص اجازت چاہیے اپنے کسی کام کے لیے تو ان میں سے جسے تم چاہو اجازت دے دو (جسے نہ چاہو اجازت نہ دو)

6۔ لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضاً

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔

7۔ قد یعلم اللہ الذین یتسللون منکم لواذاً فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبہم فتنۃ او یصیبہم عذاب الیم

ترجمہ: جو لوگ محفل مبارک سے آڑ لے کر کھسک جاتے ہیں اللہ انہیں جانتا ہے وہ اللہ کے حکم کے خلاف کرتے ہیں۔ ان کو خدا سے ڈرنا چاہیے کہ وہ آفت یا عذاب کا شکار نہ ہو جائیں۔

8۔ ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما

ترجمہ: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو!

9۔ قل ان کان اباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال ناقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجہاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ واللہ لا یہدی القوم الفسقین۔

ترجمہ: تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کا یہ مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔

قرآن کریم میں بعض آیات وہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت فرمائی ہے یا کوئی ہدایت و نصیحت ---- ایسی آیات میں عموماً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد و محاسن اور ان گنت خوبیاں بیان کی گئی ہیں---- ایسی آیات میں عموماً براہِ راست مسلمانوں سے خطاب فرمایا۔

اسی طرح احادیث میں بعض وہ ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عجز و انکسار کا اظہار فرمایا ہے اور بعض احادیث وہ ہیں جن میں آپ نے جلالت شان کا ذکر فرمایا ہے۔

اب ایک آنکھ تو وہ ہے جو پہلی قسم کی آیات و احادیث پر نظر جمائے ہوئے ہے۔ اس کی نظر دوسری قسم کی آیات و احادیث کی طرف اٹھتی ہی نہیں ---- مگر ایک آنکھ وہ بھی ہے جو پہلی اور دوسری دونوں قسم کی آیات و احادیث کو سامنے رکھ کر قرآن و حدیث کی روح تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہے اور وہ کچھ دیکھتی اور دکھاتی ہے جو پہلی آنکھ نہیں دیکھ پاتی ---- وہ پہلی آنکھ عالم آب و گل میں الجھ کر رہ گئی اور یہ دوری آنکھ سمٰوٰت، بلکہ ماورائے سمٰوٰت جا پہنچی ---- اس کا انداز نظر غیر سائینٹیفک ہے۔ اس کا انداز نظر سائنٹیفک ہوتے ہوتے بھی عاشقانہ اور مومنانہ ہے۔



فضائل و برکات قرآن

سید محمود احمد رضوی غفرلہ

فضائلِ قرآن

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہیں تم میں اللہ کی کتاب چھوڑ رہا ہوں جس میں نور اور ہدایت ہے۔

فَخُذُوْا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاسْتَمْسِكُوْا — تو اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھام لو

(مسلم)

حضور سیدِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا جس شخص کو قرآن خوانی کا شغل دُعا اور ذکر الٰہی سے روک دے میں اس کو مانگنے والوں سے زیادہ دیتا ہوں۔ کلام الٰہی کی بزرگی تمام کلاموں پر ایسی ہے جیسے اللہ کی تمام مخلوقات پر۔ (دارمی)

نیز فرمایا جس نے قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا تو قیامت کے دن اس کے والد کو ایک

اُلْبِسَ وَالِدُهٗ تَاجًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ضَوْءُهٗ اَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ۔ (ابوداؤد) — ایسا چمکتا ہوا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے زیادہ ہوگی۔

جس نے قرآن پڑھا اور اس کو یاد کیا اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا تو اللہ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

وَشَفَّعَهٗ فِیْ عَشَرَةٍ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ (ترمذی) — اور اس کی شفاعت اس کے اہلبیت کے ایسے افراد کے حق میں قبول کی جائے گی جن کے لئے دوزخ واجب ہو چکی ہے۔

قیامت کے روز قرآن رب العٰلمین کے دربار میں عرض کرے گا۔ میرے پڑھنے والے کو زینت دے تو حافظ کو تاج کرامت پہنا دیا جائے گا۔ پھر عرض کرے گا الٰہی اور زیادہ فرما! حافظ کو کرامت کا جوڑا پہنایا جائے گا۔ پھر عرض کرے گا الٰہی اس سے راضی ہوجا۔ اللہ تعالیٰ راضی ہوجائے گا اور فرمائے گا۔

وَيُزَادُ بِكُلِّ اٰيَةٍ حَسَنَةً (ترمذی) — ایک ایک آیت پڑھتا جا اور درجے حاصل کرتا جا۔

وہ شخص جس کے سینہ میں قرآن نہ ہو وہ ویران مکان کی طرح ہے۔ (ترمذی)

اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ (بخاری) — قرآن کا ماہر جنت میں رسلِ ملائکہ کے ساتھ ہوگا۔

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ (بخاری) — تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن پڑھے اور قرآن پڑھائے۔

القرآن المجید

قرآنِ مجید اللہ کی آخری وحی، ہادی انسانیت، کائنات کے لئے روشنی کا مینار۔ ہدایت و موعظت کا خزینہ۔ مرشد عالم، بےمثل و بےنظیر کتاب، اللہ کا کلام۔ رب ذوالجلال کی وحی۔ نوع انسانی کے لئے آخری ضابطۂ حیات نور۔ ہدایت۔ رحمت۔ موعظت۔ کائنات کے لئے مرشدِ حق اور امامِ کل۔ کامل و مکمل دین۔ انفرادی و اجتماعی زندگی کے لئے روشنی کا مینار۔ انسانیت کے لئے دستورِ حیات اور ہادی ہے قرآن ضیاء الاسلام ہے جس کی ہم تلاوت کرتے ہیں۔ یہ اللہ کی آخری وحی ہے جو اس نے اپنے آخری رسول حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا پر نازل فرمائی۔

قرآن کیا ہے؟ کیوں نازل ہوا۔ کس شان سے نازل ہوا۔ کس کا سینہ وحی الٰہی کا گنجینہ بنا خود قرآن نے اسے بیان فرمایا ہے۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ (الحاقۃ ۵) — بے شک یہ قرآن ایک کرم والے رسول سے باتیں ہیں اور کسی شاعر کی بات نہیں۔

و نطقِ رسول کی کیفیت یہ ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى۔ (نجم) — وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے وہ جو کچھ کہتے ہیں وحیِ الٰہی سے کہتے ہیں جو ان پر کی جاتی ہے۔

ایمان ہے قالِ مصطفائی
قرآن ہے حالِ مصطفائی

اللہ تعالیٰ نے حضور کو قرآن پڑھایا اور اس کے اسرار کی تعلیم دی

حضور سرورِ انبیاء حبیب کبریا محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کو پیشگاہِ الٰہی سے جو معجزات و آیات اور دلائل و براہین عطا ہوئے۔ ان میں سب سے بڑا معجزہ قرآنِ مجید ہے۔ جب کفار نے حضور سے معجزہ طلب کیا تو سورۂ عنکبوت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا۔

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ — کیا ان کو یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے اس پر کتاب نازل کی جو ان کو پڑھ کر سُنائی جاتی ہے۔

دیگر انبیاء کرام کے معجزات کو وہ شان و شوکت حاصل نہیں ہے۔ جو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو ملی ہے توریت و انجیل اور زبور آیات و بینات کا خزینہ تھیں۔ مگر انھیں دوام و اثبات نہ مل سکا۔ ان آسمانی کتابوں میں تغیر و تبدل، تحریف و نقصان پیدا ہوگیا۔ برخلاف اس کے قرآنِ مجید حضور علیہ السلام کا وہ عظیم و جلیل ——— معجزۂ اعظم ہے جو قیامت تک دنیا میں قائم و باقی رہے گا اور اس کے اثرات بھی دائمی اور ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں۔ دیگر انبیاء کرام کو جو معجزات عطا ہوئے ان میں سے کسی بھی معجزہ کی اللہ تعالیٰ نے تحدی نہیں فرمائی۔ یہ فضل و شرف اور اکرام و اجلال تو صرف حضور ہی کے معجزۂ عظیم قرآنِ مجید کو حاصل ہے۔ جس کی اللہ تعالیٰ

نے تحدی فرمائی ہے اور اعلان عام کیا ہے کہ دنیا ہمیشہ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز و درماندہ رہے گی۔ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا۔ اگر تمام جن و انس مل کر بھی چاہیں کہ اس

لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا
(بنی اسرائیل ۱۰)

جیسا قرآن بنا لائیں تو نہیں لا سکتے اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد پر کیوں نہ ہوں۔

تاریخ شاہد ہے کہ ساڑھے تیرہ سو برس گزر گئے۔ ان تیرہ صدیوں کے دن، مہینے اور سالوں میں ایک بھی تو ایسی آواز نہ بلند ہو سکی جو قرآن کی مثال لانے کی مدعی ہو۔ اسی طرح یہ خصوصیت اور عظمت بھی صرف اور صرف حضور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے معجزے، قرآنِ مجید کے حصہ میں آئی ہے کہ اس آسمانی کتاب کی حفاظت و صیانت کی ذمہ داری خود رب العلمین جل جلالہٗ نے اپنے ذمہ لی ہے۔ سورہ میں فرمایا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ — وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ

ہم نے ہی اس قرآن کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت بھی ضرور کریں گے۔

قرآنِ مجید کے وجوہِ اعجاز کے بیان و اظہار کے لیے دفتر درکار ہے بلکہ حق یہ ہے کہ قرآن کی معجزانہ شان کے وجوہ کو بیان کرنا ناممکن ہے۔ قرآنِ مجید کی فصاحت و بلاغت، الفاظ کی شیرینی اور تاثیر، عربیت، حسنِ کلام، معنیٰ آفرینی، عمیق فلسفہ، قوتِ جذب، مضامین میں عدمِ اختلاف، ہدایت و رہنمائی کا موثر انداز، تفہیم و ترجمانی کے لیے تشبیہ و استعارہ، قصص اور امثال کا استعمال، یہ سب امور قرآنِ مجید کی معجزانہ شان کے آئینہ دار ہیں۔

قرآنِ مجید کی عظمت و فضیلت

دنیا میں جو کچھ ہے خواہ اس کا تعلق عالمِ شہادۃ سے ہو جیسے انبیاء کرام، کعبہ، حجرِ اسود، مقامِ ابراہیم، روضۂ نبوی اور خواہ اس کا تعلق عالمِ غیب سے ہو جیسے لوح و قلم، عرش و کرسی، جنت اور اللہ کے مقرب فرشتے یہ سب معظم و متبرک اور مقدس ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں — لیکن قرآنِ مجید مخلوق نہیں اور نہ ذاتِ باری سے کوئی الگ چیز ہے۔ قرآنِ مجید تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو اس کی ذاتِ اقدس کے ساتھ قائم ہے۔ اسی لیے قرآن تمام مخلوقاتِ الٰہیہ سے افضل و برتر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا بے انتہا کرم ہے کہ اس نے اپنے طیب و طاہر رسولِ امین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ وہ کلام ہم تک پہنچایا اور ہمیں اس لائق بنایا کہ اس کی تلاوت کر سکیں اور اپنی زبان سے اس کلامِ الٰہی کو پڑھ سکیں — حدیثِ قدسی میں ارشاد ہے:-

وَفَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ (ترمذی)

اور کلامِ الٰہی (قرآن) کو دوسرے کلاموں پر ویسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسی اپنی مخلوق کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کو

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ قرآن حبل اللہ المتین۔ اللہ سے تعلق کا مضبوط وسیلہ۔ محکم نصیحت نامہ، صراطِ مستقیم اور حقِ مبین ہے جو شخص قرآن کے بغیر ہدایت کو تلاش کرے گا۔ اس کے حصہ میں اللہ کی طرف سے صرف گمراہی آئیگا۔ (ترمذی)

وَاتْلُوْهُ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ

دن اور رات میں قرآن کی تلاوت کیا کرو جیسا کہ اس کا حق ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بنی آدم کے قلوب پر اسی طرح زنگ چڑھ جاتا ہے۔ جیسے پانی لگ جانے سے لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ عرض کیا گیا۔ حضور دلوں کے اس زنگ کو دور کرنے کا ذریعہ کیا ہے:-

قَالَ كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ (بیہقی)

فرمایا موت کو زیادہ یاد کرنا اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا۔ جس نے قرآنِ مجید کا ایک حرف پڑھا۔ اس نے ایک نیکی کمائی اور یہ ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے میں یہ نہیں کہتا کہ:-

لَا اَقُوْلُ الٓمّٓ حَرْفٌ۔ اَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيْمٌ حَرْفٌ (ترمذی)

الٓمّٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے۔ لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف

اس حدیث سے واضح ہوا کہ بندہ اخلاص کے ساتھ قرآنِ مجید کی تلاوت کرتا ہے تو حروفِ تہجی کے ہر حرف کی تلاوت ایک نیکی شمار ہوگی اور یہ ایک نیکی اجر و ثواب کے لحاظ سے دس نیکیوں کے برابر ہوگی۔ حدیث میں فرمایا۔ میں نہیں کہتا کہ بسم اللہ ایک حرف ہے بلکہ ب ایک حرف ہے۔ س ایک حرف ہے م ایک حرف ہے اور میں نہیں کہتا کہ الٓمّٓ ایک حرف ہے بلکہ ا۔ ل۔ م الگ الگ حرف ہیں — حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ الٓمّٓ کی تلاوت کرنے والے کو تیس نیکیوں کے برابر ثواب عطا ہوگا یعنی ایک نیکی کا ثواب دس نیکیوں کے برابر۔ اس امر کو قرآنِ مجید نے بھی صریح طور پر بیان کیا ہے۔ سورہ انعام میں ارشادِ خداوندی ہے:-

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (انعام ۲۰)

جو بندہ ایک نیکی لے کر آئے گا اس کو اس جیسی دس نیکیوں کا ثواب دیا جائیگا۔

قرآن کے معنیٰ و مفہوم کو سمجھے بغیر تلاوت بھی باعثِ اجر و ثواب ہے

مذکورہ بالا حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قرآن مجید کی عظمت و رفعت کا یہ عالم ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے معنی و مفہوم کو سمجھے بغیر بھی تلاوت کرتا ہے تو صرف تلاوت بھی باعثِ اجر و ثواب ہے یعنی قرآنِ مجید کی تلاوت پر ثواب کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ تلاوت معنی و مفہوم کو سمجھ کر ہی ہو کیونکہ الٓمّٓ اور سارے حروف مقطعات، کٓھٰیٰعٓصٓ۔ الٓمّٓ۔ حٰمٓ۔ یٰسٓ۔ حٰمٓ عٓسٓقٓ ان کی تلاوت معنی و مفہوم کو سمجھے بغیر ہی کی جاتی ہے اور حدیث مذکورہ نے صراحۃً اس امر کی نشاندہی کی ہے کہ ان حروف کی صرف تلاوت کرنے والوں کو بھی ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب ملے گا — اگرچہ یہ بات واضح ہے کہ قرآن کے معنیٰ و مفہوم کو سمجھنے کی تعلیم حاصل کرنی چاہیئے۔ یہ بھی درست ہے کہ قرآنِ مجید کے معنیٰ و مفہوم کو سمجھ کر اس کی تلاوت کرنا نور علیٰ نور ہے اور بیشمار دینی و دنیوی حسنات و برکات کا موجب ہے۔ جب تک آیاتِ قرآنیہ کے مطالب و معنیٰ کو نہ جانا جائے یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کیا ہیں؟ اور قرآن ہم سے کیا چاہتا ہے؟ مگر اس کے باوجود محض اس وجہ سے کہ ترجمہ نہیں جانتا تلاوتِ قرآن کو ترک کر دینا شرعاً غلط ہے اور اسی طرح یہ خیال بھی غلط ہے کہ معنیٰ سمجھے بغیر تلاوت بیکار ہے۔

قرآن کو دلچسپی کیساتھ پڑھو اور اسمیں تدبر کرو فلاح پاؤ گے (الحدیث)

بسم اللہ کی تفسیر و تشریح

موسوم بہ میلاد نبوی

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت
الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رح



حضرت عزت جل جلالہٗ اپنی کتاب کریم و ذکر حکیم میں اپنے بندوں پر اپنی رحمت تامہ فرماتا اور ان کو اپنے دربار تک وصول کا طریقہ بتاتا ہے، یہ سورۂ مبارکہ رب العزت تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے بندوں کو تعلیم فرمائی اور خود ان کی طرف سے ارشاد ہوئی۔ ابتدا اس کی اور تمام سورہ قرآن عظیم کی بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم سے فرمائی گئی۔ اول حقیقی اللہ عزوجل ہے۔

ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شیئٍ علیم

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا اسم جلالت اللہ سے ہونی چاہیئے کہ اللہ الرحمٰن الرحیم مگر ابتدا یوں فرمائی گئی۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وہ جو اول حقیقی اللہ کا علم ذات ہے، کہ ذات واجب الوجود مجمع جمیع صفات کمالیہ پر دال ہے۔ اس سے پہلے اسم کا لفظ لائے اور اس پر بے کا حرف داخل فرمایا، گویا اس طرف اشارہ ہے، کہ اللہ اپنی الوہیت و احدانیت و ہویت میں بے غایت ظہور سے بے غایت بطون میں ہے۔ بندوں کو اس تک وصول محال کسی کی عقل کسی کا وہم کسی کا خیال اس تک نہیں پہنچتا جس کا نام اللہ ہے۔ وہ پاک و منزہ ہے۔ اس سے کہ اس تک فکر و وہم کا وصول ہو سکے۔ ایسی مخفی و باطن سے اس تک وصول کے علامت درکار اور اسم کہتے ہیں۔ علامت کو جو دلالت کرے ذات پر تو اسم اللہ ذریعہ ہو وصال کا اور اسم جبکہ نام ٹھہرا اس شے کا جو دلالت کرنے والی ہے ذات پر ذات پاک ہے۔ اس سے کہ اسے کسی شے کی حاجت ہو ضرور ہے کہ ذات پر دلالت کرنے کے لئے تین چیزیں ہونی چاہئیں۔ ایک ذات ہو دوسرا اس کا غیر ہو۔ تیسرا بیچ میں کوئی واسطہ ہو جو دلالت کرے اس غیر کو اس ذات کی طرف وہ ذات، ذات الٰہی ہے اور وہ غیر یہ تمام عالم مخلوقات اور اسم اللہ کو اللہ پر دلالت کرنے والا ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تو گویا ابتدا ہی نام اقدس سے فرمائی گئی۔ اپنے نام پاک سے پہلے نام حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا لایا جاتا ہے کہ ذریعہ وصول ہوئے۔ اسم اللہ تمام مخلوقات کے لئے جو ازل سے ابد تک وجود میں لائی گئی۔ ذات اقدس کی طرف دال ہے۔ اس واسطے کہ تمام جہان کو اللہ کی طرف ہدایت حضور ہی نے فرمائی۔ حضور ہی ہادی ہیں مخلوق الٰہی کے یہاں تک کہ انبیائے کرام و مرسلین عظام کے بھی ہادی ہیں تو حضور کے سوا جتنے ہادی ہیں دلالت [illegible] سے موصوف نہیں ہو سکتے کہ انہوں نے تمام مخلوق کو دلالت کی ہو ان کو کسی نے دلالت نہ کی ہو ایسا نہیں۔ اگر وہ امتوں کے دال ہیں تو حضورؐ کے مدلول ہیں۔ دلالت مطلقہ خاص حضورؐ اقدس ہی کے لئے ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام غیر اللہ کو اللہ کی طرف جس نے دلالت کی وہ محمد رسول اللہ ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ تمام مخلوقات الٰہی میں کچھ تو وہ ہیں جو اللہ سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے کچھ وہ ہیں جو علاقہ رکھتے ہیں وسائط کے ساتھ۔ مگر دوسرا ان سے علاقہ نہیں رکھتا۔ مھدی ہیں۔ ہادی نہیں یعنی ہادی بالذات نہیں۔ اگرچہ بالواسطہ ہادی ہوں۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی الاطلاق ہادی و مھدی ہیں۔

کلمہ کی تین قسمیں ہیں۔ اسم۔ فعل۔ حرف۔ حرف نہ تو مسند ہوتا ہے نہ مسند الیہ۔ فعل مسند ہوتا ہے، مسند الیہ نہیں ہوتا۔ اسم مسند بھی ہوتا ہے اور مسند الیہ بھی۔ تو وہ جو بے علاقہ ہیں، ذات الٰہی سے وہ حرف ہیں۔

ومنھم من یعبد اللہ علیٰ حرف فان اصابہٗ خیر ن اطمأن بہ وان اصابتہ فتنۃ ن القلب علیٰ وجھہ وخسر الدنیا والاخرۃ ذالک ھو الخسران المبین۔

کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ کو پوجتے ہیں کنارے پر تو اگر بھلائی پہنچ گئی تو مطمئن ہے اور اگر کوئی آزمائش ہوئی تو کنارے کھڑے ہی ہیں۔ فوراً ایک قدم میں بدل گئے۔ پلٹ گئے۔ ان کو دنیا و آخرت دونوں میں خسارہ ہوا۔ اور یہی کھلا خسارہ ہے۔

تو یہ نہ مسند ہیں نہ مسند الیہ کہ حرف ہیں اور وہ جو خود ذات الٰہی سے علاقہ رکھتے ہیں۔ مگر بالذات ان سے دوسرا علاقہ نہیں رکھتا وہ تمام مومنین و ہادین کہ مسند ہیں مگر بالذات مسند الیہ نہیں۔ وہ فعل ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات کریم بیشک مسند و مسند الیہ بالذات و بے وساطت ہے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسم ہیں کہ ان کو اپنے رب سے نسبت ہے اور سب کو ان سے نسبت ہے اور یہی شان ہے اسم کی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحٰبہٖ وبارک وسلم۔ اسم کے خواص میں یہ بھی ہے کہ اس پر حرف تعریف داخل ہوتا ہے اور تعریف کی حد ہے حمد اور حمد کی تکثیر ہے۔ تحمید اور اسی سے مشتق ہے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہ وبارک وسلم۔ یعنی بار بار اور بکثرت بے شمار تعریف کیے گئے حمد کیے گئے۔ تو مخلوقات میں تعریف کے اصل مستحق نہیں مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ وہی اصل جملہ کمالات ہیں۔ جس کو جو کمال ملا ہے وہ حضور ہی کمال کا صدقہ اور ظل و پرتو ہے۔ امام سیدی محمد بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے قصیدہ ہمزیہ میں عرض کرتے ہیں۔

کیف ترقی رقیک الانبیاء ۔۔۔ یا سماءً ماطاولتھا سماء

لم یساووک فی علاک وقد حا ۔۔۔ ل سنًا منک دونھم وسناء

انما مثلوا صفاتک للنا ۔۔۔ س کما مثل النجوم الماء

انبیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ترقی کیسے پا سکیں۔ اے وہ آسمان جس سے کوئی آسمان بلندی میں مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وہ حضورؐ کے مراتب بلند کے قریب

بھی نہ پہنچے حضورؐ کی رفعت و روشنی حضور تک پہنچنے سے انہیں حائل ہوگئی۔ وہ تو حضور کی صفات کریمہ کا پرتو لوگوں کو دکھا رہے ہیں۔ جیسے ستاروں کی شبیہ پانی دکھاتا ہے۔

حضورؐ کی صفات کو نجوم سے تشبیہ دی، کہ وہ لا تعد و لاتحصی ہیں انبیائے کرام غایت انجلا میں مثل پانی کے ہیں۔ اپنی صفا کے سبب ان نجوم کا عکس لے کر ظاہر کرتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حمد ہوا کرتی ہے۔ مقابل کسی صفت کمال کے اور تمام صفات کمال مخلوقات میں خاص ہیں حضورؐ کے لئے۔ باقی کو جو ملا ہے حضورؐ کا عطیہ وصدقہ ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

انما انا قاسم واللہ المعطی۔

عطا فرمانے والا ہے اور تقسیم کرنے والا ہے۔

کوئی تخصیص نہیں فرمائی کہ کس چیز کا عطا فرمانے والا اللہ ہے اور کس چیز کے حضورؐ قاسم ہیں۔ ایسی جگہ اطلاق دلیل تعمیم ہے۔ کونسی چیز ہے جس کا دینے والا اللہ نہیں تو جو چیز جس کو اللہ نے دی تقسیم فرمانے والے اس کے حضور ہی ہیں۔ جو اطلاق و تعمیم وہاں ہے یہاں بھی ہے جو جس کو ملا اور جو کچھ بٹا اور بٹے گا۔ ابتدائے خلق ابد الآباد تک ظاہر و باطن میں، روح جسم میں، ارض و سما میں، عرش فرش میں، دنیا و آخرت میں جو کچھ ہے اس سب کے بانٹنے والے حضور ہی ہیں۔ اللہ عطا فرماتا ہے اور ان کے ہاتھ سے ملتا ہے اور ملے گا، الیٰ ابد الآباد۔ لہٰذا مخلوقات میں تعریف کے اصل مستحق یہ ہی ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

اسم کا خاصہ ہے جر، اور جر کے معنی ہیں کشش یعنی جذب فرمانا۔ یہ خاصہ ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا۔ کھینچنا دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک کھینچنا بلا مزاحمت کہ جس کو کھینچا جائے وہ کھنچ آئے۔ دوسرا کھینچنا مزاحمت کے ساتھ کہ کھینچنے والا تو کھینچ رہا ہے اور یہ کھنچنا نہیں چاہتا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

انتم تتقحمون فی النار کالفراش وانا آخذ بحجزکم ھلم الی

تم پروانوں کی مانند آگ پر گرتے پڑتے ہو اور میں تمہارا کمربند پکڑے کھینچ رہا ہوں کہ میری طرف آؤ۔

یہ شان ہے جر یعنی کشش کی۔ اسم نحوی کا خاصہ جر من حیث الوقوع ہے اور اور اسم اللہ کا من حیث الصدور۔ ہاں جر ان احوال و کیفیات سے ناشی ہوتا ہے جن پر حروف جارہ دلالت کرتے ہیں۔ وہ یہاں بر وجہ اتم ہیں۔ مثلاً (با ء) کے معنی ہیں الصاق یعنی ملانا۔ یہ خاص کام ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کہ خلق کو خالق سے ملاتے ہیں یا من کہ ابتدائے غایت کے لئے ہے یہ بھی خاص ہے۔ حضور ہی کے لئے:۔

یاجابر ان اللہ خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہٖ۔

اے جابر تمام جہان سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کے نور کو اپنے سے پیدا کیا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ہر فضل و ہر کمال حتیٰ کہ وجود میں بھی ابتدا انہیں سے ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

الیٰ آتا ہے انتہائے غایت کے لئے۔ انتہائے کمال انہیں پر بلکہ ہر فرد، بلکہ ہر فرد کمال انھیں پر منتہی ہوتا ہے۔ اول الانبیاء بھی وہی ہیں اور خاتم النبیین بھی وہی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

تلمسانی عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ

ایک بار جبریل امین حاضر بارگاہ اقدس ہوئے۔ اور عرض کی السلام علیک یا اوّلُ، السلام علیک یا آخِرُ، السلام علیک یا ظاہِرُ، السلام علیک یا باطِنُ۔ رب العزت نے قرآنِ عظیم اپنی صفت کریمہ فرمائی۔ ھوالاوّلُ والآخِرُ والظاھِرُ والباطِنُ وھو بکل شیئٍ علیم ٥ اس آیت کے لحاظ سے حضور نے جبریل سے فرمایا کہ یہ صفات میرے رب عزوجل کی ہیں۔ عرض کی یہ صفات اللہ عزوجل کی ہیں۔ اس نے حضور کو بھی ان سے متصف فرمایا۔

اللہ نے حضور کو اول کیا۔ تمام مخلوق سے پہلے حضور کے نور کو پیدا کیا اور اللہ نے حضور کو آخر کیا تمام انبیاء کے بعد مبعوث فرمایا، اور حضور کو ظاہر۔ اپنے معجزات مبینہ سے کہ عالم میں کسی کو شک و شبہ کی مجال نہیں اور حضور کو باطن کیا ایسے غایت ظہور سے کہ آفتاب اس کروڑویں حصہ کو نہیں پہنچتا۔ آفتاب اور جملہ انوار انہیں کے تو پر تو ہیں۔ آفتاب میں شک ہوسکتا ہے اور ان میں شک ممکن نہیں۔ فرض کیجئے اگر ہم نصف النہار پر ایک روشن شرارہ آفتاب کے برابر دیکھیں جسے اپنے گمان سے یقیناً آفتاب سمجھیں اور اس کی دھوپ بھی دوپہر ہی کی طرح پھیلی ہو، اور حضورؐ فرمائیں یہ آفتاب نہیں، کوئی کرۂ نار کا شرارہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سب نعمتوں سے اعلیٰ نعمت ہے

ہے۔ یقیناً ہر مسلمان صدق سے فوراً ایمان لائے گا۔ کہ حضور کا ارشاد قطعاً حق و صحیح ہے۔ اور آفتاب سمجھنا میرے نگاہ و گمان کی غلطی صریح ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا یہی ہے۔ کہ آفتاب ہنوز معرض خفا میں ہے اور حضور پر اصلاً خفا نہیں۔ آفتاب سے کروڑوں درجہ روشن ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اور ان کا یہ غایت ظہور ہی غایت بطون کا سبب ہے اور حضورؐ کے بطون کی یہ شان ہے کہ خدا کے سوا حضور کی حقیقت سے کوئی واقف ہی نہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اعرفُ النّاس یعنی سب سے زیادہ حضور کے پہچاننے والے اس امت مرحومہ میں ہیں۔ اسی واسطے ان کا مرتبہ افضل و اعلیٰ ہے۔ معرفت الٰہی وہ معرفت محمدؐ ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس کو ان کی معرفت زائد ہے اس کو معرفت الٰہی بھی زائد ہے۔ صدیق اکبر جیسے اعرف الناس کو تمام جہان سے زیادہ حضورؐ کی معرفت رکھتے ہیں ان سے ارشاد فرمایا۔

یا ابابکر لم یعرفنی حقیقۃ غیر ربی

اے ابو بکر جیسا میں ہوں سوا میرے رب کے اور کسی نے نہ پہچانا۔

باطن ایسے کہ خدا کے سوا کسی نے ان کو پہچانا ہی نہیں۔ اور ظاہر بھی ایسے کہ ہر پتہ ہر ذرہ شجر و حجر وحوش و طیور حضور جانتے ہیں۔ یہ کمال ظہور ہے۔ صدیق اپنے مرتبہ کے لائق حضور کو جانتے ہیں جبریل امین اپنے مرتبہ کے لائق پہچانتے ہیں۔ انبیاء و مرسلین اپنے اپنے مراتب کے لائق باقی رہا حقیقۃً ان کو پہچاننا تو ان کا جاننے والا ان کا رب ہے تبارک و تعالیٰ ان کا بنانے والا۔ ان کا نوازنے والا۔ ان کی حقیقت کے پہچاننے میں دوسرے کے واسطے حصہ ہی نہیں رکھا۔

بلا تشبیہ محب نہیں چاہتا کہ جو ادا محبوب کی اس کے ساتھ ہے وہ دوسرے کے ساتھ ہو۔ اللہ تمام جہان سے زیادہ غیرت والا ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت فرماتے ہیں۔

انہ لغیور وَاَنَا اَغْیَرُ مِنْہُ وَاللّٰہُ اَغْیَرُ مِنِّیْ۔

وہ غیرت والا ہے اور میں اس سے زیادہ غیرت والا ہوں اور اللہ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے۔

وہ کیوں کر روا رکھے گا کہ دوسرا میرے حبیب کی اس خاص ادا پر مطلع ہو جو میرے ساتھ ہے۔ اسی واسطے فرمایا جاتا ہے جیسا میں ہوں میرے رب کے سوا کسی نے نہ پہچانا ہم تو قوم نیام تسلوا عنہ بِالْحُلُمِ ہی ہیں۔ سوتے ہیں خواب ہی میں زیارت پر راضی ہیں۔ انصاف یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی حقیقت اقدس کے لحاظ سے اسی کے مصداق ہیں۔ دنیا خواب ہے، اور اس کی بیداری نیند امیر المومنین مولےٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں۔

الناس نیام اذا ماتوا استنھوا

لوگ سوتے ہیں جب مریں گے جاگیں۔

خواب اور دنیا کی بیداری میں اتنا فرق ہے کہ خواب کے بعد آنکھ کھلی اور کچھ نہ تھا اور یہاں آنکھ بند ہوئی اور کچھ نہ تھا۔ نتیجہ دونوں جگہ ایک ہے ومَا الحیٰوۃ الدُّنیا اِلا مَتاعُ الغرُور خواب میں جمال اقدس کی زیارت ضرور حق ہوتی ہے خود فرماتے ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

من رانی فقد رای الحق فان الشیطان لا یتمثل۔

بے جس نے مجھے دیکھا اس نے حق دیکھا کہ شیطان میری صورت نہیں بن سکتا۔

پھر لوگ مختلف اشکال و احوال میں دیکھتے ہیں کہ وہ اختلاف ان کے اپنے ایمان و احوال ہی کا ہے۔ ہر ایک اپنے ایمان کے لائق ان کو دیکھتا ہے۔ یونہی بیداری میں جتنے دیکھنے والے تھے۔ سب اس آئینہ حق نما میں اپنے ایمان کی صورت دیکھتے ورنہ ان کی صورت حقیقیہ پر غیرت الٰہیہ کے ستر ہزار پردے ڈالے گئے ہیں کہ ان میں سے اگر ایک پردہ اٹھا دیا جائے، آفتاب جل کر خاک ہو جائے جیسے آفتاب کے آگے ستارے غائب ہو جاتے ہیں اور جو ستارہ اس سے قران میں ہو احتراق میں کہلاتا ہے تو صحابہ کرام نے بھی خواب ہی میں زیارت کی۔ نہ رب العزت کو بیداری میں دنیا میں دیکھ سکتا ہے۔ نہ جمال انور حضور اقدس کو۔ جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب معراج کو رب العزت جل و علا کو بیداری میں چشم سر سے دیکھا۔ وہ دیکھنا دنیا سے ورا تھا کہ دنیا ساتویں زمین سے ساتویں آسمان تک ہے اور یہ روایت لامکاں میں ہوئی۔ بالجملہ اس وقت بھی ہر شخص نے اپنے ایمان ہی کی صورت دیکھی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آئینہ خدا ساز ہیں۔ ابوجہل لعین حاضر ہو کر عرض کرتا ہے۔ "زشت نقشے کز بنی ہاشم شگفت" حضور ماتے ہیں صَدَقْتَ تو سچ کہتا ہے۔ ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں حضور سے زیادہ کوئی خوبصورت پیدا نہ ہوا۔ حضورؐ بے مثل ہیں۔ حضور آفتاب ہیں۔ نہ شرقی نہ غربی۔ ارشاد فرمایا "صَدَقْتَ" تم سچ کہتے ہو۔ صحابہ نے عرض کی۔ حضور نے دو متضاد قولوں کی تصدیق فرمائی۔ ارشاد فرمایا۔

گفت من آئینہ ام مصقول دوست ترک ہندو در من آں بیند کہ اوست

میں تو اپنے چاہنے والے رب تبارک و تعالیٰ کا اجالا ہوا آئینہ ہوں۔ ابوجہل کہ ظلمت کفر میں آلودہ ہے۔ اس کو اپنے کفر کی تاریکی نظر آئی۔ اور ابوبکر سب سے بہتر ہیں انہوں نے اپنا نور ایمان دیکھا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔ لہٰذا ذات کریم جامع کمال ظہور و کمال بطون ہے۔

ظہور کسی شئے کا جب ایک ترقی محدود تک ہوتا ہے وہ شئے نظر آتی ہے اور جب حد سے زیادہ ہو جاتا ہے، تو وہ چیز نظر نہیں آتی۔ آفتاب جب افق سے نکلتا ہے سرخی مائل کچھ بخارات و غبارات میں ہوتا ہے۔ ہر شخص کی نگاہ اس پر جمتی ہے۔ جب ٹھیک نصف النہار پر پہنچتا ہے۔ غایت ظہور سے باطن ہو جاتا ہے۔ اب نگاہیں اس پر نہیں ٹھہر سکتیں۔ خیرہ ہو کر واپس آتی ہیں۔ غایت ظہور پر پہنچا جس کی وجہ سے غایت بطون میں ہو گیا۔ آفتاب کہ نام ہے ان کی گلی کے ایک ذرہ کا۔ وہ آفتاب حقیقت کہ رب العزۃ نے اپنی ذات کے لئے اس کو آئینہ کاملہ بنایا ہے۔ اور اس میں مع ذات و صفات کے تجلی فرمائی ہے۔ حقیقت اس ذات کی کون پہچان سکتا ہے۔ وہ غایت ظہور سے غایت بطون میں ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔ اسی سبب سے نام اقدس میں دونوں رعائتیں رکھی ہیں۔ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بکثرت اور بار بار غیر متناہی تعریف کئے گئے۔ اطلاق نے تمام تعریفوں کو جمع فرما لیا ہے یہ تو شان ہے غایت ظہور کی اور نام اقدس پر الف لام تعریف کا داخل نہیں ہوتا۔ یعنی ایسے ظاہر ہیں کہ مستغنی عن التعریف ہیں۔ تعریف کی ضرورت نہیں یا ایسے بطون میں



ہیں کہ تعریف ہو نہیں سکتی۔ تعریف عہد یا استغراق یا جنس کے لئے ہے وہاں نے سب کی وحدت حقیقیہ کے مظہر کامل اپنے جملہ فضائل وکمالات میں شریک سے منزہ ہیں۔

امام محمد بوصیری بردہ شریف میں فرماتے ہیں ؎

منزہ عن شریک فی محاسنہ　　فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

اپنی خوبیوں میں شریک سے پاک ہیں۔ ان کے حسن کا جوہر فرد قابل انقسام نہیں کہ یہاں جنسیت واستغراق نامتصور اور عہد فرع معرفت ہے۔ اور ان کا ذاتاً وحقیقۃً کوئی پہچان ہی نہیں سکتا تو نام اقدس پر کہ علم ذات ہے لام تعریف کیونکر داخل ہو۔

جس طرح رمنؐ۔ الی جر کرتے ہیں۔ اسی طرح کاف تشبیہ بھی جر کے لئے آتا ہے۔ ذات الٰہی کمال تنزیہ کے مرتبے میں ہے اور تشابہات میں تشبیہات بھی وارد صحیح مذہب محققین کا یہ ہے کہ تنزیہ ہے اس کی ذات وصفات کے لئے اور تشبیہ ہے۔ تجلیات کے لئے، دونوں کو اس کریمہ میں جمع فرما دیا لیس کمثلہ شیئی وھو السمیع البصیر۔ لیس کمثلہ شئ "کوئی شے اس کے مثل نہیں۔ یہ تنزیہ ہوئی۔ اور" وھو السمیع البصیر" وہی ہے۔ سننے دیکھنے والا یہ تشبیہ۔ جب تک اللہ نے عالم نہ بنایا تھا تو نہ عالم خیال میں نہ عالم مثال۔ بلکہ عالم تمثیل میں تجلی　　کے لئے ایک تشبیہ پیدا ہوئی جو عبارت ہے ذات اقدس سے صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔ اور اللہ تعالیٰ متعالی ہے۔ شبیہ سے۔ ہاں پہلی تجلی جو فرمائی ہے اسی کا نام ہے محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم۔ اور اس تجلی کی اور تجلیات کی گئی ہیں، ان کا نام ہے انبیاء کرام و مرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام جس طرح امام محمد بوصیری رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے کلام سے اوپر بیان ہوا۔

آگے فرمایا جاتا ہے۔ الرحمٰن الرحیم۔ مدح کا قاعدہ ہے کہ وہ اختصاص پر دلالت کرتی ہے۔ الرحمٰن الرحیم سے پہلے لایا گیا الرحمٰن کہ رحمت کا بالغہ رب تبارک وتعالےٰ کے ساتھ خاص ہے پھر فرمایا گیا الرحیم یعنی مطلق رحمت ہی اس کے ساتھ خاص ہے۔ رب العزت کی بے انتہا صفات ہیں یہ کیا ہے جن سے تمام صفات الٰہیہ کو رحمت کے پردے میں دکھایا۔ القہار المنتقم نہیں فرمایا جاتا۔ الرحمٰن الرحیم خالص رحمت دکھائی جاتی ہے۔ یہ وہی آئینہ ذات الٰہی ہے۔ جس میں صفات قہر یہ بھی آکر خالص رحمت سے متلبس ہو جاتی ہیں وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم اولین کے لئے رحمت آخرین کے لئے رحمت، ملائکہ کے لئے رحمت، تمام مومنین کے لئے رحمت یہاں تک کہ دنیا میں وہ کافرین مشرکین منافقین مرتدین کے بھی رحمت ہیں۔ یہ لوگ بھی آج ان کی رحمت سے دنیا میں عذاب سے محفوظ ہیں۔

مَاکان لعذبھم وانت فیھم اللہ اس لئے نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے رحمت عالم تم ان میں ہو۔

اسی لئے ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح ورفعنٰہ مکانا علیاً اختیار نہ فرمایا گیا۔ حالانکہ ان کے غلام واہل محبت کی نعش تک آسمان پر اٹھالی گئی ہے۔

سیدی عمر بن الفارض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگل میں ایک جنازہ دیکھا۔ اکابر اولیاء جمع ہیں۔ مگر نماز نہیں ہوتی۔ انہوں نے تاخیر کا سبب پوچھا۔ کہا امام کا انتظار ہے ایک صاحب کو نہایت جلدی کرتے ہوئے پہاڑ سے اترتے دیکھا۔ جب قریب آئے معلوم ہوا کہ یہ وہ صاحب ہیں جن سے شہر میں لڑکے ہنستے اور چپتیں لگاتے ہیں۔ وہ امام ہوئے۔ سب نے ان کی اقتدا کی۔ نماز ہی میں بکثرت سبز پرندوں کا نعش کے گرد مجمع ہو گیا۔ جب نماز ختم ہوئی نعش کو اپنی منقاروں میں لے کر آسمان پر اڑتے ہوئے چلے گئے۔ انہوں نے پوچھا جواب ملا یہ اہل محبت ہیں۔ ان کی میت بھی زمین پر نہیں رہنے پاتی۔ مگر حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہیں تشریف رکھنا پسند فرمایا، کہ خلق کے لئے عذاب عالم سے امام ہو۔

جنت تو حضور کی رحمت کا پرتو ہے ہی دوزخ بھی حضور کی رحمت سے بنی ہے۔ کہ یہاں صفات قہر یہ بھی رحمت ہی کی تجلی میں ہیں جنت کا رحمت ہونا ظاہر حضور کے نام لیووں کی جاگیر ہے۔ دوزخ کا بنانا بھی رحمت ہے۔ دو وجہ سے۔ دنیا میں بادشاہ کی اطاعت تین ذرائع سے ہوتی ہے۔ اول بادشاہ اطاعت خاص اس لئے کہ وہ بادشاہ ہے۔ دوسرے کچھ انعام کا لالچ دیا جاتا ہے کہ ہمارے احکام مانو گے تو یہ انعام ملیں گے یہ رحمت ہے۔ تیسرے فاسق سرکش جو انعام کی پرواہ نہیں کرتے ان کو سزائیں سنا کر ڈرایا جاتا ہے کہ اطاعت نہ کرو گے تو زندان میں بھیجے جاؤ گے۔ وہ انعام تو عین رحمت ہے اور یہ کوڑا عذاب کا یہ بھی رحمت ہے۔ اس لئے کہ رحمت ہی سے ناشی ہے کہ جیل خانہ سے ڈر کر سزا کے مستحق نہ ہوں۔ اطاعت کریں انعام کے مستحق ہوں تو دوزخ بھی رحمت ہے کہ دنیا کو ڈر کے باعث گناہوں سے بچانے والی ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ کفار نے اللہ کے محبوبوں کو ایذا دی۔ ان کی توہین کی۔ رب العزت نے اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کے لئے دوزخ کو پیدا فرمایا۔ قدر ضد کی ضد سے معلوم ہوا کرتی ہے۔ گرمی کی قدر سردی سے۔ سردی کی گرمی سے۔ چراغ کی اندھیرے سے معلوم ہوتی ہے کہ الاشیاء تعرف باضدادھا تو اہل جنت کو یہ دکھانا ہے کہ دیکھو اگر تم بھی محبوبان خدا کا دامن نہ تھامتے۔ ان کی طرح تمہاری جگہ بھی یہی ہوتی۔ اس وقت محبوبان خدا کے دامن تھامنے کی قدر کھلے گی۔ وللہ الحمد وصلی اللہ تعالےٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم

اللھم صل علیٰ سیدنا ومولانا محمد معدن الجود والکرم والہ الکرام اجمعین

حضور تمام جہان کے لئے رحمت ہیں۔ رحمت الٰہی کے معنی ہیں بندوں کو ایصال خیر فرمانے کا ارادہ تو رحمت کے لئے جو چیزیں درکار ہیں۔ ایک مخلوق جس کو خیر پہنچائی جائے۔ دوسری خیر اور دونوں متفرع ہیں۔ وجود نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر اگر حضور نہ ہوتے نہ کوئی خیر کا پانے والا تو رحمت الٰہی کا ظہور نہ ہوا۔ مگر صورت وجود نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں تمام نعمتیں، تمام کمالات تمام فضائل متفرع ہیں وجود پر اور تمام عالم وجود متفرع ہیں۔ حضور کے وجود پر تو سب پر حضور ہی کے طفیل رحمت ہوئی۔ ملک ہو خواہ نبی یا رسول جس کو جو نعمت ملی حضور ہی دست عطا سے ملی۔

حضور نعمۃ اللہ ہیں۔ قرآن عظیم نے ان کا نام نعمۃ اللہ رکھا ان الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفرا کہ تفسیر میں حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں نعمۃ اللہ محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم۔ نعمۃ اللہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ ولہذا ان کی تشریف کا تذکرہ امتثال امر الٰہی ہے۔ قال تعالیٰ واما بنعمۃ ربک فحدث۔ اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سب نعمتوں سے اعلیٰ نعمت ہے۔ یہی تشریف آوری ہے جس کے طفیل۔ دنیا، قبر، حشر، برزخ، آخرت، غرض ہر وقت ہر جگہ ہر آن نعمت ظاہر و باطن سے ہمارا ایک ایک رونگٹا متمتع اور بہرہ مند ہے، اور ہو گا انشاء اللہ تعالےٰ اپنے رب کے حکم سے اپنے رب کی نعمتوں کا چرچا مجلس میلاد میں ہوتا ہے۔ مجلس میلاد آخر وہی شئے ہے جس کا حکم رب العزۃ دے رہا ہے۔ واما بنعمۃ ربک فحدث مجلس مبارک کی حقیقت مجمع المسلمین کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری وفضائل جلیلہ وکمالات جمیلہ کا ذکر سنانا ہے۔ بند یا رقعہ بانٹنا یا طعام و

شیرنی کی تقسیم اس کا جز حقیقت نہیں نہ ان میں کچھ جرم اول دعوت الی الخیر ہے اور دعوت الی الخیر بیشک خیر ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

من احسن قولا ممن دعی الی اللہ

اس سے زیادہ کس کی بات اچھی جو اللہ کی طرف بلائے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں من داعی الی ھدی کان لہ الاجر مثل اجور من تبعہ ولا ینقص ذالک من اجورھم شیئاً۔ جو لوگوں کو کسی ہدایت کی طرف بلائے جتنے اس کا بلا قبول کریں ان سب کے برابر ثواب اسے ملے اور ان کے ثوابوں میں کچھ کمی نہ ہو۔

اور اطعام طعام یا تقسیم شیرینی بر و صلہ و احسان صدقہ ہے اور یہ سب شرعاً محمود ان مجالس کے لیئے ایک تمکیں نہیں ملائکہ بھی تداعی کرتے ہیں۔ جہاں مجالس ذکر شریف ہوتے دیکھی۔ ایک دوسرے کو بلاتے ہیں کہ آؤ یہاں تمہارا مطلوب ہے۔ پھر وہاں سے آسمان تک چھا جاتے ہیں۔ تم دنیا کی مٹھائی بانٹتے ہو ادھر سے رحمت کی شیرینی تقسیم ہوتی ہے وہ بھی ایسی عام کرنا مستحق کو بھی حصہ دیتے ہیں۔ ھم القوم لا یشقی بھم جلیسھم ان لوگوں کے پاس بیٹھنے بھی بدبخت نہیں رہتا۔ یہ مجلس آج سے نہیں آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود کی اور کرتے رہے اور ان کی اولاد میں برابر ہوتی رہی۔ کوئی دن ایسا نہ تھا کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ذکر حضور نہ کرتے ہوں۔ اول روز سے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تعلیم ہی یہ فرمایا گیا کہ میرے ذکر کے ساتھ میرے حبیب و محبوب کا ذکر کیا کرو۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔ جس کے لیئے عملی کارروائی یہ کی گئی کہ جب روح الٰہی آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پتلے میں داخل ہوتی ہے۔ آنکھ کھلتی ہے نگاہ ساق عرش پر پھیلتی ہے لکھا دیکھتے ہیں۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔ عرض کی الٰہی یہ کون ہے جس کا نام پاک تو نے اپنے نام اقدس کے ساتھ لکھا ہے۔ ارشاد ہوا اے آدم وہ تیری اولاد میں سب سے پچھلا پیغمبر ہے۔ وہ نہ ہوتا تو میں تجھے نہ بناتا۔

لولا محمد ما خلقتک ولا ارضا ولا سماء

اسی کے طفیل میں تجھے پیدا کیا۔ اگر وہ نہ ہوتا نہ تجھے پیدا کرتا اور نہ زمین و آسمان بناتا۔

تو کنیت اپنی ابو محمد کر۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔ آنکھ کھلتے ہی نام پاک بتایا گیا۔ پھر ہر وقت ملائکہ کی زبان سے ذکر اقدس سنایا گیا۔ وہ مبارک سبق عمر بھر یاد رکھا ہمیشہ ذکر اور چرچا کرتے رہے۔ جب زمانہ وصال شریف کا قریب آیا شیث علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ارشاد فرمایا اے فرزند میرے بعد تو خلیفہ ہوگا۔ عماد تقویٰ و عروۂ وثقیٰ کو نہ چھوڑنا۔ العروۃ الوثقیٰ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عروہ وثقیٰ محمد ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ جب اللہ کو یاد کرے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر ضرور کرنا۔

فانی رایت الملئکۃ تذکرونی کل ساعاتھا

کہ میں نے فرشتوں کو دیکھا ہر گھڑی ان کی یاد میں مشغول ہیں۔ اسی طور پر چرچا ان کا ہوتا رہا۔

پہلی انجمن روز میثاق جمائی گئی۔ اس میں حضور کا ذکر تشریف آوری ہوا۔

واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتومنن بہ ولتنصرنہ قال اقررتم واخذتم علیٰ ذالکم اصری قالوا اقررنا قال فاشھدوا وانا معکم من الشھدین فمن تولیٰ بعد ذالک فاولٓئک ھم الفسقون ط

جب عہد لیا اللہ نے نبیوں سے کہ بیشک میں تمہیں کتاب و حکمت عطا فرماؤں۔ پھر تشریف لائیں۔ تمہارے پاس وہ رسول تصدیق فرمائیں ان باتوں کی جو تمہارے ساتھ ہیں تم ضرور ان پر ایمان لانا۔ اور ضرور ضرور ان کی مدد کرنا قبل اس کے کہ انبیاء کچھ عرض کرنے پائیں فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا۔ عرض کی ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو آپس میں ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں پھر جو کوئی اس اقرار کے بعد پھر جائے وہی لوگ بے حکم ہیں۔

مجلس میثاق میں رب العزت نے تشریف آوری حضور کا بیان فرمایا اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے سنا اور انقیاد و اطاعت حضور کا قول دیا۔ ان کی نبوت ہی مشروط تھی حضور کے متی و امتی بننے پر تو سب سے پہلے حضور کا ذکر تشریف آوری کرنے والا ہے اللہ کہ فرمایا ثم جاءکم رسول پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائیں اور ذکر پاک کی سب میں پہلی مجلس انبیاء ہیں۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام جس میں پڑھنے والا اللہ اور سننے والے انبیاء اللہ غرض اسی طرح ہر زمانے میں حضور کا ذکر ولادت و تشریف آوری ہوتا رہا۔ ہر قرن میں انبیاء و مرسلین آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر ابراہیم و موسیٰ و داؤد و سلیمان و ذکریا علیہم الصلوٰۃ والسلام تک تمام انبیاء مرسلین اپنے اپنے زمانے میں مجلس حضور ترتیب دیتے رہے یہاں تک کہ وہ سب میں پچھلا ذکر شریف سنانے والا کنواری ستھری پاک بتول کا بیٹا جسے اللہ نے بے باپ کے پیدا کیا نشانی سارے جہان کے لئے یعنی سیدنا عیسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لایا فرماتا ہوا ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔ میں بشارت دیتا ہوں ان رسول کی جو عنقریب میرے بعد تشریف لانے والے ہیں۔ جن کا نام پاک احمد ہے۔ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین وبارک وسلم یہ ہے مجلس میلاد۔

جب زمانہ ولادت شریف کا قریب آیا تمام ملک و ملکوت میں میلاد تھی۔ عرش پر محفل میلاد تھی۔ فرش پر محفل میلاد، ملائکہ میں مجلس میلاد ہو رہی تھی۔ خوشیاں مناتے حاضر آتے ہیں۔ سر جھکائے کھڑے ہیں۔ جبرئیل و میکائیل حاضر ہیں۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اس دولہا کا انتظار ہو رہا ہے۔ جس کے صدقے میں یہ ساری برات بنائی گئی ہے۔ سبع سمٰوٰت میں عرش و فرش پر دھوم ہے۔ ذرا انصاف کرو۔ تھوڑی سی مجازی قدرت والا اپنی مراد کے حاصل ہونے پر جس کا مدت سے انتظار ہو۔ اب وقت آیا ہے۔ کیا کچھ خوشی کا سامان نہ کرے گا۔ وہ عظیم مقتدر جو چھ ہزار برس پیشتر بلکہ لاکھوں برس سے ولادت محبوب کے پیش خیمے تیار فرما رہا ہے اب وقت آیا ہے کہ وہ مراد المرادین ظہور فرمانے والے ہیں۔ یہ قادر علیٰ کل شئی کیا کچھ خوشی کے سامان مہیا نہ فرمائے گا۔ شیاطین کو اس وقت جلن ہوئی تھی اور اب بھی جو شیطان ہیں جلتے ہیں اور ہمیشہ جلیں گے۔ غلام تو خوش ہو رہے ہیں، ان کے ساتھ تو ایسے دامن آیا کہ یہ گر رہے تھے۔ اس نے بچا لیا۔ ایسا سنبھالنے والا کہ اس کی نظیر نہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین وبارک وسلم۔

ایک آدمی ایک کو بچا سکتا ہے۔ کوئی قوی ہوگا زیادہ سے زیادہ بیس کو بچا لے گا یہاں کروڑوں اربوں پھسلنے والے اور بچانے والے وہی ایک انا اٰخذ بحجزکم عن النار ھلم الی میں تمہارا بند کمر پکڑے کھینچ رہا ہوں۔ ارے میری طرف آؤ۔ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین وبارک وسلم۔ یہ فرمان صرف صحابہ سے خاص نہیں قسم اس کی جس نے انہیں رحمۃ للعالمین بنایا۔ آج وہ ایک ایک مسلمان کا بند کمر پکڑے اپنی طرف کھینچ رہے ہیں کہ دوزخ سے بچائیں صلی اللہ تعالیٰ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔ الحمد للہ کیا حامی پایا۔ اربوں سے بھی اربوں مراتب زائد گرنے والوں کو ایک اشارہ کفایت کر رہا ہے تو ایسے کے پیدا ہونے کا ابلیس اور اس کی ذریت کو جتنا غم ہو تھوڑا ہے۔ پہاڑیوں میں

ابلیس اور تمام مردہ سرکش قید کردیئے گئے تھے۔ اسی کے پیرو اب بھی غم کرتے ہیں۔ خوشی کے نام سے مرتے ہیں۔ ملائکہ سبع سمٰوٰت دھوم مچا رہے تھے۔ عرش عظیم ذوق و شوق میں ہلتا تھا۔ ایک علم مشرق اور دوسرا مغرب اور تیسرا بامِ کعبہ پر نصب کیا گیا اور بتایا گیا کہ ان دار السلطنت کعبہ ہے اور ان کی سلطنت مشرق سے مغرب تک تمام جہان انہیں سعنت انہیں کی قلمرو میں داخل ہے۔

اس مراد کے ظاہر ہونے کی گھڑی آپہنچی کہ اول روز سے اس کی محفل میلاد اس کے خیر مقدم کی مبارک باد ہو رہی ہے۔ قادر علی کل شیٔ اس کی خوشی میں کیسے کچھ انتظام فرمائے ہوں گے۔ جبرئیل امین ایک پیالہ شربت جنت کا سیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے بطن مبارک سے نکل کر عرض کریں گے۔

اظھر یا سید المرسلین اظھر یا خاتم النبیین اظھر یا اکرم الاولین والاخرین۔

جلوہ فرمایئے اے تمام رسولوں کے سردار جلوہ فرمایئے۔ اے تمام انبیاء کے خاتم جلوہ فرمایئے اے سب اگلوں پچھلوں سے زیادہ کریم یا اور الفاظ ان کے ہم معنی مطلب یہ کہ دونوں جہان کے دولہا برات سج چکی اب جلوہ افروزی سرکار کا وقت ہے۔

فظھر رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کالبدر المنیر۔

پس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلوہ فرما ہوئے جیسے چودھویں رات کا چاند۔

قرآن پاک ○ ○

● پڑھو ———

● سمجھو ——— اور ———

● عمل کرو ———

یہی مشکلات کا حل ہے

ایک بندۂ خدا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ

گوہر ۱۹۹۲

ترجمہ: اگر تمہیں اس چیز میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو ایک سورت اس جیسی لے آؤ (القرآن)

بخط خورشید گوہر قلم بفرمائش محترم جناب قاری زوار بہادر صاحب ایم اے

قرآن اور صاحبِ قرآن



علامہ سید محمود احمد رضوی

قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری وحی ہے جو اس نے اپنے آخری رسول حضور سرورِ عالم نورِ مجسّم احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا پر نازل فرمائی۔ قرآن کیا ہے؟ کیوں نازل ہوا۔ کس شان سے اس کا نزول ہوا۔ کس کا سینہ اس وحیِ الٰہی کا گنجینہ بنا؟ یہ اور اس سلسلہ کے تمام امور کی نشاندہی خود قرآن نے فرمائی ہے۔

(۱) تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الحاقہ)	اس نے اتارا جو سارے جہان کا رب ہے۔
(۲) تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ (حٰمٓ السجدہ)	حکمت وستائش کے مالک کی طرف سے اترا۔
وَ اَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ۔ (المائدہ ۴۸)	ہم نے آپ پر کتاب حق کے ساتھ اتاری۔
لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ فصلت حٰم سجدہ	باطل کو اس کی طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے۔
اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِیْلًا (دہر)	بے شک ہم نے تم پر قرآن بتدریج اتارا۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ۔ (کہف)	سب خوبیاں اللہ کو جس نے اپنے بندے پر کتاب یعنی قرآن اتارا۔
كَذٰلِكَ یُوْحِیْۤ اِلَیْكَ (شوریٰ)	یونہی وحی فرماتا ہے تمہاری طرف
نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ (آل عمران)	اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ آپ پر (کتاب) قرآن نازل فرمایا۔

نزولِ قرآن کی کیفیت

لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر قرآن کا یکبارگی نزول رمضان میں ہوا۔ جبریلِ امین لوحِ محفوظ سے پورا قرآن اخذ کر کے آسمانِ دنیا میں پر آئے اور فرشتوں کو املا کرایا اور فرشتوں نے موجودہ ترتیب کے مطابق اپنے صحیفوں میں لکھ کر بیت العزۃ میں رکھ دیا جو آسمانِ دنیا پر ایک مقام ہے۔ پھر یہاں سے حسبِ حکمتِ الٰہی حضرت جبرئیل جتنا جتنا منظورِ الٰہی ہوا بحضورِ نبوی لاتے رہے۔ علماء نے فرمایا صحفِ ابراہیم رمضان کی یکم کو توریت ۶ کو انجیل ۱۳ کو اور قرآن ۲۷ رمضان المبارک کو نازل ہوا جتنا قرآن نازل ہوتا۔ ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک حضور حضرت جبرئیل کے ساتھ اس کا دور فرماتے جس سال حضور کا وصال ہوا اس سال دو بار دور (بخاری)

رمضان کے مبارک مہینہ میں قرآن نازل ہوا

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ	رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا لوگوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں۔
اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ	بے شک ہم نے اسے (قرآن کو) برکت والی رات میں اتارا۔

نزولِ قرآن کی مدت ۲۳ سال

عامۂ مفسرین کے نزدیک اس شب سے شبِ قدر مراد ہے جو رمضان کے آخری عشرہ کی ایک طاق رات ہے۔ شبِ قدر میں قرآن پاک بتمامہ لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی طرف اتارا گیا پھر وہاں سے حضرت جبرئیل تئیس سال کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا لے کر نازل ہوئے۔ سب سے پہلے وحی سورہ اقرا کی پانچ آیتیں ہیں۔ تکمیلِ قرآن کی کل مدت ۲۳ سال ہے۔

قرآن حضور علیہ السلام پر نازل ہوا۔ حضور اللہ کے رسول ہیں اور آپ کا نامِ نامی اسمِ گرامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

۱- اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔	۱- بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں
۲- مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔	۲- محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں

پھر یہ وحی بڑی عظمت والی تھی۔ کلامِ الٰہی تھا۔ اس کے جلال کا یہ عالم تھا کہ خود قرآن نے اعلان کیا

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا (مزمل)	بے شک عنقریب ہم تم پر ایک بھاری بات ڈالیں گے۔

وحیِ الٰہی کا جلال اور عظمت

وحیِ الٰہی کے جلال و عظمت کا یہ عالم تھا کہ جب وحی نازل ہوتی تو حضور کی جبینِ اقدس پسینہ سے تر اور چہرہ مبارک سرخ ہو جاتا۔ اونٹنی پر جلوہ فرما ہوتے تو اونٹنی بیٹھ بیٹھ جاتی۔ حضرت زید ابنِ ثابت صحابی کہتے ہیں۔ میری ران حضور کا تکیہ تھی کہ وحی آنے لگی مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میری ران کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ (بخاری)

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ (الحشر)	اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا پاش پاش ہوا اللہ کے خوف سے۔

یعنی قرآن کا جلال اور اس کی عظمت و شان ایسی ہے کہ پہاڑ کو اگر ادراک ہوتا تو باوجود اتنا سخت و مضبوط ہونے کے پاش پاش ہو جاتا مگر سبحان اللہ حضور کا قلبِ اقدس وحی جیسی پرعظمت و جلال چیز کا متحمل ہوا۔

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ - (بقرہ)	تو اس (جبرئیل) نے تمہارے دل پر اللہ کے حکم سے یہ قرآن اتارا ہے
نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰى قَلْبِكَ (شعراء ۱۴)	روح الامین لے کر اترا۔

اللہ عزوجل کی آخری وحی (قرآن) کا مورد و مہبط حضور کا پاک و منزہ قلب اور اس کی جلوہ گاہ آپ کا سینۂ اقدس تھا اور وحی لانے والے حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جن کو اَلرُّوْحُ الْاَمِیْن (امانت دار روح) فرمایا گیا۔ حضرت جبریلِ امین کو بحضورِ نبوی تقریباً چوبیس ہزار مرتبہ باریابی کا شرف حاصل ہوا۔ حرا کے مقدس غار میں حضور مراقبۂ حق میں تھے کہ حضرت جبرئیلِ امین حاضر ہوئے عرض کی اِقْرَاْ پڑھیئے۔

سب سے پہلی وحی اور اس کی کیفیت

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ — پڑھو اپنے رب کے پیارے نام کے ساتھ جس نے تمہیں پیدا کیا۔

حضور علیہ السلام جبریل امین کے وحی پہنچا کر فارغ ہونے سے قبل یاد فرمانے کی سعی فرماتے تھے۔ جلد جلد پڑھتے۔ زبانِ اقدس کو حرکت دیتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت دی کہ آپ جلدی نہ کیجئے۔ قرآن کا آپ کی زبان پر جاری کرنا۔ آپ کے سینہ میں محفوظ کرنا۔ آپ کو یاد کرانا اور قرآن کے معنی و مفہوم اور اس کی باریکیوں کا آپ پر ظاہر فرمانا ہمارے ذمہ کرم پر ہے۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ ۝ (قیمہ)

تم یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو بیشک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے تو جب ہم اسے پڑھ چکیں۔ اس وقت اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو۔ پھر بے شک اس کی باریکیوں کا تم پر ظاہر فرمانا ہمارے ذمہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور کی مشقت گوارا نہ فرمائی۔ قرآن پاک کا سینہ نبوی میں محفوظ کرنا اپنے ذمہ کرم پر لے لیا۔ اس آیت کے نزول کے بعد حضور علیہ السلام وحی کو باطمینان سنتے اور جب تمام ہو جاتی تب پڑھتے۔

حضور کا علم نسیان سے پاک ہے

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے حضور کو قرآن پاک یاد کرایا اور اس شان سے کہ

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰی — ہم تمہیں پڑھائیں کہ تم بھولو گے نہیں

اس آیت میں حضور کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بشارت ہے کہ آپ کو حفظِ قرآن کی نعمت بے محنت عطا فرمائی اور اتنی بڑی عظیم کتاب بغیر محنت و مشقت اور بغیر تکرار و ورد کے آپ کو حفظ ہو گئی اور اس شان سے ہوئی جو بھول چوک اور نسیان سے پاک اور منزہ ہے۔

اللہ نے حضور کو قرآن پڑھایا اور اس کے اسرار کی تعلیم دی

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا ۝ (نساء)

اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ۝

رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا اور ان کو قرآن کا بیان سکھایا۔

واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو قرآن پڑھایا نہ صرف پڑھایا بلکہ اس کے اسرار و رموز کی تعلیم سے بھی حضور کو نوازا اور جو چیز بھی حضور کے علم میں نہ تھی سب سکھا دی اور قرآن کی پوری تفسیر حضور کو عطا فرما دی۔

قرآن حضور کا معجزہ کامل ہے

قرآن کریم۔ اسلام کی صداقت و حقانیت کا نشان بے معجزہ ہے زندہ معجزہ حسی و معنوی معجزہ حضور کو پیش گاہ الٰہی سے جو معجزات عطا ہوئے۔ ان سب سے بڑا سب سے افضل و اکرم اور سب سے اعظم معجزہ قرآن مجید ہے کفار نے جب معجزہ طلب کیا تو ان سے کہا گیا کہ قرآن ہی سب سے بڑا معجزہ ہے

اَوَلَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ (عنکبوت)

کیا ان کو یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے آپ (حضور) پر کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔

دیگر انبیاء کرام کے معجزات وقتی و عارضی تھے۔ اب صرف ان کا ذکر باقی ہے لیکن حضور کا معجزہ، قرآن دائمی ابدی معجزہ ہے اور اس کے اثرات و برکات بھی قیامت تک لوگوں کو کھینچتے رہیں گے۔

قرآن حضور کا لازوال معجزہ ہے

دیگر انبیاء کرام کے معجزات وقت پر عارضی طور پر ظاہر ہوئے لیکن حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قرآن مجید قیامت تک دنیا میں قائم رہے گا۔ قرآن چونکہ حضور کا دائمی لازوال معجزہ ہے۔ اس لئے اس کا اثر بھی ہمیشہ قیامت تک باقی رہے گا جس قدر انبیاء کرام کو معجزات ملے کسی پر اللہ تعالیٰ نے چیلنج نہیں دیا لیکن قرآن حضور کا ایک ایسا معجزہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے تحدی کی ہے۔

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (بقرہ) — تو قرآن جیسی ایک ہی سورۃ لاؤ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے خود ہی پیش گوئی فرما دی کہ اگر جن و انسان مل کر بھی چاہیں کہ قرآن جیسا

بنالائیں۔

لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِہٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَھِیْرًا۔ (بنی اسرائیل)

تو نہیں لاسکتے۔ اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد پر کیوں نہ ہوں۔

قرآن کی مثل لانا ناممکن و محال ہے

قرآن کے وجوہِ اعجاز کے بیان کے لئے دفتر درکار ہے۔ نظم قرآن کی فصاحت و بلاغت، کلام کی شیرینی نمکینی تاثیر اور تسخیر اسلوب کا اندازِ جدید، دلوں کی باتوں کا اظہار۔ پیش گوئیاں جو انسانی قوت سے باہر ہیں ——— ۔اول سے آخر تک نظم قرآن کا ایک ہی نوعیت کا ہونا۔ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو اُمّی ہیں ان کی زبانِ اقدس سے ایسے کلام بلاغت نظام کا ظاہر ہونا۔ اس کی غیر معمولی تاثیر اور قلوبِ انسانی کی تسخیر۔ قرآن کے احکامات، تعلیمات اور ارشادات اس کی یکسانیت عدمِ اختلاف دعویٰ مستحکم۔ بات مدلل ایسی کہ جسے توڑا نہ جا سکے۔ یہ سب قرآن مجید کے معجزہ کامل ہونے کی وجوہات ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس صوتِ سرمدی کے سامنے زبان اور شعراء آتش بیان خطباء قادر الکلام ادبا اور عرب وعجم کے فصحا بلغا اور حکماء کی زبانیں گنگ ہوگئیں۔

قرآن نے حاسدوں۔ دشمنوں۔ معاندوں اور روئے زمین کے جنوں اور انسانوں کو چیلنج کیا اور اپنے مقدس رسول سے فرمایا۔ کہ تم اعلان کردو۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِہٖ (بنی اسرائیل)

تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کی مثل نہ لاسکیں گے۔

فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِہٖٓ اِنْ کَانُوْا صٰدِقِیْنَ ﴿۳۴﴾ (طور ۲)

اس جیسی ایک بات تو لے آئیں اگر سچے ہیں۔

قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّثْلِہٖ (یونس)

تم فرماؤ تو اس جیسی ایک سورہ لے آؤ۔

قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِہٖ مُفْتَرَیٰتٍ (ہود)

تم فرماؤ تو ایسی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ۔

وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ ۔ (بقرہ ۳)

اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے خاص بندے پر اتارا تو اس جیسی ایک سورہ تو لے آؤ۔

اللہ اکبر فصحاء و بلغا کو چیلنج ہے کہ پورے قرآن کی بجائے دس سورتوں کا ہی جواب لاؤ۔ شاعروں اور ادیبوں کو للکار اجا رہا ہے کہ دس کی بجائے ایک ہی سورۃ کی مثل لے آؤ۔ دشمنوں! معترضوں اور معاندوں کی بھیڑ سے مطالبہ ہے کہ اس جیسی ایک ہی بات پیش کرو اور اگر اکیلے جواب دینے کی طاقت نہیں ہے تو تمام جن و انس کو جمع کرکے اس چیلنج کا جواب دو۔

وَادْعُوْا شُھَدَآءَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (بقرہ)

اور خدا کے سوا اپنے تمام گواہوں کو بلالو اگر تم سچے ہو۔

مگر سب اپنی اپنی جگہ انگشت بدنداں حیران و پریشاں ہیں۔ کفر نے مجتمع ہو کر جب سے لے کر اب تک لاکھ جتن کئے مگر قرآن کی مثل لانے میں ناکام رہے اور ناکام رہیں گے۔ قرآن نے کفر کی ناکامی کا اعلان بھی پہلے ہی کردیا۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ (بقرہ)

پس اگر نہ لاسکو اور ہم فرمائے دیتے ہیں کہ ہرگز نہ لاسکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

الغرض یہ ہے قرآن کا اعجاز اور اس کی شان۔ یہ مقدس کتاب اللہ کی حفاظت میں ہے اور اس کی مثل لانا محال اور ناممکن ہے اور یہ ہی قرآن کے منجانب اللہ ہونے اور اسلام کی صداقت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

قرآن ایک محفوظ کتاب

قرآن مجید ایک ایسی محفوظ کتاب ہے جس کی مثال ناممکن ہے۔ توریت۔ زبور۔ انجیل اور دیگر کتب سماویہ تحریف زیادتی اور نقصان سے محفوظ نہ رہ سکیں صرف اور صرف قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جس کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (نحل)

بے شک ہم ہی نے اس ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں اور دوسری آیت میں سب سے پہلے اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ قرآن مجید منزل من اللہ ہے اور بار بار اس امر کی نشان دہی کی گئی کہ قرآن، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے۔

وَھٰذَا ذِکْرٌ مُّبٰرَکٌ اَنْزَلْنٰہُ (انبیاء)

یہ ذکر مبارک ہے جسے ہم ہی نے نازل کیا۔

جس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور کلام اس کی صفت ہے اس میں زیادۃ و نقصان ناممکن اور محال ہے اس لئے اس کی حفاظت مخلوق کے ضعیف کندھوں پر نہیں ڈالی جاسکتی۔ اس لئے تاکید کے ساتھ فرمایا وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ قرآن ہمارا کلام ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں اور حق یہ ہے کہ قرآن مجید کا ہر قسم کی زیادت و نقصان سے محفوظ رہنا قرآن و اسلام کی حقانیت و صداقت کی کھلی ہوئی شہادت ہے۔ آپ غور کیجئے دنیا میں آسمانی کتابیں تغیر و تبدل اور تحریف سے بچ نہیں سکیں لیکن پوری کائنات میں قرآن ہی ایسی کتاب ہے جو آج تک اس داغ سے پاک و منزہ ہے۔ دنیا میں واقعہ کی شہادت ایک زبردست شہادت سمجھی جاتی ہے اور یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید میں آج تک کوئی ترمیم اور تحریف نہیں ہوئی تو یہ بات اس کی حفاظت کی ایک مستقل اور بدیہی دلیل ہے یہ ہی دیکھ کر سر ولیم کو کہنا پڑا۔

"جہاں تک ہمارے معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو اسی طرح

(قرآن کی طرح)، بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو۔"

(دیباچہ لائف آف محمد)

قرآن میں کوئی طاقت تبدیلی نہیں کر سکتی

جو کتاب اس طرح محفوظ رہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس میں کمی بیشی نہ پیدا کر سکے وہ یقیناً خود اس امر کی روشن دلیل ہے کہ وہ کتاب اللہ کی نازل کردہ ہے اور بلا کسی تردد کے پوری کائنات کو یہ چیلنج کیا جا سکتا ہے کہ روئے زمین پر کوئی کتاب ایسی محفوظ دکھلاؤ جس میں خدائی کتاب ہونے کے دعوے کے باوجود کسی تحریف و تبدیلی کو راہ نہ ملی ہو۔ ظاہر ہے کہ اس شان کی کتاب سوائے قرآن کے اور کوئی نہیں دکھلائی جا سکتی۔

قرآن اللہ کی حفاظت میں ہے

آیاتِ بالا سے واضح ہوا کہ قرآن مجید جس مقام سے متحرک ہوا وہ ایک لوحِ محفوظ تھی جس راہ سے گذرا وہ ایسی محفوظ تھی کہ باطل نہ آگے سے آسکے اور نہ پیچھے سے جس کی معرفت آیا وہ ایک امین روح اور معصوم شخصیت تھی جس کی دیانت و امانت میں باطل کی آمیزش محال و ناممکن اور جس ہستی مقدس پر نازل ہوا وہ ایک معصوم نوری پیکر۔ اللہ کی ذات و صفات کا مظہرِ اتم تھا جس کی حفاظت و نگرانی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمۂ کرم پر لی۔

حضور بھی اللہ کی حفاظت میں ہیں

واللہ یَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ ۶۷)	اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔
اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ (اسراء)	سب لوگ تمہارے رب کے قابو میں ہیں (کہ آپ پر دسترس پائیں)
وَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعۡيُنِنَا۔ (طور ۴۸)	اے محبوب تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو بے شک تم ہماری نگہداشت میں ہو۔

کتاب و صاحبِ کتاب دونوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی جس رسولِ مکرم کو خاتم النبیین بنا کر مبعوث فرمایا وَاللّٰهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کا اعلان فرما کر اس کی ذاتِ اقدس کو قدرت نے اپنی حفاظت میں لے لیا اور جس کتاب کو آخری کتاب بنایا۔ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ سے اس کی ابدی حفاظت و نگرانی کا اعلان فرما دیا۔ اب نہ خاتم النبیین کو کوئی گزند پہنچا سکتا ہے اور نہ ان پر نازل کردہ کتاب، قرآن میں کسی قسم کی زیادتی و نقصان تحریف و تبدیلی راہ پا سکتی ہے۔

قرآن میں زیادت و نقصان ناممکن ہے

امام قرطبی نے حفاظتِ قرآن پر استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اللہ کا ارشاد لَئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ الخ اس امر پر دال ہے کہ قرآن کریم انسانی طاقت سے باہر ہے اور جب قرآن میں زیادت و نقصان ممکن ہو تو یہ مقدورِ بشری قرار پائے گا۔ پھر معجزہ کہاں رہیگا لہٰذا جو شخص قرآن مجید میں تحریف کا قائل ہوگا۔ وہ درحقیقت اس کے معجزہ ہونے کا منکر ہے مثلاً آیت الرا كِتٰبٌ اُحۡكِمَتۡ اٰيٰتُهٗ میں آیاتِ قرآنیہ کے محکم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ انسانی دسترس سے بالاتر ہیں نہ کوئی اس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے اور نہ اس کا مثل بنایا جا سکتا ہے لہٰذا جو قرآن کے منحرف ہونے کا قائل ہوگا وہ اس آیت کا بھی منکر قرار پائے گا۔ ص۸۲

حفاظتِ نبوی

ابتدا میں جب حضور مدینہ تشریف لائے تو صحابہ کرام راتوں کو پہرہ دیا کرتے تھے۔ ایک رات صحابہ آپ کے خیمہ کے گرد پہرہ دے رہے تھے کہ آیت وَاللّٰهُ يَعۡصِمُكَ الخ نازل ہوئی تو آپ نے پہرہ والوں سے فرمایا۔ واپس ہو جاؤ۔ خدا نے میری حفاظت کا فرض اپنے ذمہ لے لیا ہے (ترمذی) چنانچہ وعدۂ حفاظت ہزارہا مشکلات و خطرات کے باوجود پورا ہو کر رہا اور یہ بات ایک مستقل معجزہ ہے کہ ہنگاموں، قتلوں، سازشوں اور بے پناہ مشکلات کے عالم میں حضور نے اپنے فرضِ نبوت کو با حسن وجوہ انجام تک پہنچایا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت فرمائی ایسے ہی حضور کے جسمِ اطہر اور آپ کے اسوہ کی حفاظت بھی فرمائی ہے۔ اس موقعے پر ایک بات جو خصوصی طور پر مجھے کہنی ہے وہ یہ ہے کہ مذکورۂ بالا آیات، جن میں حضور کی حفاظت کا ذکر ہے یہ حفاظت صرف حضور کے ظاہری جسمِ اقدس کے ساتھ خاص نہ سمجھی جائے بلکہ اس کا تعلق ظاہری جسم کے ساتھ ساتھ اس پیکرِ حُسن کے خصائص برکات۔ فضائل۔ اقوال و افعال۔ کردار۔ صورت و سیرت سے بھی ہے اور مذکورہ بالا آیات سے بطریقِ اشارۃ النص یہ واضح ہے کہ جیسے اللہ نے حضور کے ظاہری جسم کی ہر نازک سے نازک موقع پر حفاظت فرمائی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضور کے خصائص و برکات، سیرت و کردار کی بھی حفاظت فرمائی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور کی ذات کو اپنی حفاظت میں لے لیا تو حضور کی صفات بھی اللہ کی حفاظت میں آگئیں کیونکہ صفات ذات سے علیحدہ نہیں ہوتیں یہ ہی وجہ ہے کہ حضور کی زندگی کا پورا نقشہ اور آپ کی سیرتِ طیبہ کا ہر گوشہ محفوظ طریقہ سے امت تک پہنچا ہے۔ روزِ قیامت تک حضور کی سیرت محفوظ رہے گی۔ اسی لئے قرآن نے اعلان کیا۔

لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِيۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ۔	تمہارے لئے رسولِ کریم میں بہترین نمونہ ہیں۔

حضور کی ذاتِ پاک قیامت کے انسانوں کے لئے ابدی نمونہ جب ہی ہو سکتی ہے جبکہ حضور کی سیرت و صورت۔ اقوال و اعمال محفوظ شکل میں دنیا کے سامنے ہوں اور یہ حفاظتِ خداوندی کا نتیجہ ہے کہ آج عیسیٰ و موسیٰ ایسے جلیل القدر انبیاء و دیگر مذہبی شخصیتوں کی سیرت و صورت پر پردے پڑے ہوئے ہیں مگر کائنات میں صرف ایک ہی وجودِ نوری ہے کہ جس کی زندگی کا ہر گوشہ محفوظ ہے اور پوری دنیا کے لئے روشنی کا مینار ہے۔ کیوں؟ صرف اس لئے حضور کا وجودِ اقدس اللہ کی نگرانی میں ہے۔ فَاِنَّكَ بِاَعۡيُنِنَا۔

علومِ قرآن

قرآن مجید کے تمام علوم کا جامع ہے۔ حدیث میں ہے کہ قرآن میں اوّلین و آخرین کی خبریں ہیں۔

مَا فَرَّطۡنَا فِي الۡكِتٰبِ مِنۡ شَيۡءٍ۔	ہم نے کتاب (قرآن) میں کوئی چیز چھوڑ نہیں دی۔
وَنَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَيۡءٍ	ہم نے تم پر کتاب اتاری جس میں ہر شئے کا بیان ہے۔

لفظ "کل شیئی" اور "من شیئی" بتا رہا ہے کہ قرآن میں ہر شئے کا مفصل روشن اور واضح بیان ہے۔ شئے ہر موجود کو کہتے ہیں۔ لوحِ محفوظ بھی ایک شے ہے۔ اس لئے قرآن مجید میں لوحِ محفوظ کے تمام مکتوبات بھی ہیں۔ رہی یہ بات کہ لوحِ محفوظ میں کیا ہے؟ تو اس کا جواب بھی قرآن ہی سے لیجئے۔

۳۔ كُلُّ صَغِيۡرٍ وَّكَبِيۡرٍ مُّسۡتَطَرٌ	لوحِ محفوظ میں ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے
۴۔ كُلَّ شَيۡءٍ اَحۡصَيۡنٰهُ فِيۡۤ اِمَامٍ مُّبِيۡنٍ۔	ہر چیز ہم نے ایک روشن پیشوا میں جمع فرمادی۔
۵۔ وَلَا حَبَّةٍ فِيۡ ظُلُمٰتِ الۡاَرۡضِ وَلَا رَطۡبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ۔	زمین کی اندھیریوں میں کوئی دانہ تر و خشک نہیں جو ہم نے ایک روشن کتاب میں نہ لکھ دیا ہو۔

مفسرین کی اکثریت نے کتابِ مبین اور امامِ مبین سے لوحِ محفوظ کو مراد لیا ہے اور اگر کوئی صاحب اس سے اختلاف کریں تو لامحالہ کتابِ مبین اور امامِ مبین سے قرآن ہی کو مراد لینا ہوگا لیکن یہ بات از روئے قرآن غلط اور واقع کے خلاف ہوگی کیونکہ قرآن کے لوحِ محفوظ میں محفوظ و مسطور ہونے

کی تصریح خود قرآن نے کی ہے۔

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (بروج)

بلکہ وہ کمال شرف والا قرآن ہے۔ لوحِ محفوظ میں۔

قرآن میں ہر چیز کا روشن بیان ہے

نکرہ جب تحتِ نفی میں ہو عموم کا فائدہ دیتا ہے اور لفظ کل تو ایسا عام ہے کہ کبھی خاص ہو کر مستعمل نہیں ہوتا۔ نیز عام استغراق کا فائدہ دینے میں قطعی ہے۔ قرآن کی نصوص ہمیشہ اپنے ظاہری معنی پر محمول ہوا کرتی ہے۔ ظاہری معنی میں تخصیص و تاویل کی بلا دلیل شرعی اجازت نہیں ہے، حتیٰ کہ حدیث احاد خواہ کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہو قرآن کے عموم کی تخصیص نہیں کر سکتی۔ بہر حال امام مبین اور کتاب مبین سے خواہ لوح محفوظ مراد لیجئے یا قرآن۔ ہر طور یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن علم و معرفت کا خزینہ حقائق و معارف کا گنجینہ۔ علوم اولین و آخرین کا مخزن۔ واقعاتِ ماضیہ و آئندہ کا معدن ہے۔ غرضیکہ ہر چیز اور ہر شئے کا قرآن میں روشن واضح اور مفصل بیان ہے۔ کائنات ارضی و سماوی میں جو کچھ ہوا ہوگا، ہو گیا ہر بات قرآن مجید میں مندرج ہے۔

حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں فرمایا جو چاہو مجھ سے پوچھو میں تمہیں کتاب اللہ سے اس کی خبر دوں گا۔ ابن سراقہ نے کتاب الاعجاز میں ابو بکر ابن مجاہد سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے ایک روز فرمایا کہ جہاں میں کوئی چیز ایسی نہیں جو کتاب اللہ میں نہ ہو۔ اس پر ان سے کہا گیا۔ سراؤں کا ذکر کہاں ہے فرمایا اس آیت میں لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْکُوْنَۃٍ فِیْهَا مَتَاعٌ لَّکُمْ۔ اس آیت میں غَیْرَ مَسْکُوْنَۃٍ کے معنی سرائے کے ہیں۔

توریت

ضخامت میں اتنی بڑی ہے کہ سوائے پیغمبروں کے اور کسی کو یاد نہیں لیکن قرآن باوجود اختصار کے سب آسمانی کتابوں سے اعظم و اکمل و افضل و اجمل ہے۔

حضور ہی قرآنی علوم و معارف کے عالم ہیں

ان تمام مذکورہ بالا آیات سے واضح ہوا۔ قرآن وحی الٰہی ہے۔ ہدایت و موعظت کا مجموعہ۔ حقیقت و معرفت کا خزینہ۔ علوم اولین و آخرین اور لوحِ محفوظ کے مکتوبات کا گنجینہ ہے قرآن میں ہر چیز کا روشن بیان ہے خواہ اس کا تعلق آسمان کے طبقات سے ہو یا زمین کی گہرائیوں سے۔ حالاتِ ماضیہ سے ہو یا واقعاتِ موجودہ و آئندہ سے، عالم امر سے ہو یا عالم شہادت سے غرضیکہ ہر چیز ہر شئے کا قرآن میں بیان ہے ——— اور یہ ہی گنجینۂ علم و معرفت اللہ تعالےٰ نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا۔ آپ کا قلب مطہر و سینۂ اقدس اس عظیم و جلیل وحی (قرآن) کا مخزن بنا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کو قرآن یاد کرایا، سکھایا، پڑھایا۔ قرآن کے الفاظ اور اس کے معنیٰ و مفہوم و اسرار و رموز کی آپ کو تعلیم دی۔ قرآن کے حقائق و معارف احکام و مسائل اور اس کے اصول و جزئیات کی شرح و تفسیر کا علم آپ کو عطا فرمایا۔

اس لئے پوری کائنات میں حضور سے زیادہ کوئی عالم نہیں۔ حضور کے علم کی کوئی حد و غایت نہیں۔ غیب و شہادت سب کے حضور عالم ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ قرآن حضور کے سینہ میں ہے پڑھانے والا رب العالمین ہے۔

خدا نے کیا ان کو آگاہ سب سے
دو عالم میں جو کچھ خفی و جلی ہے

قرآن کی تفسیر و توضیح کا حق صرف حضور کو ہے

مذکورہ بالا آیات سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جب قرآن کے اسرار و رموز اللہ تعالےٰ نے صرف حضور کو تعلیم فرمائے تو قرآن کی تفسیر و توضیح کا حق صرف اور صرف حضور ہی کو ملا ہے۔ حضور کے علاوہ کسی کو یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی طرف سے قرآن کے اجمال کی تبیین اور احکامِ مبہم کی توضیح کرے۔ قرآن کے ساتھ حضور کو اور حضور کو قرآن کو نازل کرنے میں حکمت الٰہی اور مرضیِ الٰہی یہ ہے کہ لوگ اپنے طور پر نہیں، اپنی رائے اور اپنے قیاس سے نہیں بلکہ رسول کے بیان و شرح کی روشنی میں قرآن کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں خود قرآن مجید نے قرآن کے ساتھ رسول کریم کے اس تعلق کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔

وَ اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ۔	ہم نے یہ قرآن آپ پاس لئے نازل کیا تاکہ آپ خوب کھول کر بیان کر دیں جو ان کی طرف نازل کیا گیا
اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰىکَ اللّٰهُ (نساء)	اے محبوب بے شک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح اللہ تمہیں دکھلائے۔

اپنے اسی منصب کو بیان کرتے ہوئے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِغَیْرِ عِلْمٍ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔	جو شخص قرآن کی تفسیر بغیر علم کے کرے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔
اَلْمِرَاءُ فِی الْقُرْاٰنِ کُفْرٌ (احمد)	قرآن میں جھگڑنا کفر ہے۔
مَنْ قَالَ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ بِرَاْیِهٖ فَاَصَابَ فَقَدْ اَخْطَاءَ۔ (ابو داؤد)	جس نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی اور ٹھیک کی اس نے غلطی کی۔

سید المتقین امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آیۃ وَ فَاکِهَۃً وَّ اَبًّا کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا۔

اَیُّ سَمَاءٍ تُظِلُّنِیْ وَ اَیُّ اَرْضٍ تُقِلُّنِیْ اِذَا قُلْتُ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ (خازن ج ۱ ص۸)	کون سا آسمان سایہ فگن ہوگا اور کونسی زمین مجھے پناہ دے گی اگر میں اللہ کی کتاب کی بغیر علم کے تفسیر کروں۔

الغرض۔ ان آیات بینات نے بتادیا کہ دین اسلام کا مرکز و محور حضور کی ذاتِ پاک ہے۔ قرآن کی تشریح۔ توضیح۔ تفسیر اور ترجمانی کا حق صرف حضور کو ہے۔ محض اپنی رائے سے تفسیر کرنا حرام ہے۔ گمراہی ہے اور یہ کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی اپنے عمل و کردار اقوال و عمل سے جو تفسیر فرمائی وہ اللہ کی نگرانی و نگہبانی میں فرمائی ہے۔ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا یعنی قرآن حفاظتِ الٰہی میں ہے ایسے ہی قرآن کی جو تفسیر حضور نے فرمائی اس کی حفاظت بھی اللہ تعالےٰ ہی فرما رہا ہے۔

چنانچہ صحابہ کرام کا طریقہ یہی تھا کہ وہ قرآن مجید کی ایک ایک آیت اور حضور کے ایک ایک ارشاد پر خوب غور و تدبر کرتے تھے۔ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے مروی ہے کہ صحابہ حضور سے دس آیتیں سمجھتے تھے تو جب تک ان کی علمی و عملی حقیقت کو نہیں جان لیتے تھے آگے نہیں بڑھتے تھے۔

اسی بنا پر جناب انس فرماتے ہیں کہ ہم میں سے جب کوئی سورۂ بقرہ و آل عمران پڑھ لیتا تھا تو ہماری نگاہوں میں بڑا ہو جاتا تھا۔ (مسند احمد)

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

معلوماتِ قرآن
سوال و جواب کی صورت میں

علامہ قاضی غلام محمود ہزاروی

سوال : حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے کون سی آیات نازل ہوئی تھیں ؟

جواب : قرآن مجید پارہ نمبر ۳۰ کی سورہ علق کی پہلی پانچ آیتیں نازل ہوئی تھیں یعنی اقراء سے مالم یعلم "تک ؛

سوال : سب سے آخری وحی کون سی ہے ؟

جواب : "سورۃ النساء" کی آخری آیت نمبر ۱۷۶ سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے (بخاری شریف) یا کہ سورہ برأت کی آخری آیات ہیں: "قل اللہ یفتیکم فی الکلالہ"

سوال : پہلی وحی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کیا تھی ؟

جواب : قمری حساب سے چالیس سال سات ماہ، اور شمسی حساب سے ۳۹ سال ۳ ماہ سولہ دن تھی۔

سوال : آخری وحی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کس عمر میں، اور کس مہینے میں کس سن، اور کس دن میں نازل ہوئی تھی ؟

جواب : "سورہ برأت کی آخری آیات" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے نو دن پہلے، یعنی ۳ ربیع الاول ۱۱ھ ہفتہ کے روز نازل ہوئی اور سورہ النساء کی آیت نمبر حضرت ابنِ عباسؓ کی روایت کے موجب حضورؐ کے وصال سے ۸۱ دن پہلے نازل ہوئی تھی" (اتقان صفحہ ۲۷ جلد ۱

سوال : دوسری وحی میں کون سی آیاتِ قرآنی نازل ہوئی تھیں ؟

جواب : سورہ مدثر کی یہ پہلی آیتیں یایھا المدثر قم۔

سوال : پہلی وحی اور دوسری وحی میں وقفہ کتنا ہوا تھا ؟

جواب : ڈھائی برس۔

سوال : یہ دوسری وحی کس سن اور کس مہینہ میں نازل ہوئی تھی ؟

جواب : ۳ھ نبوی (ہجری نہیں کہ ہجری سن تو اس وقت شروع ہی نہیں ہوا تھا) ماہ ربیع الاول میں۔

سوال : حضورؐ پر قرآن کی پہلی وحی کس مہینہ اور کس تاریخ کو اور کس دن نازل ہوئی تھی ؟

جواب : ۸ ربیع الاول (حافظ ابن عبدالبر کہتے ہیں) سوموار کے روز۔

سوال : قرآن کریم کی سورتوں کی کل تعداد کیا ہے ؟

جواب : ایک سو چودہ —— ۱۱۴

سوال : قرآن کے رکوعات (رکوعوں) کی کل تعداد کیا ہے ؟

جواب : پانچ سو چالیس، ۵۴۰ -

سوال : کل آیاتِ قرآنی کی تعداد کیا ہے ؟

جواب : کل (۶۶۶۶) آیتیں ہیں۔

سوال : ان میں احکامی آیات کتنی ہیں ؟

جواب : پانچ سو، ۵۰۰

سوال : قرآن مجید میں لفظِ اللہ کتنی مرتبہ آیا ہے ؟

جواب : (۲۵۸۴) مرتبہ آیا ہے۔

سوال : قرآن مجید کے کلمات (کلموں) کی کل تعداد کتنی ہے ؟

جواب : ستتر ہزار چار سو انتالیس (۷۷۴۳۹)

سوال : کلماتِ قرآن کی یہ تعداد کس نے بیان کی ہے ؟

جواب : عطاء بن یسار، ابو محمد الحمانی، ہمثل بن شاذان نے اور بعض دوسرے حضرات نے ۸۶۴۳۰ کلماتِ قرآن کی تعداد بتلائی ہے۔

سوال : کلماتِ قرآن کے شمار کرنے کا اہتمام سب سے پہلے کس نے کیا تھا ؟

جواب : حجاج بن یوسف، یونہی حروف قرآن کا شمار بھی اسی کے حکم سے کیا گیا تھا۔

سوال : کتنی مدت میں یہ شمار مکمل ہوا تھا ؟

جواب : چار ماہ میں۔

سوال : حروف قرآن کی تعداد کیا ہے ؟

جواب : حضرت عبداللہ بن مسعودؓ صحابی کے شمار کے مطابق (۳۲۲۶۷۱) اور حضرت مجاہد تابعی کے مطابق (۳۲۱۱۸۰) ہے، اور بروایت ابو محمد الحمانی (۳۴۰۷۴۰) ہے (تفسیر اتقان)

سوال : قرآن مجید کے کل فتحات (جمع ہے فتح کی یعنی زبر َ کی تعداد کیا ہے ؟

جواب : ۵۳۲۴۳ ہے۔

سوال : قرآن کریم میں کل کسرات (جمع ہے کسرہ کی یعنی زیر ِ کی تعداد کیا ہے ؟

جواب : (۳۹۵۸۲) ہے۔

سوال : قرآن کریم میں کل ضمات (جمع ہے ضمہ کی یعنی پیش ُ کی تعداد کیا ہے ؟

جواب : (۸۸۰۴) ہے،

سوال : قرآن کریم میں کل مدات (جمع ہے مد کی (~) تعداد کتنی ہے ؟

جواب : (۱۷۷۱) ہے۔

سوال : قرآن کریم میں تشدیدات (جمع ہے تشدید کی یعنی شد ّ کی کل تعداد کتنی ہے ؟

جواب : (۱۲۵۳) ہے۔

سوال : قرآن کریم میں نقاط (نقطوں) کی کل تعداد کیا ہے ؟

جواب : (۱۰۵۶۸۲) ہے۔

سوال : قرآن کریم کے ایک حرف کے پڑھنے پر کتنا ثواب ملتا ہے ؟

جواب : قرآن کے ہر حرف کے پڑھنے پر دس گنا ثواب حاصل ہوتا ہے۔

سوال : قرآن کریم کے حروف کی کل تعداد پر (جو کہ (۳۴۰۷۴۰) ہے، اس حسابِ مذکورہ بالا کے مطابق کتنا اجر و ثواب حاصل ہوگا ؟

جواب: قرآن حکیم کے کل حروف بہ تعداد مذکورہ پڑھنے پر اس کا اجر و ثواب حق تعالےٰ کے فضل سے دس گنا ہونے کے بعد ——— (۳۲۷۰۴۰۰) ہوگا۔

سوال: سجدہ ہائے تلاوت کی تعداد کتنی ہے؟

جواب: متفق علیہ — ۱۴ مقامات۔ اختلافی — ۱ مقام۔

سوال: آیاتِ قرآنی کی اقسام (قسمیں) کیا کیا ہیں اور پھر اُن اقسام کے اعتبار سے ان کی تعداد کتنی ہے؟

جواب: آیاتِ قرآنی کی اقسام اور تعداد یہ ہے: آیاتِ وعدہ، ایک ہزار، ۱۰۰۰ آیاتِ وعید، ۱۰۰۰۔ آیاتِ نہی (ممانعت) ۱۰۰۰۔ آیاتِ امر، ۱۰۰۰۔ آیاتِ مثال (مثالوں کے بیان پر مشتمل آیات) ڈھائی سو، ۲۵۰ آیاتِ تحریم (حرام چیزوں کے بیان پر مشتمل آیات) ، ۲۵۰، تسبیح الٰہی پر مشتمل آیات ۱۰۰۔ اور متفرق آیات ۶۶ جملہ:- ۶۶۶۶

سوال: مکی سورتوں کی تعداد کیا ہے، اور وہ کون کون سی سورتیں ہیں؟

جواب: (۱) الفاتحہ (۲) انعام (۳) اعراف (۴) یونس (۵) ہود (۶) یوسف (۷) ابراہیم (۸) حجر (۹) نحل (۱۰) بنی اسرائیل، الاسراء (۱۱) کہف (۱۲) مریم (۱۳) طٰہٰ۔ (۱۴) انبیاء۔ (۱۵) مؤمنون۔ (۱۶) فرقان (۱۷) شعراء۔ (۱۸) نمل۔ (۱۹) قصص۔ (۲۰) عنکبوت۔ (۲۱) روم۔ (۲۲) لقمان۔ (۲۳) سبا۔ (۲۴) فاطر۔ (۲۵) یٰسٓ۔ (۲۶) صافات۔ (۲۷) صٓ۔ (۲۸) زمر۔ (۲۹) مؤمن۔ (۳۰) حٰمٓ سجدہ۔ (۳۱) شوریٰ (۳۲) زخرف۔ (۳۳) دخان۔ (۳۴) جاثیہ۔ (۳۵) احقاف۔ (۳۶) قٓ۔ (۳۷) ذاریات۔ (۳۸) طور۔ (۳۹) نجم۔ (۴۰) قمر۔ (۴۱) واقعہ (۴۲) طلاق (۴۳) ملک۔ (۴۴) قلم۔ (۴۵) حاقہ۔ (۴۶) معارج۔ (۴۷) نوح (۴۸) جن۔ (۴۹) مزمل۔ (۵۰) مدثر۔ (۵۱) قیامہ (۵۲) مرسلات، (۵۳) نباء۔ (۵۴) نازعات۔ (۵۵) عبس (۵۶) تکویر (۵۷) انفطار (۵۸) مطففین (۵۹) انشقاق (۶۰) بروج (۶۱) طارق، (۶۲) اعلیٰ (۶۳) فجر (۶۴) بلد (۶۵) شمس (۶۶) لیل (۶۷) ضحیٰ (۶۸) انشراح (۶۹) تین (۷۰) علق (۷۱) قدر (۷۲) بینہ۔ (۷۳) قارعہ۔ (۷۴) تکاثر (۷۵) عصر (۷۶) ہمزہ (۷۷) فیل (۷۸) قریش (۷۹) ماعون (۸۰) کوثر۔ (۸۱) کافرون (۸۲) لہب (۸۳) اخلاص (۸۴) خلق (۸۵) ناس۔

"مدنی سورتیں" یہ ہیں:

(۱) بقرہ (۲) آل عمران (۳) نساء (۴) مائدہ (۵) انفال (۶) توبہ (۷) رعد (۸) حج (۹) نور (۱۰) احزاب (۱۱) محمدؐ (۱۲) فتح (۱۳) حجرات (۱۴) رحمٰن (۱۵) حدید، (۱۶) مجادلہ (۱۷) الحشر (۱۸) ممتحنہ (۱۹) صف (۲۰) جمعہ (۲۱) منافقون (۲۲) تغابن (۲۳) تحریم (۲۴) دہر (۲۵) زلزال (۲۶) نصر۔

نوٹ:- جو سورتیں بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہیں اُن کی تعداد ۶۵ ہے اور جو بالاتفاق مدینہ میں نازل ہوئیں ان کی تعداد ۱۸ ہے اور جن سورتوں کے مقام نزول کے بارے میں اختلاف ہے ان کی تعداد ۳۱ ہے۔" مکی (متفق علیہ) = ۶۵۔ مدنی (متفق علیہ) = ۱۸ مکی یا مدنی ہونے کے بارے میں اختلاف = ۳۱ کل سورتیں = ۱۱۴ ہیں"

سوال: سب سے پہلے کون سی سورت نازل ہوئی تھی؟

جواب: سورۂ فاتحہ یا مدثر۔

سوال: سب سے آخر میں کونسی سورت نازل ہوئی تھی؟

جواب: سورۂ نصر، یا برأت۔

سوال: قرآن مجید کی ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی ہوتی ہے مگر سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی جاتی اس کی کیا وجہ ہے؟

سوال: مفسرین کرام نے اس کی متعدد وجوہ بیان کی ہیں۔ جن میں سے ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ بسم اللہ شریف میں خدا کی رحمت کا ذکر ہے اور اس سورت میں جہاد اور کفار کو مارنے کا جو کہ بظاہر رحمت و رحمانیت کے تقاضوں کے خلاف ہے، اور امام رازیؒ نے یہ وجہ لکھی ہے کہ "حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے آغاز میں بسم اللہ، نہیں لکھوائی تھی۔ اس لئے اب ہم بھی نہیں لکھتے۔"

سوال: قرآن مجید میں طویل ترین (سب سے لمبی) سورت کونسی ہے؟

جواب: سورۂ بقرہ۔

سوال: قرآن مجید میں مختصر ترین (سب سے چھوٹی) سورت کونسی ہے؟

جواب: سورت کوثر۔

سوال: قرآن مجید میں سب سے لمبی آیت کونسی ہے؟

جواب: آیتِ مداینہ، جو کہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۸۲ ہے۔

سوال: عام طور پر تو یہی کہا جاتا ہے کہ قرآن کی سب سے لمبی آیت آیۃ الکرسی ہے؟

جواب: بلاشبہ فضیلت تو آیۃ الکرسی کی زیادہ ہے، لیکن جہاں تک کلمات اور حروف کے زیادہ ہونے کا تعلق ہے وہ آیت "مداینہ" کے زیادہ ہیں کہ اس کی سترہ سطریں ہیں اور آیۃ الکرسی کی چھ سطریں، اور لمبائی سے یہاں پر یہی مراد ہے یعنی کلمات اور حروف کا زیادہ ہونا۔

سوال: قرآن کی سب سے چھوٹی آیت کونسی ہے؟

جواب: والضحیٰ، والفجر، مدھامتان، وغیرہ ہیں۔

سوال: قرآن مجید کی وہ آیت بتایئے جس میں ۲۳ کاف ہیں؟

جواب: وہ آیت مداینہ یا دَین ہے جو سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۸۲ ہے۔

قرآنی حروف کی تفصیل کیا ہے:

(الف) ۴۸۸۷۲ جگہ آیا ہے، (ب) ۱۱۴۲۸: (ت) ۱۰۹۹ (ث) ۱۲۷۶ (ج) ۳۲۷۳ (ح) ۳۷۹۳ (خ) ۲۴۱۶ (د) ۵۶۰۲ (ذ) ۴۶۷۷ (ر) ۱۱۷۹۳ (ز) ۱۵۹۰ (س) ۵۸۹۱ (ش) ۲۲۵۳ (ص) ۲۰۱۳ (ض) ۱۶۰۷ (ط) ۱۲۷۷ (ظ) ۸۴۲ (ع) ۹۲۲۰ (غ) ۲۲۰۸ (ف) ۸۴۹۹ (ق) ۶۸۱۳ (ک) ۹۵۰۰ (ل) ۳۰۴۳۲ (م) ۲۶۵۶۰ (ن) ۴۰۱۹۰ (و) ۲۵۵۳۶ (ہ) ۱۹۰۷۰ (لا) ۴۷۲۰ (ی) ۴۵۹۱۹۔

سوال: قرآن مجید میں کتنی جگہ نماز کی تاکید کی گئی ہے؟

جواب: ایک سو پچاس جگہ پر (۱۵۰)

سوال: قرآن مجید کا ترجمہ سب سے پہلے برصغیر میں کس زبان میں ہوا تھا؟

جواب: فارسی زبان میں۔

سوال: قرآن مجید میں قصہ اور واقعہ کے لحاظ سے سب سے بہتر واقعہ اور قصہ کس کا بیان فرمایا گیا ہے؟

جواب: حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ہے جس میں حاسد و محسود، مالک و محکوم، شاہد و مشہود، عاشق و معشوق، قید و آزادی، خوشحالی و قحط۔ سب کے سب حالات بدرجۂ اکمل بیان ہوئے ہیں۔

سوال: قرآن مجید کی وہ کون سی سورت ہے کہ جس میں آیتیں اکیاون (۵۱) ہیں۔ مگر وقف اس میں باون (۵۲) ہیں؟

جواب: سورۂ رحمٰن

سوال: قرآن میں اصل الفاظ جو بار بار آتے ہیں ان کی تعداد کیا ہے؟

جواب: صرف دو ہزار (۲۰۰۰) ہے۔

سوال: قرآن مجید کی وہ کون سی سورت ہے۔ جس کی آیتیں تو صرف تین (۳) ہیں۔ لیکن واؤ اس میں دس (۱۰) ہیں؟

جواب: سورۂ والعصر۔

سوال: علوم قرآنی اور تفسیر کے پیشوا صحابہ کرام میں کتنے حضرات مانے گئے ہیں ان کی تعداد اور اسمائے گرامی بتلایئے؟

جواب: وہ دس (۱۰) صحابہ ہیں۔ جو یہ ہیں، خلفاء اربعہ (چار یار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) عبداللہ بن مسعودؓ، ابن عباسؓ، زید بن ثابتؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، ابی بن کعبؓ۔ اسی طرح معاذؓ بن جبل۔ اور حضرت ابوالدرداؓ کو بھی علوم قرآنی میں خصوصی امتیاز حاصل تھا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۰۴)

سوال: ان صحابہ کے شاگرد جو تابعین کہلائے، اُن میں علوم قرآن اور تفسیر میں خاص شہرت کے مالک حضرات کون کون تھے !؟

جواب: امام حسن بصریؒ، سعید بن جبیرؓ، مجاہدؒ، عکرمہؓ، طاؤسؒ، مکحولؒ، علقمہؒ، عطا بن ابی رباحؒ۔ زید بن اسلمؒ۔ تابعین میں خاص شہرتِ علمی کے مالک تھے۔

سوال: عہد صحابہ کے بعد وہ کون سا خلیفۂ اسلام تھا جو رات دن خلافت کے اہم ترین کاموں میں مصروف رہنے کے باوجود قرآنِ حکیم اس کے وِردِ زبان رہتا تھا، اس کا نام بتلایئے؟

جواب: حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ (۹۹ھ تا ۱۰۱ھ)

سوال: وہ کون سا خلیفۂ اسلام تھا جس نے حضرت سعید بن مسیب تابعیؒ سے درخواست کر کے تفسیر لکھوائی تھی۔ اس کا نام بتایئے۔ اور تاریخی کتاب کا حوالہ دیجیے؟

جواب: خلیفہ عبدالملک خلیفہ ہونے سے پہلے رات دن تلاوتِ قرآن مجید میں مصروف رہتے تھے پھر خلیفہ ہونے کے بعد خلافت کے بوجھ سے وہ شغل تو نہ رہ سکا لیکن انہوں نے حضرت سعیدؒ بن مسیب سے تفسیر لکھوائی تھی، البدایہ والنہایہ۔ صفحہ ۲۱۰)

سوال: وہ کون سا خلیفۂ اسلام تھا جس کے عہد میں قرآن شریف پر اعراب لگائے گئے اور وہ حفظِ قرآن پر گراں قدر عطیہ دیا کرتا تھا، اور جو اس سے غفلت کرتا اس کو سزا دیتا، اور خود ہر روز دس پارے قرآن شریف پڑھتا تھا؟

جواب: ولید بن عبدالملک، (۸۶ھ مطابق ۷۰۵ء تا ۹۶ھ، ۷۱۳ء) (تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۵۲۱ و تاریخ اسلام کامل جلد ۱ صفحہ ۲۰۳)

سوال: وہ کون سا خلیفۂ اسلام تھا جو ہر روز ایک قرآن شریف ختم کرتا تھا، ایک ہزار دینار خیرات کرتا اور سو (۱۰۰) رکعت نماز نفل پڑھتا تھا؟

سوال: مسٹر تھامس کارلائل، نے قرآن مجید کے بارے کیا کہا تھا؟

جواب: یہ کہ: "قرآن مجید ایک آسان عام فہم مذہبی کتاب ہے، جس نے اپنی تعلیمات سے امن و سکون، محبت کے جذبات پیدا کئے، بے حیائی کی تاریکیاں مٹ گئیں، ظلم کا بازار ٹھنڈا ہو گیا، ہزاروں گمراہ راہِ راست پر آ گئے، بے شمار وحشی شائستہ بن گئے، اس کتاب نے دنیا کی کایا پلٹ دی۔ جاہلوں کو عالم، ظالموں رحم دل، عیش پرستوں کو پرہیز گار بنا دیا۔" (دی پاپولر ریجن آف دی ورلڈ)

سوال: جناب گرو نانک جی صاحب نے قرآن کے بارے کیا کہا ہے؟

جواب: (۱) بت ان پوجا دن منجم جب دن کا ہے جنیو نا دہو دہو تاک چڑھاد پیچ دن سوج نہ ہوئے کل" بران کتب قرآن پوتھی پنڈے رہے۔" یعنی پوجا پاٹ کام نہیں دے سکتی چھوت چھات بیکار ہے جنیو اشنان ماتھے پر تاک لگانا کچھ کام نہ آئے گا اگر کوئی کتاب کام آئے گی تو وہ قرآن ہے۔ جس کے آگے پوتھی پران کچھ بھی نہیں۔"
(نور ۲۵ھ بحوالہ گرنتھ صاحب)

نزولِ قرآن
جمع و ترتیب

مفسر قرآن
حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رح

لفظ قرآن یا تو قرء سے بنا ہے قراءۃ سے یا قرن سے (تفسیر کبیرہ پارہ نمبر 2) قرء کے معنے جمع کرنے کے ہیں۔ اب قرآن کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ یہ بھی سارے اولین و آخرین کے علموں کا مجموعہ ہے (تفسیر کبیر، روح البیان) پارہ نمبر 2) دین دنیا کا کوئی ایسا علم نہیں جو قرآن میں نہ ہو۔ اس لئے حق تعالیٰ نے خود فرما کہ نزلنا علیک الکتب تبیانا للل شی۔ نیز یہ سورتوں اور آیتوں کا مجموعہ ہے۔ نیز یہ تمام بکھروں کو جمع کرنے والا ہے۔ دیکھو ہندی، سندھی، عربی، عجمی لوگ ان کے لباس، طعام، زبان طریق زندگی سب الگ الگ کوئی صورت نہ تھی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بکھرے ہوئے بندے جمع ہوتے۔ لیکن قرآن کریم نے ان سب کو جمع فرمایا اور ان کا نام رکھا مسلمان خود فرمایا سماکم المسلمین۔ جیسے کہ شہد مختلف باغوں کے رنگ برنگے پھولوں کا رس ہے مگر اب ان سب رسوں کا مجموعہ کا نام شہد ہے۔ اسی طرح "مسلمان" مختلف ملکوں، مختلف زبانوں کے لوگ ہیں مگر اب ان کا نام مسلمان تو گویا یہ کتاب اللہ کے بندوں کو جمع فرمانے والی ہے۔ اسی طرح زندوں اور مردوں میں بظاہر کوئی علاقہ باقی نہ رہا تھا۔ لیکن اس قرآن عظیم نے ان کو بھی خوب جمع فرمایا کہ مردے مسلمان زندوں سے فیض لینے لگے کہ اسی قرآن سے ان پر ایصال ثواب وغیرہ کیا جاتا ہے اور زندے وفات شدہ لوگوں سے کہ وہ حضرات قرآن کی برکت سے ولی قطب غوث بنے اور ان کا فیض بعد وفات جاری ہوا۔

اور اگر یہ قراۃ سے بنا ہے تو اس کے معنی ہیں پڑھی ہوئی چیز۔ تو اب اس کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ اور انبیائے کرام کو کتابیں یا صحیفے حق تعالیٰ کی طرف سے لکھے ہوئے عطا فرمائے گئے۔ لیکن قرآن کریم پڑھا ہوا اترا۔ اس طرح کہ جبریل امین حاضر ہوتے اور پڑھ کر سنا جاتے اور یقیناً پڑھا ہوا نازل ہونا لکھے ہوئے نازل ہونے سے افضل ہے جسکی بحث دوسری فصل میں آتی ہے۔ نیز جس قدر قرآن کریم پڑھا گیا اور پڑھا جاتا ہے اس قدر کوئی دینی دنیوی کتاب دنیا میں نہ پڑھی گئی۔ کیونکہ جو آدمی کوئی کتاب بناتا ہے۔ وہ تھوڑے سے لوگوں کے پاس پہنچتی ہے اور وہ بھی ایک آدھ دفعہ پڑھتے ہیں۔ اور پھر کچھ زمانہ بعد ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح آسمانی کتابیں بھی خاص خاص جماعتوں کے پاس آئیں اور کچھ دنوں رہ کر پہلے تو بگڑیں پھر ختم ہو گئیں جس کا ذکر تیسری فصل میں انشاء اللہ آئے گا لیکن قرآن کریم کی شان ہے کہ سارے عالم کی طرف آیا اور ساری خدائی میں پہنچا۔ سب نے پڑھا۔ بار بار پڑھا اور دل نہ بھرا۔ اکیلے پڑھا، جماعتوں کے ساتھ پڑھا اگر کبھی تراویح کی جماعت یا شبینہ دیکھنے کا اتفاق ہوا تو معلوم ہو گا کہ اس عظمت کے ساتھ کوئی کتاب پڑھی ہی نہیں گئی۔ پر لطف بات یہ ہے کہ اس کو مسلمان نے بھی پڑھا اور کفار نے بھی پڑھا۔ لطیفہ۔ ایک بار داچندر آریہ نے حضرت صدر الافاضل رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے عرض کیا کہ مجھے قرآن کریم کے چودہ پارے یاد ہیں بتایئے آپ کو میرا دید کتنا یاد ہے۔ حضرت موصوف نے فرمایا۔ یہ تو میرے قرآن کا کمال ہے کہ دوست تو دوست دشمنوں کے سینوں میں بھی پہنچ گیا۔ تو تیرے دید کی یہ کمزوری ہے کہ دوستوں کے دل میں بھی گھر نہ کر سکا۔ اور بقول تمہارے دنیا میں دید کو آئے ہوئے کروڑوں برس ہو چکے ہیں لیکن ہندوستان سے آگے نہ نکل سکا۔ مگر قرآن کریم چند صدیوں میں تمام عالم میں پہنچ گیا۔

اور اگر یہ قرن سے بنا ہے تو قرن کے معنی ہیں ملنا۔ اور ساتھ رہنا اب اس کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ حق اور ہدایت اس کے ساتھ ہے۔ نیز اس کی سورتیں اور آیتیں ہر ایک بعض کے ساتھ ہیں۔ کوئی کسی کے مخالف نہیں نیز اس میں عقاید اور اعمال میں اخلاق، سیاسیات، عبادات، معاملات تمام ایک ساتھ جمع ہیں نیز یہ مسلمان کے ہر وقت ساتھ رہنا ہے۔ دل کے ساتھ خیال کے ساتھ ظاہری اعضاء کے ساتھ اور باطنی عضووں کے ساتھ دل میں پہنچا۔ اس کو مسلمان بنایا ہاتھ پاؤں ناک کان وغیرہ کو حرام کاموں سے روک کر حلال میں مشغول کر دیا۔ غرضیکہ سر سے لے کر پاؤں تک کے ہر عضو پر اپنا رنگ جما دیا۔ پھر زندگی میں ہر حالت میں ساتھ بچپن میں ساتھ جوانی میں ساتھ بڑھاپے میں ساتھ۔ پھر ہر جگہ ساتھ رہا۔ تخت میں ساتھ۔ تختے میں ساتھ۔ گھر میں ساتھ۔ مسجد میں ساتھ۔ آبادی میں ساتھ۔ جنگل میں ساتھ۔ سوتے میں ساتھ۔ جاگتے میں ساتھ۔ مصیبت میں ساتھ آرام میں ساتھ۔ سفر میں ساتھ۔ حضر میں ساتھ۔ غرضیکہ ہر حال میں ساتھ۔ پھر مرتے وقت ساتھ کہ پڑھتے اور سنتے ہوئے مرے۔ قبر میں ساتھ کہ بعض صحابہ کرام کو ان کی وفات کے بعد قبر میں قرآن پاک پڑھتے ہوئے سنا گیا۔ اور حشر میں ساتھ کہ گنہ گار کو خدا سے بخشوائے۔ پل صراط پر نور بن کر مسلمان کے آگے آگے چلے اور راستہ دکھائے اور بتائے اور جب مسلمان جنت میں پہنچے گا تو فرمایا جائے گا کہ پڑھتا جا اور بڑھتا جا۔ غرضیکہ یہ مبارک چیز کبھی بھی ساتھ نہیں چھوڑتی۔ اس کا دوسرا نام فرقان بھی ہے۔ یہ لفظ فرق سے بنا ہے۔ اس کے معنی ہیں

فرق کرنے والی چیز قرآن کو فرقان اس لئے کہتے ہیں کہ حق و باطل، جھوٹ اور سچ مومن اور کافر میں فرق فرمانے والا ہے قرآن بارش کی مثل ہے۔ دیکھو کسان زمین کے مختلف حصوں میں مختلف بیج بو کر چھپا دیتا ہے۔ کسی کو پتہ نہیں لگتا کہ کہاں کونسا بیج بویا ہوا ہے۔ مگر بارش ہوتے ہی جہاں جو بیج دفن تھا، وہاں وہی پودا نکل آتا ہے تو بارش زمین کے اندرونی تخم کو ظاہر کرتی ہے۔ اسی طرح رب تعالیٰ نے اپنے بندوں کے سینوں میں ہدایت، گمراہی، سعادت، شقاوت، کفر و ایمان کے مختلف تخم امانت رکھے۔ نزول قرآن سے پہلے سب یکساں معلوم ہوتے تھے۔ صدیق و ابو جہل، فاروق و ابو لہب میں فرق نہیں آتا تھا۔ قرآن نے نازل ہو کر کھرا اور کھوٹا علیحدہ کر دیا۔ صدیق کا ایمان زندیق کا کفر ظاہر فرما دیا۔ لہذا اس کا نام فرقان ہوا۔ یعنی ان میں فرق ظاہر فرمانے والا۔ قرآن کریم کے کل 62 نام ہیں۔

دوسری فصل نزول قرآن کریم میں

نزول کے معنی ہیں اوپر سے نیچے اترنا اور کلام میں اترنا کلام میں نقل و حرکت نہیں ہو سکتی لہذا اس کے اترنے اور نقل و حرکت کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو کسی چیز پر لکھا جائے اور اس طرح چیز کو منتقل کیا جائے۔ جیسے کہ ہم کوئی بات خط میں لکھ کر بھیجیں۔ تو وہ بذریعہ اس کاغذ کے منتقل ہوئی۔ اس طرح پہلی کتابوں کا نزول ہوا تھا۔ یا کسی آدمی سے کوئی بات کہلا کے بھیج دی جائے۔ اس صورت میں حرکت کرنے والا وہ آدمی ہوگا۔ اور وہ کلام اس کے ذریعے سے حرکت کرے گا اور یا بغیر کسی واسطے کے سننے والے سے گفتگو کرلی جائے۔ قرآن کریم کا نزول ان پچھلے دو طریقوں سے ہوا یعنی جبریل امین آتے تھے اور آکر سناتے تھے۔ یہ نزول بذریعہ قاصد ہوا۔ اور قرآن کریم کی بعض آیتیں آسمانی معراج میں بھی بغیر واسطہ جبریل امین عطا فرمائی گئیں۔ لہذا قرآن پاک کا نزول دوسری آسمانی کتابوں کے نزول سے زیادہ شاندار ہے کہ وہ لکھی ہوئی آئیں۔ یہ بولا آیا اور لکھنے اور بولنے میں بڑا فرق ہے کیونکہ بولنے کی صورت میں بولنے کے طریقے سے اتنے معنی بن جاتے ہیں جو لکھنے سے حاصل نہیں ہوتے مثلاً ایک شخص نے ہم کو لکھ کر دیا کہ تم دہلی جاؤ گے۔ ہم لکھی ہوئی عبارت سے ایک ہی مطلب حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن اس جملے کو اگر وہ بولے تو پانچ چھ طریقے سے بول کر اس میں وہ پانچ چھ معنی پیدا کر سکتا ہے۔ ایسے لہجوں سے ایک بول سکتا ہے کہ جس سے سوال، حکم، تعجب، تمسخر وغیرہ کے معنی پیدا ہو جائیں۔ مجھ سے ایک شخص نے کہا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تاروں کے بارے میں فرمایا۔ ہذا ربی یہ میرا رب ہے اور یہ شرک ہے۔ انبیائے کرام شرک سے معصوم ہوتے ہیں۔ پھر آپ نے یہ کیوں فرمایا میں نے ان سے کہا کہ ہم کو یہ جملہ لکھا ہوا ملا۔ اس سے ہم ان کی مراد کے سمجھنے میں غلطی کر سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ انہوں نے اس کو اس طرح بولا ہو کہ جس سے انکار یا سوال کے معنی پیدا ہو گئے ہوں تو حقیقت میں یہ کلام ان چیزوں کی ربوبیت کے انکار کے لئے ہو۔ غرضیکہ بولنے اور لکھنے میں بڑا فرق ہے۔ (فائدہ) کوئی انسان قرآن کریم کو صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نہیں جان سکتا۔ اس کی چند وجہیں ہیں۔ ان میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم نے قرآن کریم جبریل امین کی زبان سے نہ سنا۔ لہذا ادا کرنے میں جو اسرار و نکات حاصل ہوئے ہونگے، ان تک ہمارا دماغ کیسے پہنچ سکتا ہے۔

قرآن کریم کا نزول چند طریقے سے اور چند بار ہوا ہے۔ اولاً لوح محفوظ سے پہلے آسمان کی طرف نزول ہوا کہ

قرآن پاک کا نزول کتنی بار ہوا

یکبارگی ماہ رمضان کی شب قدر میں ہوا۔ اس کے متعلق قرآن

> **دین و دنیا کا کوئی علم ایسا نہیں جو قرآن میں نہ ہو**

کریم فرماتا ہے شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن اور انا انزلنا فی لیلۃ القدر۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تیئس سال کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا بقدر ضرورت آتا رہا۔ اور احادیث سے ثابت ہے کہ اور رمضان میں حضرت جبریل امین حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر سارا قرآن سنایا کرتے تھے۔ اور بعض بعض آیتیں دو دو بار نازل ہوئی ہیں۔ جیسے سورۃ فاتحہ وغیرہ خلاصہ یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کا نزول کئی طریقے سے ہوا۔ لیکن احکام اس نزول سے جاری فرمائے جاتے تھے۔ جو بذریعہ جبریل امین تھوڑا تھوڑا آتا تھا۔ ہماری اس تقریر سے ایک بڑا اعتراض بھی اٹھ گیا۔ وہ یہ کہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم کے بارے میں کہیں نزلنا فرمایا اور کہیں انزلنا اور نزلنا کا معنی آہستہ آہستہ ہم نے اتارا انزلنا کا معنی ہے یکبارگی اتار دیا۔ ان دونوں آیتوں کی مطابقت کیسے کی جائے۔ جواب معلوم ہو گیا کہ چند بار نزول ہوا ہے۔ اور ان آیتوں نے الگ الگ نزولوں کو بیان فرمایا ہے۔ نزول قرآن اور دیگر آسمانی کتب کے نزول میں تین طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ وہ کتب لکھی ہوئی آئیں قرآن پڑھا ہوا۔ یعنی وہ سب تحریری، قرآن تقریری۔ دوسرے یہ کہ وہ سب ان پیغمبروں کو خاص جگہ بلا کر دی گئیں مگر قرآنی آیات عرب کے گلی کوچوں بلکہ حضور کے بستر شریف میں آئیں تاکہ حجاز کا ہر ذرہ عظمت والا ہو جائے کہ وہ

قرآن کا جائے نزول ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ کتب یکبارگی اتریں قرآن کریم 23 سال میں تاکہ حضور سے ہمشہ اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی رہے۔ اور مسلمانوں کو عمل آسان ہو کیونکہ یکدم سارے احکام پر عمل مشکل ہوتا ہے۔ دیکھو بنی اسرائیل ایک دم تورات ملنے سے گھبرا گئے اور بولے۔ سمعنا وعصینا۔

قرآن کا نزول حضور علیہ السلام پر کیوں ہوا

بندوں کے لئے ضروری ہے کہ حق تعالیٰ کے احکام کو مانیں۔ لیکن یہ ماننا جب ہی ضروری ہو گا جبکہ وہ احکام نبی کی پاک زبان سے ادا ہوں۔ حق تعالیٰ تو بلاواسطہ کسی غیر نبی سے کلام نہیں فرماتا۔ اگر جبریل انسانی شکل میں آکر لوگوں کو احکام سنا جاتے تو بھی ان پر عمل

نہ کہہ دیا کہ اے صاحبو! میں جبریل ہوں اور تم کو فلاں فلاں بات کا حکم کرتا ہوں کیوں کہ وہ جانتے تھے ہے میری اطاعت ان حضرات پر واجب نہ ہو گی۔ اس لئے حضور علیہ السلام کی زبان پاک سے وہ کلمات لوگوں کو سنوائے۔ اماموں کا قیاس بھی حق تعالیٰ کے فرمان یا حضور کے ارشاد پر مبنی ہوتا ہے۔ ہمارے اس کلام سے نتیجہ یہ نکلا کہ

اصل اصول بندگی اس تاجور کی ہے!

کہ نبی کی ہی اطاعت درحقیقت حق تعالیٰ کی اطاعت ہے (فائدہ) پیغمبر کا خواب اور ان کا الہام وغیرہ بھی وحی کی طرح قابل اطاعت ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا تھا کہ اپنے فرزند کو ذبح کر دو حالانکہ بے قصور آدمی کو قتل کرنا شریعت کے خلاف تھا۔ لیکن آپ کے اس خواب نے اس حکم شرعی کو آپ کے حق میں منسوخ کر

قرآن حق و باطل، جھوٹ و سچ، مومن اور کافر میں فرق فرمانے والا ہے

کرنا ضروری نہ ہوتا۔ اسی طرح کوئی غیر نبی خواب یا الہام یا غیبی آواز سے کسی حکم پر مطلع ہو جاتے تو اس کا ماننا شرعاً لازم نہ ہو گا۔ مشکوۃ شریف کے شروع میں ہے کہ ایکبار حضرت جبریل امین شکل انسانی میں سائل بن کر حضور پاک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور سے دریافت کیا کہ ایمان کیا ہے، اسلام کیا ہے احسان کیا ہے حضور نے جواب دیئے جب وہ دریافت کر کے چلے گئے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جبریل امین تھے اور تم کو تمہاری دینی باتیں سکھانے آئے تھے۔ دیکھو اس موقع پر حضرت جبریل امین نے خود ہی

دیا۔ آج اگر کوئی مسلمان یہ خواب دیکھے تو وہ محض اپنے خواب پر ایسے کام کی جرات نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ خلافِ شریعت ہے۔ نقطہ یہ بھی یاد ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نہ تو نبی ہیں نہ نبیوں کے استاد۔ بلکہ رب تعالیٰ اور پیغمبروں کے درمیان پیغام پہنچانے والے قاصد ہیں۔ اور انبیائے کرام کے خادم، نبی حکومتِ الٰہیہ کے اختیارات والے حکام ہیں حضرت جبریل امینؑ ایسے نہیں۔ بلاشبہ یوں سمجھو کہ ضلع کا افسر ہے اور ایک محکمہ ڈاک کا قاصد بادشاہ کے یہاں سے احکام ڈاک کے ذریعے سے حاکم کے پاس آتے ہیں تو ڈاک لانے والا حاکم

نہیں۔ حاکم وہی جس کے پاس یہ احکام آئے اور جو ان پر رعایا سے عمل کرائے گا۔

تیسری فصل۔ قرآن پاک کی ترتیب اور اس کا جمع ہونا

پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ قرآن پاک لوح محفوظ میں لکھا ہوا تھا۔ قرآن کریم فرماتا ہے قران مجید فی لوح محفوظ۔ پھر وہاں سے پہلے آسمان پر لایا گیا۔ پھر وہاں سے تیئس سال میں آہستہ آہستہ حضور علیہ السلام پر نازل ہوتا رہا۔ مگر یہ نازل ہونا اس لکھے ہوئے کی ترتیب کے موافق نہ تھا۔ کیونکہ یہ نزول بندوں کی ضرورت کے مطابق ہوتا تھا۔ جس آیت کی ضرورت ہوئی وہی آ گئی۔ مثلاً اگر اول ہی سے شراب کے حرام ہونے کی آیتیں اتر آئیں تو یقیناً عرب کے نئے مسلمانوں کو دشواری واقع ہوتی کیونکہ وہاں عام طور پر شراب پی جاتی تھی۔ اسی طرح سارے احکام کو سمجھ لو لیکن چونکہ حضور علیہ السلام کی نگاہ پاک لوح محفوظ وغیرہ

قرآن سارے عالم اور ساری خدائی
کیطرف آیا سب نے پڑھا بار بار
پڑھا پھر بھی دل نہ بھرا،

پر تھی اس لئے آپ ہر آیت کے نزول کے وقت اس کو ترتیب سے جمع کرا دیتے تھے اس طرح کہ جو حضرات کاتب وحی مقرر تھے ان کو فرما دیتے تھے کہ یہ آیت فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد رکھو اور یہ ترتیب لوح محفوظ کی ترتیب کے موافق تھی۔ اور طریقہ اس وقت یہ تھا کہ حضرت زید بن ثابت و دیگر بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین اس خدمت کو انجام دینے کے لئے مقرر تھے۔

جس وقت جو آیت اترتی حضور علیہ السلام کے حکم کے مطابق اونٹ کی ہڈیوں پر کھجور کے پٹھوں اور مختلف کاغذوں پر لکھ لیتے تھے۔ اور یہ چیزیں متفرق طور پر لوگوں کے پاس رہیں لیکن ان حضرات کو زیادہ اعتماد حفظ پر تھا۔ یعنی عام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم پورے قرآن کے حافظ تھے جیسا کہ آج حافظ ہیں۔ بلکہ اس سے زیادہ تو یوں سمجھو کہ قرآن پاک کی ترتیب خود حضور علیہ السلام نے دیدی تھی۔ لیکن ایک جگہ کتابی شکل میں جمع نہ فرمایا تھا۔ اس کی تین وجہیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ چونکہ صدہا حافظ اس کو اسی ترتیب سے یاد کر چکے تھے۔ جو آج تک چلی آرہی ہے اور نماز میں پڑھنا فرض تھا۔ اور نماز کے علاوہ بھی صحابہ کرام برکت کے لئے اس کو اکثر اوقات پڑھتے ہی رہتے تھے۔ اس لئے اس کے ضائع ہونے کا کچھ اندیشہ نہ تھا او دوسرے یہ کہ جہاد اور دیگر ضروریات کی وجہ سے اتنا موقعہ نہ مل سکا اس کو ایک جگہ جمع کیا جاتا اور تیسرے یہ کہ جب تک کہ پورا قرآن پاک نہ آجاتا۔ اس کو جمع کرنا ناممکن تھا کیونکہ ہر سورت کی کچھ آیات اتر چکی تھیں کچھ اترنے والی ہوتی تھیں حضور کی وفات سے کچھ روز پہلے نزول قرآن کی تکمیل ہوئی۔ غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسل کی زندگی پاک میں قرآن کریم کتابی شکل میں ایک جگہ جمع نہ ہو سکا۔ البتہ مرتب ہو گیا اللہ کی شان کی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانے یعنی حضورؐ کی وفات تعالیٰ عنہ بارگاہِ صدیقیؓ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اگر اسی طرح حافظِ قرآن شہید ہوتے رہے تو بہت جلد قرآن پاک ضائع ہو جائے گا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے ان صحابہ کرامؓ کو جمع فرمایا جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ پاک کی آیات کو جمع کر کے کتابی شکل میں تیار کرو۔ زید ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے۔ آپ وہ کام کیوں کرتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ یہ کام اچھا ہے (نوٹ) اس سے بدعتِ حسنہ کا ثبوت ہوا۔ حضرت زید ابن ثابتؓ نے نہایت محنت اور جانفشانی سے ان تمام آیتوں کو یکجا جمع کیا۔ جو کہ لوگوں کے سینوں اور کھجور کے پٹھوں اور ہڈیوں میں لکھی ہوئی تھیں اور ترتیب وہی رہی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ یہ قرآن کا نسخہ صدیق اکبرؓ کی حیات میں ان کے پاس رہ پھر حضرت فاروقِ اعظمؓ کے پاس رہا۔ پھر ان کے بعد فاروقؓ کی بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک بیوی حفصہؓ کے پاس محفوظ رہا۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں حذفہ ابن یمانؓ جو کہ ارمینیہ اور آذر بائیجان کے کفار سے جنگ فرما رہے تھے۔ وہاں کی مہم سے فارغ ہو کر حاضر بارگاہ ہوئے اور عرض کیا اے امیرالمومنین! لوگوں میں قرآن پاک کے متعلق اختلاف شروع ہو گئے۔ اگر یہ اختلاف بڑھتے رہے تو مسلمانوں کا حال یہود و نصاریٰ کی طرح ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کا جلد کوئی انتظام کیجیئے۔ وجہ اختلاف یہ بھی کہ بعض صحابہؓ کے نسخوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ الفاظ بھی لکھے تھے۔ جو آپ نے بطور تفسیر ارشاد فرمائے تھے اور وہ حضرات اس کو قرآن ہی کا جزو سمجھ گئے تھے۔ حالانکہ وہ الفاظ قرآن نہ تھے۔ جیسے کہ مصحف ابن مسعودؓ وغیرہ نیز ایک نسخہ تمام ملک کے مسلمانوں کے لیے اب کافی نہ تھا۔ نیز حافظ صحابہ کرا کو جو لقمہ قرآن مجید میں لگتا تھا اس کے نکالنے میں بہت دشواری ہوتی تھی۔ ان وجوہ کی بنا پر حضرت عثمانؓ نے پھر زید ابن ثابتؓ کو حکم فرمایا اور ان کی مدد کے لیے عبداللہ ابن زبیرؓ اور سعید ابن عاصؓ اور عبداللہ ابن حارث ابن ہشامؓ کو مقرر کیا۔ ان حضرات نے حضرت حفصہؓ کے پاس پہلے جمع کیے ہوئے قرآن کو منگایا اور پھر اس کا مقابلہ حفاظ کے حفظ قرآن سے نہایت تحقیق سے کر کے چھ یا سات نسخے نقل کئے اور یہ نسخے عراق، شام، مصر وغیرہ اسلامی ممالک میں بھیج دیئے۔ اور اصل نسخہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو واپس کر دیا اور جن صحابہ کرام کے پاس تفسیر سے ملے ہوئے

قرآن کے نسخے تھے۔ اور وہ اس کو قرآن پاک ہی سمجھ بیٹھے تھے ان کو منگوا کر جلوا دیا گیا کیونکہ ان نسخوں کا باقی رہنا آئندہ بڑے فتنوں کا دروازہ کھول دیتا کہ آئندہ لوگ اس کو قرآن پاک ہی سمجھ بیٹھتے۔ الحمد للہ اب تک قرآن پاک اسی طرح بلاکم وکاست مسلمانوں میں چلا آ رہا ہے۔ ناظرین ہماری اس تقریر سے سمجھ گئے ہوں گے کہ قرآن پاک کی ترتیب نزول قرآن کے مطابق ہو سکتی ہی نہیں تھی۔ کیونکہ موجودہ ترتب لوح محفوظ کی ترتیب کے مطابق ہے اور قرآن پاک کا نزول ضرورت کے مطابق ہوا۔ اور یہ بھی سمجھ گئے ہوں گے کہ قرآن پاک کو ترتیب دینے والے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن اس کو کتابی شکل میں ترتیب دینےوالے اولاً صدیق اکبر اور دوسرے عثمان غنی

انبیاء کرام حکومتِ الٰہیہ کے با اختیار حکام ہیں،

رضی اللہ عنہم اجمعین اس لئے آپ کا لقب ہے عثمان جامع قرآن۔

نکتہ:۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب کہ صحابہ کرام نے حضور علیہ السلا کے ہاتھ پر بیعت کی جس بیعت کا نام بیعت الرضوان ہے۔ اس میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود نہ تھے۔ کیونکہ ان کو حضور کی طرف سے مکہ معظمہ بھیجا گیا تھا۔ تو حضور علیہ السلام نے اپنے بائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور خود ان کی طرف سے بیعت فرمائی۔

خود کوزہ وخود کوزہ گر وخود گل کوزہ!

تو حضور علیہ السلام کا ہاتھ گویا عثمان غنی کا ہاتھ ہوا۔ اور حق تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرمایا۔ ید اللہ فوق ایدیھم۔ تو گویا اس واسطے سے عثمان غنی کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے اور قرآن کریم اللہ کا کلام۔ تو یوں کہ کلام اللہ، ید اللہ نے جمع فرمایا۔ اس لئے عثمان غنی کو جمع قرآن کے لئے منتخب فرمایا گیا۔ (نوٹ ضروری) قرآن پاک کی تقسیم اس زمانہ پاک میں دو طریقے سے ہو چکی تھی۔ ایک سورتوں سے، دوسری منزلوں سے یعنی قرآن پاک کی سات منزلیں کی گئی تھیں۔ کہ

اکثر صحابہ کرام پورے قرآن کے حافظ تھے

تلاوت کرنیوالا ایک منزل روزانہ کے حساب سے ختم کر کے سات دن میں ان منزلوں کی فمی بشرق میں جمع کیا گیا ہے۔ یعنی پہلی سورۃ فاتحہ سے شروع ہوتی ہے۔ دوسری مائدہ سے۔ تیسری سورۃ یونس سے، چوتھی سورۃ بنی اسرائیل سے۔ پانچویں سورۃ شعراء سے۔ چھٹی سورۃ والصفت سے اور ساتویں ق سے۔ پھر اس کے بعد قرآن پاک کے تیس حصے برابر کئے گئے جس کا نام رکھا گیا تیس سیپارے تاکہ تلاوت کرنیوالا ایک سیپارہ روز کے حساب سے ایک مہینہ میں قرآن پاک ختم کر سکے۔ پھر قرآن پاک میں زیر وزبر نہ ہونے کی وجہ سے اس کے تلاوت کرنے میں سخت دشواری محسوس ہوتی تھی کیونکہ غیر عربی لوگ تو پڑھ ہی نہ سکتے تھے اور عربی حضرات بھی بعض موقعوں پر دشواری محسوس کرتے تھے۔ لہذا اس میں زیر وزبر لگائے گئے اور نون قطنی وغیرہ ظاہر کئے گئے۔ مشہور یہ ہے کہ یہ کام حجاج بن یوسف نے کیا۔ اسی حجاج بن یوسف نے سورتوں کے نام قرآن میں لکھے۔ اس سے پہلے یہ نام قرآن میں نہ لکھے تھے۔ (تفسیر خزائن العرفان) پھر اس میں تفسیر روح البیان آخر سورۃ حجرات میں کہ مصحف عثمانی نہ نقطے تھے نہ

اعراب نہ رکوع نہ سیپارے۔ نقطے لگانیوالے اعراب لگانے والے ابو
ہی کے سال ملک یمانہ کے جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب اور اس
کے ساتھیوں سے صحابہ کرام کو سخت جنگ کرنی پڑی اور اس جنگ میں
تقریباً سات سو حافظِ قرآن بھی شہید ہو گئے۔ تب حضرت عمر رضی اللہ
اسود دیلی تابعی ہیں جنہوں نے حجاج بن یوسف کے حکم سے یہ کام پھر
خلیل ابن احمد فراعیدی نے مد اور وقف وغیرہ کی علامات قرآن میں
لگائیں اور یعرب ابن قحطان نے قرآن کو عربی خط یعنی نسخ میں لکھا۔
بعض لوگوں نے کہا ہے کہ قرآن کے تیس پارے اور اس میں نصف،
ربع، ثلث کے نشانات مامون عباسی کے زمانے میں لگائے گئے رکوع
بنائے گئے۔ یعنی حضرت عثمان غنی رمضان شریف کی تراویح کی نماز
میں جس قدر قرآن پاک پڑھ کر رکوع فرماتے تھے۔ اتنے حصے کو رکوع
قرار دیا گیا۔ اس لئے اس کے نشان پر قرآن مجید کے حاشیے پر ع لگا
دیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ عمرو کے نام کا عین ہے۔ بعض کہتے
ہیں کہ عثمان کے نام کا عین۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ لفظ رکوع کا عین
ہے تو حقیقت میں یہ تمام کام تلاوت کرنے والے کی آسانی کے لئے
کئے گئے۔ لطیفہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تراویح بیس رکعت ہونی
چاہیے نہ کہ آٹھ رکعت۔ اس لئے کہ حضرت عثمان روزانہ بیس رکعت
تراویح پڑھتے تھے اور ہر رکعت میں قرآن پاک ایک رکوع پڑھتے اور
ستائیسویں رمضان المبارک ختم قرآن پاک فرماتے۔ اس حساب سے

کل پانچ سو چالیس رکوع بنتے ہیں اور کل رکوع قرآن پاک کے پانچ سو
چھپن ہیں۔ چونکہ بعض سورتیں بہت چھوٹی ہیں اسلئے بعض رکعتوں
میں دو سورتیں پڑھ لی جاتی ہیں۔ اگر تراویح آٹھ رکعت ہوئی جیسے وہابی کہتے
ہیں تو قرآن پاک کے رکوع تو دو سو سولہ ہونے چاہیے تھے۔ اس کی
تحقیق کے لئے ہماری کتاب اللمعات المصابیح علی الرکعات التراویح دیکھو
سورتوں کی ترتیب کے بارے میں اختلاف ہے بعض فرماتے ہیں کہ
ان کو بھی آیتوں کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ترتیب دیا تھا۔
اور بعض فرماتے ہیں کہ نہیں بلکہ صحابہ کرام کے اجتہاد سے یہ
ترتیب ہوئی لیکن تفسیر عزیزی نہ یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے بہت سی سورتوں کی ترتیب اشارۃً خود ہی فرمادی تھی جیسے
کہ سات طویل سورتیں اور حمہ والی اور مفصل کی سورتیں۔ ان کو حضور صلی
اللہ علیہ وسلم نے نمازوں یا اپنے وظیفوں میں ترتیب وار پڑھ کر بتلادیا
تھا۔ اور بعض سورتوں کی ترتیب حضور کے بعد صحابہ کرام کے اجتہاد
سے مضامین کی مناسبت سے واقع ہوئی جیسے کہ کسی بڑے شاعر کے
کلام کو ہم ترتیب دیں تو اس کو ردیف کے حرفوں کے مطابق اس طرح
ترتیب دیتے ہیں کہ بڑی بڑی غزلیں اور قصیدے پہلے اور مثنوی اس
کے بعد اور قطعے رباعیاں اس کے بعد۔ تو ترتیب میں کلام کی موزو
نیت کا لحاظ رکھا جاتا ہے نہ کہ اس نے یہ کلام کب کہا۔ اس لئے مدنی
بڑی بڑی سورتیں قرآن پاک میں اول ہیں اور مکی سورتیں بعد میں۔

مقامِ مصطفیٰ قرآن کی روشنی میں

مجاہد تحریک آزادی علامہ فضل حق خیر آبادی

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝

اے حبیب! ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بناکر۔ عالمین میں تمام اگلے اور پچھلے فرشتے۔ انسان اور انکے ماسویٰ داخل ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل امین سے پوچھا کہ تمہیں بھی اس رحمت سے کچھ حصہ ملا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں میں اپنے انجام سے خائف رہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے تعریف فرمانے پر۔

ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ۔

مالک عرش کے حضور عزت والا وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے۔

میں مطمئن ہو گیا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مسعود بھی تمام جہانوں کیلئے رحمت اور حضور کا وصال بھی رحمت تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

حَیَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ وَمَمَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ (الحدیث)

میری ظاہری زندگی بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور میری وفات بھی تمہارے لیے بہتر ہے۔

دوسری حدیث میں ہے :

اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ رَحْمَۃً بِاُمَّتِہٖ قَبَضَ نَبِیَّھَا قَبْلَھَا فَجَعَلَہٗ لَھَا فَرَطًا وَّ سَلَفًا۔

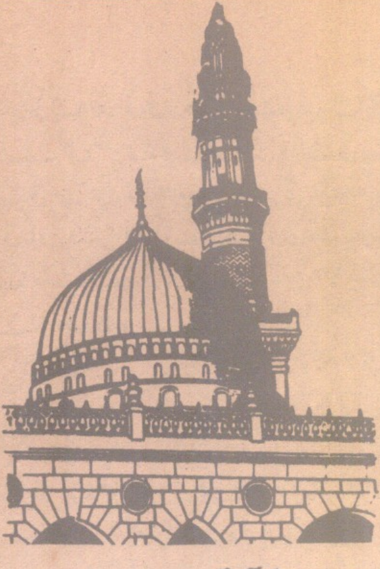
جب اللہ تعالیٰ کسی امت پر رحمت کا ارادہ فرماتا ہے ان کے نبی کو ان سے پہلے قبض فرما لیتا ہے اور اس نبی کو جنت میں جانے کے لیے امت کا پیشرو اور کار ساز بنا دیتا ہے :

فرط۔ اس شخص کو کہتے ہیں جو قافلے سے پہلے منزل پر جاکر کھانے پانی اور چار پایوں کے چارے کا انتظام کرتا ہے کہ جب قافلہ پہنچے تو تمام ضروریات انہیں مہیا کر دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے لیے بھی رحمت ہیں اور کافروں کے لیے بھی۔ کیونکہ اس زمانے کے کافر ان عذابوں سے محفوظ ہیں جو پہلے کافروں پر نازل ہوتے رہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ

اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ انہیں عذاب دے جبکہ اے حبیب! تم ان میں موجود ہو۔



دوسری آیت :

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ

اے حبیب ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔

جب میرا ذکر ہوگا تمہارا ذکر ہوگا جیسے کہ کلمہ اور اذان میں ہے۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر دنیا اور آخرت میں بلند فرمایا کیونکہ جو بھی خطبہ، تشہد اور نماز پڑھے گا اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھے گا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرے پاس جبرئیل امین آئے اور کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے حبیب! تم جانتے ہو اللہ تعالیٰ نے جہان میں تمہارا ذکر کس طرح بلند کیا؟ حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے حضرت جبرئیل نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب میرا ذکر ہوگا تمہارا ذکر بھی ہوگا۔

حضرت عطا فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے ایمان کی تکمیل اپنے اور تمہارے ذکر سے فرمائی ہے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے حبیب! میں نے تمہیں اپنا ذکر بنا دیا ہے کیونکہ جو تمہارا ذکر کریگا وہ میرا ذکر کرے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا رَّسُوْلًا ۝

تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ذکر بھیجا جو رسول ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو رسالت کے ساتھ تمہارا ذکر کرے گا وہ ربوبیت کے ساتھ میرا ذکر کرے گا اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی ایک مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طاعت کے ساتھ حضور کی طاعت اور اپنے نام کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو متصل فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ

اور، اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ

اللہ تعالیٰ نے اپنا اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نام واؤ عاطفہ (جو جمع اطراف کیلئے آتی ہے) سے یکجا فرمایا ہے اور یہ بات کسی دوسرے کے حق میں درست نہیں ہے؛ شرح شفا میں ہے :

• رُبَمَا یُقَالُ اِنَّ اِسْمَہٗ سُبْحَانَہٗ مَعَ اِسْمِ رَسُوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَوْسُوْمٌ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ مِّنَ الْاَشْیَاءِ

بحکم قولہ تعالیٰ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ اَیْ جَعَلْنَا ذِکْرَنَا مَعَکَ فِیْ کُلِّ شَیْءٍ مِّنْ مَّلَکٍ وَّ فَلَکٍ وَّ بِنَاءٍ وَّ سَمَاءٍ وَّ فَرْشٍ وَّ عَرْشٍ وَّ حَجَرٍ وَّ مَدَرٍ وَّ شَجَرٍ وَّ ثَمَرٍ نَحْوِ ذٰلِکَ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ الْخَلْقِ لَا یُبْصِرُوْنَ تَصْوِیْبَ ... قولہ سبحانہ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ۔

بہت سے علماء فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا نام حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ و رفعنا لک ذکرک کے مطابق ہر شے پر نقش ہے یعنی اے حبیب! فرشتہ ہو یا آسمان عمارت ہو یا عرش و فرش، پتھر ہو یا کچی اینٹ، درخت ہو یا پھل وغیرہ ہم نے ہر چیز پر اپنے ذکر کے ساتھ تمہارا ذکر نقش کر دیا ہے اگرچہ اکثر مخلوق اس کی تصویر نہیں دیکھ پاتی اسی کی نظیر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہر شے اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم انکی تسبیح کو نہیں سمجھتے"

تیسری آیت کریمہ:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَةٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ۔

"اے حبیب اس وقت کو یاد کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے وعدہ لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت دے دوں پھر تمہارے پاس تمہاری کتابوں کی تصدیق کرنے والا رسول عظیم تشریف لے آئے تو تم ضرور ان پر ایمان لے آنا اور ان کی امداد کرنا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا عہد لے لیا؟ انبیاء نے کہا ہاں ہم نے اقرار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں"

اس سے ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ فضیلت و کرامت عطا فرمائی ہے جس میں سے کسی دوسرے کو شریک نہیں کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فضیلت و شرافت میں تمام انبیاء و مرسلین سے ممتاز فرمایا ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے نبی بھی دنیا میں بھیجے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اور آپ کے اوصاف بتا دیئے اور ان سے عہد لیا کہ اگر وہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پالیں تو آپ پر ایمان لائیں۔ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور ان کے بعد جتنے نبی بھیجے ان سے وعدہ لیا کہ اگر ان کی حیات ظاہری میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو جائیں تو ان پر ایمان لانا اور ان کی امداد کرنا اور اپنی قوم کو بھی یہ حکم دینا"

چوتھی آیت مبارکہ:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْکَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ۔

اے حبیب! یاد کیجئے جب ہم نے انبیاء سے عہد لیا اور تم سے اور نوح ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) سے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد روتے ہوئے کہہ رہے تھے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے

والدین آپ پر قربان۔ اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں آپ کا پایہ اتنا بلند تھا کہ آپ کو تمام انبیاء کرام کے بعد مبعوث فرمایا اور سب سے پہلے آپ کا ذکر کیا اور فرمایا:

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ

یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر نثار۔ جناب الٰہی میں آپ کی اتنی فضیلت ہے کہ اہل دوزخ آرزو کریں گے کہ کاش آپکی اطاعت کرتے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کی ہوتی۔

حضرت قتادہ رض فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں تخلیق میں تمام انبیا سے پہلے تھا اور بعثت میں سب سے آخر ہوں

پانچویں آیت طیبہ:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ

وہ رسولان گرامی ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ان میں سے بعض وہ ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالٰی نے (بلا واسطہ) کلام کیا ان ہی سے بعض کے (بے شمار) درجے بلند کیے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سرخ اور سفید یعنی تمام مخلوق کی طرف مبعوث ہیں کفار کا مال غنیمت آپکے لیے حلال کیا گیا آپ کے دست مبارک پر بے شمار معجزے ظاہر ہوئے انبیاء کرام کو جو بھی فضیلت عطا کی گئی ویسی ہی عزت و شرافت حضور کو دی گئی۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالٰی نے دیگر انبیاء کو ناموں سے خطاب فرمایا اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نبوت و رسالت کے وصف سے یاد کیا اور فرمایا یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ۔

چھٹی آیت:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ○

اے حبیب! تمہاری زندگی کی قسم تحقیق قریش یا قوم لوط گمراہی میں سرگردان رہتے ہیں"

مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کلام میں اللہ تعالٰی نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مدت حیات کی قسم یاد فرمائی اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے حبیب! تمہاری بقا کی قسم بعض نے فرمایا تمہاری زندگی کی قسم بعض نے فرمایا تمہاری حیات کی قسم، اس نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حد درجہ تعظیم و تکریم کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے ایسا کوئی انسان پیدا نہیں فرمایا جو اسکی بارگاہ میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زیادہ معزز ہو اور میں نے نہیں سنا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا اللہ تعالٰی نے کسی کی زندگی کی قسم یاد فرمائی ہو

حضرت ابوالجوزا فرماتے ہیں اللہ تعالٰی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کی زندگی کی قسم یاد نہیں فرمائی کیونکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بارگاہ الٰہی میں تمام مخلوق سے زیادہ عزت والے ہیں"

ساتویں آیت طیبہ:

لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَ وَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ

اے حبیب مجھے قسم ہے اس شہر کی جس میں تم جلوہ افروز ہو اور قسم ہے جننے والے اور جنے ہوئے کی۔

وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ (اے حبیب تم اس شہر میں جلوہ افروز ہو) میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کس قدر بزرگی اور عظمت کا اظہار ہے ہر ذوق سلیم والا اس کا اندازہ کر سکتا ہے بعض تفاسیر میں ہے کہ مَا وَلَدَ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں:

آٹھویں آیت کریمہ:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ۔

اے حبیب! بیشک جو لوگ تمہاری بیعت کرتے ہیں سوائے اس کے نہیں کہ وہ اللہ کی بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے

انہی آیات میں سے سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ نجم کی وہ آیات ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کا ذکر ہے مسجد حرام (مکہ معظمہ) سے مسجد اقصٰی تک وہاں سے آسمانوں تک اور وہاں سے قرب خاص تک آیات مبارکہ، احادیث طیبہ، صحابۂ کرام اور ائمۂ دین کے اقوال ذکر کئے جائیں تو گفتگو طویل ہو جائے گی محققین صحابہ اور ائمۂ مجتہدین اس کے قائل ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بیداری کی حالت میں عرش مجید (بلکہ اس سے بھی آگے) تک جسمانی معراج ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا واسطہ اللہ تعالٰی سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ذات مقدسہ تجلی کا دیدار سر کی آنکھوں سے ہو یا دل کی آنکھوں سے اور دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰى کے مطابق کمال قرب تک پہنچے۔

نویں آیت

طٰهٰ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى

"اے طاہر! یا اے راہنما ہم نے تم پر قرآن اس لیے نہیں اتارا کہ تم مشقت اٹھاؤ"

اس آیت سے اللہ تعالٰی کی بے پایاں مہربانی اور تکریم، حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ظاہر ہے کہ اللہ تعالٰی نے بندگی میں آپ کی مشقت اور تکلیف روا نہیں رکھی۔

دسویں آیت طیبہ۔

وَ الضُّحٰى وَ الَّیْلِ اِذَا سَجٰى مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَ مَا قَلٰى وَ لَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔

"قسم ہے چاشت کے وقت کی اور قسم ہے رات کی جب پر سکون ہو جائے تمہارے رب نے نہ تمہیں چھوڑا ہے نہ دشمن رکھا بے شک تمہارے لیے آخرت دنیا سے بہتر ہے، عنقریب تمہارا رب تمہیں اتنا دیگا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔

ایک وقت بعض وجوہ کی بنا پر اللہ تعالٰی کی طرف سے وحی کے

پہنچنے میں دیر ہوگئی تو بے دین مشرکوں نے مشہور کر دیا کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالےٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا ہے اور دشمن رکھا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم وحی کی تاخیر سے پریشان تھے حضرت جبریل امین بشارت کی یہ وحی لائے جس میں اللہ تعالیٰ نے قسم یاد فرما کر چھوڑ دینے اور دشمن رکھنے کی نفی فرمائی جس کی تشہیر ملعون مشرکین کر رہے تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ اللہ تعالےٰ نے نہ آپکو چھوڑا ہے اور نہ دشمن رکھا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپکے مراتب و مناصب میں دن بدن ترقی ہے اور دنیا کی نسبت آخرت میں آپ کی عزت افزائی اور زیادہ ہوگی کیونکہ آپ دنیا میں وہ سب کچھ کرتے ہیں جو اللہ تعالےٰ آپ سے چاہتا ہے قیامت کے روز اس کی جزا یہ ہوگی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے جو درخواست کریں گے آپ کو عطا فرمائیگا حتیٰ کہ آپ راضی ہوجائیں گے۔

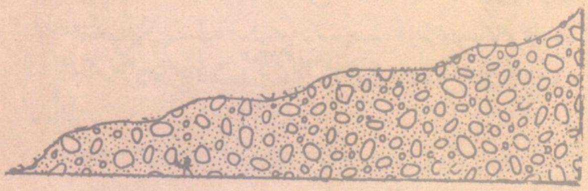
ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس وقت تک ہرگز راضی نہیں ہونگا جبتک میرا ایک امتی بھی دوزخ میں رہے گا گویا اللہ تعالیٰ اس پر بشارت آیت میں قسم یاد فرما کر فرماتا ہے کہ اے حبیب! تمہارے رب نے تمہیں نہیں چھوڑا بلکہ تمہارے عزت و شرافت کے مراتب میں دن بدن اضافہ فرمائیگا تمہاری رضامندی اور تمہیں خوش رکھنے کیلئے تمہارے کسی پیروکار اور متبع پر غضب نہیں فرمائیگا کیونکہ ان میں سے کسی پر غضب کرنا تمہیں پسند نہیں ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے متبعین اور محبین پر بھی حضور کی نسبت کے سبب غضب نہیں فرمائے گا چہ جائیکہ حبیب پاک صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر غضب فرمائے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رضا اور خوشنودی چاہتا ہے، ہاں حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کے محبوب ہیں اور بلاشبہ محب محبوب کی خوشی اور رضا کا طالب ہوتا ہے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

بگفتا وصل بہ یا ہجر اے دوست
بگفتا ہر چہ میل خاطر اوست

کسی نے پوچھا محبوب کی ملاقات اچھی ہے یا جدائی؟ تو محب نے کہا جو محبوب کو پسند ہو۔

مختصر یہ کہ قرآن پاک اول سے آخر تک حضور ختم المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کی خلافت اور نیابت الٰہیہ کو بیان کرتا ہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے کمال اور بلندئ مرتبہ پر دلیل ہے اس کے احاطہ کے لئے بڑی تفسیر درکار ہے اس جگہ جو کچھ بیان ہوا اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے کیونکہ آیات مذکورہ اس مقصد کیلئے کافی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء و مرسلین کے سردار ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں اولین و آخرین سے زیادہ معزز اور اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء و مرسلین کا امام اور سردار بنایا اور تمام انبیاء و مرسلین سے حضور صلی اللہ تعالےٰ وسلم کی فرمانبرداری اور امداد کا وعدہ لیا اور اللہ تعالےٰ حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی رضا کا طالب ہے۔



دینِ اعتدال
قرآن کی روشنی میں

مبلغِ اسلام
حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رح

دنیا میں بسنے والے انسانی صورت رکھنے والے، آدم زاد کچھ افراد تو دنیا کی لذتوں، عیش پسندی بلکہ عیش پرستی میں اس طرح مبتلا ہیں اور انسانیت کی باتوں کو چھوڑنے اور حیوانیت سے رشتہ جوڑنے پر اس انداز سے تلے ہوئے ہیں کہ عقل سے کام لیکر یہ سوچنے کے لیے بھی تیار نہیں کہ یہ رنگ برنگ مخلوق یہ زبردست کائنات جس میں ہر چیز کے لیے کام اور ہر کام کے لیے صحیح اہتمام ہے بغیر کسی بنانے والے کے کیوں کر ظہور میں آسکتی تھی اور یہ مکمل نظام بغیر کسی چلانے والے اور تدبیر فرمانے والے کے کیوں کر چل سکتا ہے۔ پھر جب یہ ظاہر کہ دنیا کی ہر چیز کسی نہ کسی کام کے لیے ہے تو یہ کہاں تک صحیح ہوسکتا ہے کہ سب چیزیں تو کسی نہ کسی کام کے لیے ہوں مگر وہ انسان جو عقل و شعور کا مدعی بن کر ان تمام چیزوں سے کام لے، خود کسی کام کے لیے نہ ہو اور اس کی زندگی کا نہ کوئی خاص نصب العین ہو، نہ کوئی غرض وغایت، ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں کہ خدا کے وجود سے انکار، ان کا شعار، انہیں نہ کسی دین سے واسطہ، نہ نبیوں، رسولوں، ہادیوں، رہبروں سے سروکار، روحانیت ان کے نزدیک وہم اور اخلاق ایک بے معنی چیز یہ سمجھتے ہیں کہ "مادی دنیا اور اس کی سب لذتیں ہمارے لیے ہیں اور ہم فقط مزے اڑانے اور فائدہ اٹھانے کے لیے۔"

ان کے بالکل برعکس کچھ وہ افراد ہیں جو ذرہ ذرہ پتہ پتہ کی زبان حال سے کسی خالق و صانع کی آواز سنتے اور ہر ہر چیز میں اس کی تخلیق کی نشانیاں پاتے۔ مادی دنیا کے پیہم انقلاب کو اس کے فنا ہونے کی دلیل ٹھہراتے، اور مٹنے والی چیزوں سے دل لگانا بے عقلی کی علامت جانتے ہوئے مادیات سے توجہ ہٹاتے، اپنے وجود میں ایک غیر مادی کیفیت، آتما یا روح کا ادراک کرتے ہوئے روحانی تربیت کے دلفریب نام سے روحانیت کے بحر ناپیدا کنار میں ڈوب جانے کو اپنی زندگی کا نصب العین بناتے ہیں۔ ان کا اصول ہے کہ مادی دنیا کو چھوڑو، روحانی کاموں میں لگو، روح کو پروان چڑھاؤ اور صرف اسی پرماتما کا گیان کرو۔ اسی سے دھیان لگاؤ کہ مادیات سے بالکل قطع تعلق کیے بغیر روحانیت کی منزل تک رسائی نہیں ہوسکتی۔"

اس نظریہ کے علمبردار مسیحی راہب و راہبات (MONKS AND MUNS) اگر صرف تعلقات ازدواج کو چھوڑتے اور عزیز و اقرباء، رشتہ دار اور دوست احباب سے منہ موڑتے، کلیا کے گوشوں اور جنگل کے کونوں میں زندگی گزارتے ہیں تو ہندی سادھو، بدھ مت کے بھکشو ان سے بھی آگے بڑھتے ہیں ان میں سے اگر کسی نے کہا کہ:

"جب مادی دنیا کو چھوڑا تو پانی کیوں پیتے ہو؟ کھانا کیوں کھاتے ہو؟ سانس کیوں لیتے ہو؟ بلکہ اس جسم سے کام کیوں لیتے ہو؟ تو یہ انتہا پسند، تارک دنیا، بھکشو اور سادھو کبھی سانس روک کر بیٹھتے، کھانا پانی سب بند کرتے اور کبھی بالکل انتہائی نقطہ پر پہنچ کر اپنے جسم کو ہی آگ میں جلا کر، پانی میں ڈبو کر یا بلندی سے گرا کر ہلاک کر بیٹھتے ہیں۔"

لیکن ذرا سوچیئے!

اگر تمام جہان کے انسان مادیت میں ڈوب جائیں۔ نفسی نفسی چلائیں۔ انسانیت و اخلاقیات سے بے پروا ہو کر خود غرضی میں مبتلا ہوجائیں تو نتیجہ اس کے سوا کیا ہوگا کہ سب آپس میں لڑ جھگڑ کر تباہ و برباد ہوں اور دنیا کی یہ انسانی آبادی جلد سے جلد ختم ہوجائے۔

ان لوگوں کا نظریہ ایک طرف عقل سے دور، کہ خالق عالم، ان کی نظر میں کوئی نہیں، دوسری جانب عملی نقطہ نظر سے دنیا کو بڑھانے اور ترقی کی راہ پر لانے والا نہیں بلکہ جلد تر تباہ کرنے والا۔

دوسرے نظریہ کے لوگ اگر صحیح معنی میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس عالم کا کوئی خالق ہے اور وہ حکیم و مدبر و ظاہر ہے کہ اس نے تمام مخلوق اور تمام نظام کو تو بے کار نہ بنایا ہوگا نکمی چیزیں بنانا بے عقلی کی بات اور وہ قادرِ مطلق عقل کل، لہٰذا "یقیناً سب چیزیں کسی نہ کسی کام کے لیے بنیں"۔

پھر دنیا جانتی ہے معمولی سمجھ والا بھی سمجھتا ہے۔ دن رات کا تجربہ ہے کہ تمام کائنات انسان ہی کے کام آرہی ہے۔ پس جب خالق کائنات نے تمام عالم انسان کے کام آنے کے لیے بنایا تو اس سے کام نہ لینا اس خالق حکیم (جل مجدہ) کے منشاء کے خلاف اور اس کی ناراضگی کا سبب نیز اپنے آپ کو ٹوٹے میں ڈالنے والا۔

یہ بھی سوچیئے کہ

اگر سب انسان اس کائنات سے کام لینا چھوڑ دیں یا سب کے سب سادھو، بھکشو، تارک الدنیا، درویش بن کر معطل ہو کر بیٹھ جائیں تو یہ دنیا اور اس کی ساری چہل پہل چند ہی روز میں ختم ہو کاٹ دی جائے اور خالق حکیم قادر علیم نے دنیا کو جس مقصد سے پیدا کیا وہ پورا نہ ہونے پائے۔ لہٰذا اگر سمجھ سے کام لیا جائے تو بہت جلد سمجھ میں آجائے کہ

وہ بھی غلط -- یہ بھی غلط

دونوں انتہا پسند، نہ ان کا راستہ ٹھیک، نہ ان کی راہ صحیح، حقیقی معنی میں دنیا کے دونوں دشمن اور پیدا کرنے والے کے منشاء کے دونوں مخالف، بلکہ سچ پوچھیئے تو اپنے نفع نقصان سے دونوں غافل، ایسا طریق جس پر ساری دنیا کے انسان چل سکیں، نہ یہ ہوسکتا ہے نہ وہ:

پھر درمیانی راہ، یا سب کے لئے قابل کاٹ دیں عمل طریق یا دین عمومی کیا ہوسکتا ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ پتہ پتہ جہاں زبان حال سے یہ گواہی دے رہا ہے کہ اس تمام نظام کا وجود میں لانے والا اس مشین کا چلانے والا ایک حکیم، علیم، مدبر، قادر مطلق ہے اور ضرور ہے جو عدم سے وجود میں لانے والا خالق ہی نہیں بلکہ تربیت دینے والا اور ابتدائی وجود سے اٹھا کر ہر آن ہر لحظہ ہر قسم کی ضروریات بہم پہنچا کر انتہائی معراج کمال تک پہنچانے والا رب العالمین ہے (جل جلالہ، وعم نوالہ) اور وہ بھی یکتا نہ کوئی اس کا ساجھی نہ کسی اعتبار سے اس کا شریک وحدہ لاشریک لہ۔ وہاں ہر مخلوق کی صورت حال اس امر کی بھی شاہد کہ وہ کسی نہ کسی انسان کے کام آ رہی ہے۔ بس جب تمام کائنات انسان کے لئے ہے تو انسان کو ساری مخلوق سے خدمت لیتا ہے خود اس کے لئے ہونا چاہیئے جو سب مخلوق کا خالق سارے جہاں اور

انسان کا بھی مالک۔

یہی نظریہ ہے جس کو اس مالک حقیقی نے اپنی زبان سے ارشاد فرمایا۔ اپنے پیامبر رحمتہ العالمین سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وعلیٰ آلہ صحبہ اجمعین کے ذریعے ہم بندوں تک پہنچایا کہ،

خلق لکم مافی الارض جمیعاً۔ (القرآن)

اے انسانو! زمین میں جو کچھ ہے ہم نے تمہارے لئے بنایا

اور

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ (القرآن)

جن اور انسانوں کو ہم نے اسی لئے پیدا فرمایا کہ وہ اللہ کی بندگی کریں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اے انسان: سارا جہاں تیرے لئے ہے۔ اور اے انسان تو خدا کے لئے ہے۔

یہ ہے درمیانی راہ۔

اور اس درمیانی راہ پر چلنے والی امت، میانہ روامت، خدا کے فرمان میں اسی کو سراہا گیا اور فرمایا گیا کہ:

جعلنکم امتہً وسطاً۔ (القرآن)

ہم نے تمہیں میانہ روامت بنایا۔ اس درمیانی راہ (دین اسلام) میں ایک طرف کائنات کی تمام چیزوں کے استعمال کا طریق سکھایا گیا۔ دوسری طرف اس خالق کائنات سے تعلق و روابط پیدا کرنے، اسے جاننے، دوسری طرف اس خالق کائنات سے تعلق کی حقیقت کا راز سمجھایا گیا کہ جس طرح عبادت کی خاص رسمیں اور خاص انداز نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ذکر و فکر (گیان دھیان) عبدیت کی دلیل اور زندگی کا حقیقی مقصد اسی طرح اللہ کی نعمتوں کا اس کی مرضی کے مطابق استعمال ہی اس کی بندگی کی پہچان، مومن، مسلم یعنی سچے انسان کی یہی شان، اس کو حکم دیا جاتا ہے کہ۔

قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین۔ (القرآن)

یوں کہوں کہ میری نماز اور میرے مناسک بلکہ میرا جینا مرنا سب اسی اللہ کے واسطے ہے جو عالموں کا رب ہے۔

زندگی کا ہر لمحہ، ہر حرکت، ہر سکون، ہر قول، ہر عمل اسی اللہ کے لئے ہے۔ اس کی عطا کی ہوئی نعمتوں کا استعمال اسی لئے ہے کہ وہ راضی ہو، اسی لئے ان سمجھ دار انسانوں کو یہ کہہ کر سراہا گیا۔

الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبھم۔

جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر اللہ ہی کی یاد کرتے ہیں۔

دنیا والوں نے اللہ کی عبادت اور دنیا کی چیزوں کے استعمال میں تفریق کی۔ ایک دوسرے سے جدا نہیں بلکہ ضد اور الٹا سمجھا، یہاں ان سب کاموں کو جنہیں اہل دنیا، دنیا داری سے تعبیر کرتے ہیں۔ خالص دین اور اللہ کی رضامندی کا سبب بنایا گیا ہے۔

کھانا، پینا، سونا، جاگنا، اٹھنا، بیٹھنا، یہاں تک کہ ازدواجی تعلقات قائم کرنا، سب کو دین کا لقب دیا گیا۔ زندگی کے پورے لائحہ عمل (پروگرام) کا نام ہی اسلام رکھا گیا۔ یہ نکتہ ایک ذرا اشارہ میں سمجھا گیا کہ:۔

انما الاعمال بالنیات۔ (الحدیث)

تمام عملوں کا دارومدار نیت پر ہے۔

خالص عبادت کی صورت نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ اگر دنیا میں نام اور شہرت کے لئے ہے تو عین دنیا، اسے خدا سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہو سکتا اور کھانا پینا شادی بیاہ کرنا اگر اللہ کے لئے ہے کہ اس کی عطا کی ہوئی زندگی کو سنبھالیں اس کی نعمتوں کا اس کی مرضی کے مطابق استعمال کریں تو یہ عین دین، کھانے پینے کے لئے کس شدت کے ساتھ حکم کہ:۔

کلوا واشربوا ولا تسرفوا (القرآن)

کلوا من طیبٰت مارزقنکم (القرآن)

کھاؤ پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔

ہم نے جو پاک چیزیں تمہیں دیں، ہیں کھاؤ۔

روزہ کی غرض و غایت
یہ ہے راہِ اعتدال سے
دُور رکھنے والے تمام
جراثیم ہلاک ہو جائیں

بلکہ چھوڑنے پر خاص انداز میں تنبیہ کہ:۔

لم تحرم ما احل اللہ لک (القرآن)

آپ اپنے نفس پر اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہیں جو اللہ نے حلال فرمائی۔

ازدواجی تعلقات کے لئے ارشاد ہوا کہ:۔

فانکحوا ماطاب لکم من النساء۔ (القرآن)

عورتوں میں جو تمہیں بھلی معلوم ہوں ان سے نکاح کرو۔

بلکہ نکاح کو جو خالص دنیاداری کا کام سمجھا جاتا ہے دین کا جزو قرار دیا گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہہ کے لہجہ میں فرمایا کہ:۔

النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔ (الحدیث)

نکاح میری سنت ہے جس نے میری سنت سے منہ پھیرا، وہ مجھ سے نہیں۔

بلکہ یوں جتایا:۔

النکاح نصف الایمان۔ (الحدیث)

نکاح تو آدھا ایمان ہے۔

جوان آدمیوں کو خصوصیت کے ساتھ متنبہ کیا۔

یا معشر الشبان من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج۔ (الحدیث)

اے جوانوں کے گروہ! تم میں سے جو بھی خاص قوت رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ نکاح کرے اس لئے کہ یہ نظر کا بھی محافظ ہے اور شرمگاہ کا بھی۔

بات صرف اتنی کہ کھانا پینا ہو یا نکاح، زراعت و تجارت ہو یا کسی ذریعہ سے کسب معیشت، غرض اور مقصد کا معین ہونا ضروری، وہ نصب العین بتا دیا گیا کہ یوں کہو کہ:۔

اناللہ وانا الیہ راجعون۔
ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے۔

اب سوچیے کہ ایک طرف وہ ہے جس نے خدا کو چھوڑا، دنیا ہی کا ہو رہا۔ دوسری طرف وہ ہے جس نے دنیا کو چھوڑا اور سمجھا کہ میں خدا کا ہو گیا اور ان دونوں کے درمیان وہ جس نے دنیا کی تمام چیزوں سے بھی فائدہ اٹھایا اور اصل نصب العین ذات رب العالمین سے بھی دل لگایا اس کی بندگی کی، اسے جانا، پہچانا بلکہ پایا۔

یہ ہے میانہ روامت اور اسی کا نام امت مسلمہ، امت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس میانہ روامت کو جہاں کھانے پینے اور جماع کرنے کا حکم دیا گیا۔ وہاں ایک وقت خاص میں ان کاموں کو چھوڑ کر عبادت الٰہی میں مشغول ہونے، اور تربیت اخلاقی و روحانی کرتے ہوئے۔

روحانیت کے اعلیٰ مدارج

پر فائز ہونے کا سبق بھی پڑھایا گیا، جہاں یہ کہا گیا کہ:۔
وجعلنا الیل لباساً وجعلنا النھار معاشاً۔ (القرآن)
اور ہم نے رات کو پردہ پوش بنایا۔ اور دن کو معاش کے لئے۔
وہاں بھی یہ سنا گیا کہ:۔
ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتاباً موقوتاً۔ (القرآن)
یقیناً نماز مومنوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض ہے۔
اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الیٰ غسق الیل وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشوداً ومن الیل فتھجد بہ نافلتہ لک عیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً۔ (القرآن)

نماز قائم کیجئے سورج ڈھلنے سے رات کی اندھیری تک اور صبح کا قرآن (نماز فجر) یقیناً صبح کے قرآن (نماز فجر) میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور رات کے کچھ حصہ میں تہجد کی نماز ادا کرو۔ یہ آپ کے لئے نفل ہے۔ عنقریب آپ کا رب ایسے مقام پر پہنچائے گا جہاں سب آپ کی تعریف کریں گے۔
اور ترشبیت نفس کے لئے بتایا گیا کہ:۔
یایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین اخر من قبلکم لعلکم تتقون ایاماً معدودت فمن کان منکم مریضاً او علیٰ سفر فعدۃ من ایام اخد وعلی الذین یطیوقونہ فدیۃ طعام مسکین فمن تطوع خیراً فھو خیر لکم ان کنتم تعلمون شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس وبینات من الھدیٰ والفرقان فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ۔ (القرآن)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے اگلوں پر فرض کئے گئے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ گنتی کے (چند) دن ہیں ان میں بھی تم میں سے جو بیمار ہو یا سفر میں ہو۔ تو اتنے روزے اور دنوں رکھ لے اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا پھر جو اپنی طرف سے نیکی زیادہ کریں تو وہ اس کے لئے بہتر، اور روزہ رکھنا تمہارے لئے اچھا ہے اگر تم جانتے ہو رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن اترا جو لوگوں کے لئے بذات خود رہنمائی ہے اور جو فیصلہ کی روشن باتیں، پس تم میں جو بھی یہ مہنہ پائے اس میں روزہ رکھے۔

کھانے، پینے، سونے، جاگنے، ازدواجی و تمدنی و معاشرتی آداب دوسری کتابوں میں مطالعہ کریں۔ یہاں تربیت نفس، درستی اخلاق اور ارتقاء روحانی کی وہ ترکیب وکمال انسانیت کے درجہ تک پہنچائے اس تدبیر کا نام اصلاح قانون اسلام میں صوم، روزہ ہے، اور اس کی غرض وغایت یہ کہ نقطہ اعدال، انسانیت سے دور رکھنے والے جس قدر جراثیم ہیں وہ ہلاک ہو جائیں اور اس تدبیر کو عمل میں لانے والے اخلاقی و روحانی امراض سے بچ جائیں۔ قرآن میں آیا۔
لعلکم تتقون۔ تاکہ تم متقی بن جاؤ۔
یعنی ہر اس بات سے محفوظ ہو جاؤ جو تمہیں نقصان پہنچانے والی ہے۔

قبلہ ہے مرا نقش کف پائے محمدؐ

ہر صبح ہے نور رخ زیبائے محمدؐ — ہر شام ہے گیسوئے دل آرائے محمد
محشر سے ڈرے کیوں کوئی شیدائے محمدؐ — محشر تو ہے اک جلوہ فردائے محمدؐ
جچتی نہیں نظروں میں دو عالم کی تجلی — ہے جب سے تصور میں سراپائے محمدؐ
آئینہ میں خود آئنہ گر بول رہا ہے — جو حکم خدا ہے وہی منشائے محمدؐ
انسان کو اگر تربیت فکر و نظر ہو — پھیلی ہوئی ہر سمت ہے دنیائے محمدؐ
فرش گل و لالہ سے کواکب کے جہاں تک — تخلیق دو عالم ہے تقاضائے محمدؐ
کانٹے مرے تلووں کیلئے لالہ وگل ہیں — گلشن ہے مرے واسطے صحرائے محمدؐ
سینے کے ہر اک داغ نے لو دی ہے اچانک — خاموش عزیزو مجھے یاد آئے محمدؐ
کب سے در اقدس کو ہیں بیتاب نگاہیں — کب سے مرے دل میں ہے تمنائے محمدؐ
رقصاں و غزلخواں مری تقدیس جنوں ہے — ہر سر کو میسر نہیں سودائے محمدؐ

دانش مری آدابِ محبت پہ نظر ہے
قبلہ ہے مرا نقشِ کفِ پائے محمدؐ

احسان دانش

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے۔

اب سوچیے کہ ایک طرف وہ ہے جس نے خدا کو چھوڑا، دنیا ہی کا ہو رہا۔ دوسری طرف وہ ہے جس نے دنیا کو چھوڑا اور سمجھا کہ میں خدا کا ہوگیا اور ان دونوں کے درمیان وہ جس نے دنیا کی تمام چیزوں سے بھی فائدہ اٹھایا اور اصل نصب العین ذات رب العالمین سے بھی دل لگایا اس کی بندگی کی، اسے جانا، پہچانا بلکہ پایا۔

یہ ہے میانہ روامت اور اسی کا نام امت مسلمہ، امت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس میانہ روامت کو جہاں کھانے پینے اور جماع کرنے کا حکم دیا گیا۔ وہاں ایک وقت خاص میں ان کاموں کو چھوڑ کر عبادت الٰہی میں مشغول ہونے، اور تربیت اخلاقی و روحانی کرتے ہوئے۔

روحانیت کے اعلیٰ مدارج

پر فائز ہونے کا سبق بھی پڑھایا گیا، جہاں یہ کہا گیا کہ:۔

وجعلنا الیل لباساً وجعلنا النھار معاشاً۔ (القرآن)

اور ہم نے رات کو پردہ پوش بنایا۔ اور دن کو معاش کے لئے۔

وہاں بھی یہ سنا گیا کہ:۔

ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتاباً موقوتاً۔ (القرآن)

یقیناً نماز مومنوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض ہے۔

اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الیٰ غسق الیل وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشوداً ومن الیل فتھجد بہ نافلتہ لک عیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً۔ (القرآن)

نماز قائم کیجئے سورج ڈھلنے سے رات کی اندھیری تک اور صبح کا قرآن (نماز فجر) یقیناً صبح کے قرآن (نماز فجر) میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور رات کے کچھ حصہ میں تہجد کی نماز ادا کرو۔ یہ آپ کے لئے نفل ہے۔ عنقریب آپ کا رب ایسے مقام پر پہنچائے گا جہاں سب آپ کی تعریف کریں گے۔

اور ترشبیت نفس کے لئے بتایا گیا کہ:۔

یاَیھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین اخر من قبلکم لعلکم تتقون ایاماً معدودت فمن کان منکم مریضاً اوعلیٰ سفر فعدۃ من ایام اخد وعلی الذین یطیوقونہ فدیۃ طعام مسکین فمن تطوع خیراً فھو خیر لکم ان کنتم تعلمون شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس وبینات من الھدیٰ والفرقان فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ۔ (القرآن)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے اگلوں پر فرض کئے گئے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ گنتی کے (چند) دن ہیں ان میں بھی تم میں سے جو بیمار ہو یا سفر میں ہو۔ تو اتنے روزے اور دنوں رکھ لے اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا پھر جو اپنی طرف سے نیکی زیادہ کریں تو وہ اس کے لئے بہتر، اور روزہ رکھنا تمہارے لئے اچھا ہے اگر تم جانتے ہو رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن اترا جو لوگوں کے لئے بذات خود رہنمائی ہے اور جو فیصلہ کی روشن باتیں، پس تم میں جو بھی یہ مہنہ پائے اس میں روزہ رکھے۔

کھانے، پینے، سونے، جاگنے، ازدواجی و تمدنی و معاشرتی آداب دوسری کتابوں میں مطالعہ کریں۔ یہاں تربیت نفس، درستی اخلاق اور ارتقاء روحانی کی وہ ترکیب و کمال انسانیت کے درجہ تک پہنچائے اس تدبیر کا نام اصلاح قانون اسلام میں صوم، روزہ ہے، اور اس کی غرض و غایت یہ کہ نقطہ اعدال، انسانیت سے دور رکھنے والے جس قدر جراثیم ہیں وہ ہلاک ہوجائیں اور اس تدبیر کو عمل میں لانے والے اخلاقی و روحانی امراض سے بچ جائیں۔ قرآن میں آیا۔

لعلکم تتقون۔ تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

یعنی ہر اس بات سے محفوظ ہوجاؤ جو تمہیں نقصان پہنچانے والی ہے۔

قبلہ ہے مرا نقش کف پائے محمدؐ

ہر صبح ہے نور رخ زیبائے محمدؐ   ہر شام ہے گیسوئے دل آرائے محمدؐ
محشر سے ڈرے کیوں کوئی شیدائے محمدؐ   محشر تو ہے اک جلوہ فردائے محمدؐ
جچتی نہیں نظروں میں دو عالم کی تجلی   ہے جب سے تصور میں سراپائے محمدؐ
آئینہ میں خود آئینہ گر بول رہا ہے   جو حکم خدا ہے وہی منشائے محمدؐ
انسان کو اگر تربیت فکر و نظر ہو   پھیلی ہوئی ہر سمت ہے دنیائے محمدؐ
فرش گل و لالہ سے کواکب کے جہاں تک   تخلیق دو عالم ہے تقاضائے محمدؐ
کانٹے مرے تلووں کیلئے لالہ و گل ہیں   گلشن ہے مرے واسطے صحرائے محمدؐ
سینے کے ہر اک داغ نے لو دی ہے اچانک   خاموش عزیزو مجھے یاد آئے محمدؐ
کب سے در اقدس کو ہیں بیتاب نگاہیں   کب سے مرے دل میں ہے تمنائے محمدؐ
رقصاں و غزلخواں مری تقدیس جنوں ہے   ہر سر کو میسر نہیں سودائے محمدؐ

دانش مری آدابِ محبت پہ نظر ہے
قبلہ ہے مرا نقشِ کفِ پائے محمدؐ

احسان دانش

وحی عظیم عطیہ الٰہی ہے

مولانا محمد صدیق ہزاروی

لفظ وحی مصدر ہے جس کا معنیٰ "الاعلام فی خفاء"

خفیہ طور پر کسی بات کی خبر دینا ہے بنا بریں لغوی اعتبار سے لفظ وحی مندرجہ ذیل معانی پر بولا جاتا ہے۔

1۔ اشارہ

2۔ کتابت

3۔ رسالت

4۔ الہام

5۔ کلامِ خفی

کہا جاتا ہے "وحت لک بخبر کذا"

میں نے تمہیں فلاں بات کی طرف اشارہ کیا حضرت حارث اعور کی حدیث میں ہے انہوں نے حضرت علقمہ سے فرمایا "پڑھنا آسان ہے اور لکھنا اس سے بھی مشکل ہے" یہاں قرآن کا معنی پڑھنا اور وحی کا معنی لکھنا ہے۔ کہا جاتا ہے "وحیت الیہ الکلام" (تاج العروس ج10 ص285) میں نے اس سے پوشیدہ طور پر بات کی۔ یہاں وحی پوشیدہ کلام کے معنی میں ہے۔ اصطلاح شرع میں وحی سے مراد وہ علوم و احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کرام علیہم السلام کو عطا ہوتے ہیں۔ وحی کے بنیادی معنی "الاعلام فی خفاء" کی جھلک وحی اصطلاحی میں بھی نظر آتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو احکام و علوم انبیاء کرام کو عطا ہوتے ہیں وہ بھی عام لوگوں سے مخفی طور پر دیئے جاتے ہیں۔ پھر انبیاء کرام کے ذریعے وہ احکام و علوم لوگوں تک پہنچتے ہیں۔

پہلی وحی کا نزول غارِ حرا میں ہوا

قرآن پاک میں لفظ وحی مختلف افعال (مثلاً ماضی مضارع وغیرہا) کے ساتھ اٹھتر 78 بار آیا ہے۔ بعض جگہ لغوی معانی اور بعض مقامات پر اصطلاحی معنی کا اظہار ہوا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:۔

واَوحیٰ ربک الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا و من الشجر و مما یعرشون (16 تا 68)

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالی کہ پہاڑوں اور درختوں میں اپنے چھتے بناؤ اور ان چھپروں میں جو لوگ بناتے ہیں۔

یہاں لفظ وحی الہام کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ سورۃ زلزال میں ہے:۔

"یومئذ تحدث اخبارہا. بان ربک اوحیٰ لہا" (5,99)

"جس دن زمین انہیں خبریں دے گی کیونکہ اس کے رب نے اسے اسی بات کا حکم دیا ہے"

یہاں لفظ وحی سے مراد خفیہ طور پر بات بتانا اور حکم دینا ہے حضرت زکریا علیہ السلام کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے:۔

"فخرج علیٰ قومہ من المحراب فاوحیٰ الیہم ان سبحو بکرۃ وعشیا" (11,19)

"وہ حضرت زکریا علیہ السلام اپنے عبادت خانے سے باہر قوم کے پاس آئے تو انہیں اشارہ کیا کہ صبح و شام اس (اللہ تعالیٰ) کی تسبیح بیان کرو۔"

یہاں لفظ وحی اشارے کے معنی میں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

جب فرعون کے گھر میں کسی عورت کا دودھ نہ پیا تو آپ کی والدہ کو الہام ہوا کہ اپنے لختِ جگر کو دودھ پلائیں یہاں بھی قرآن پاک میں لفظ وحی استعمال کیا گیا ہے۔

"واوحینا الیٰ ام موسیٰ ان ارضعیہ" (7،28)

اور ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ ان کو دودھ پلائیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں (ساتھیوں اور ماننے والوں) کے دل میں ڈالا گیا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں۔ ارشاد باری ہے:۔

"واذا وحیت الیٰ الحواریین ان امنوبی و برسولی (5،111)

"اور جب میں نے حواریوں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ مجھ پر اور میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ"

قرآن مجید میں مذکور متعدد مثالوں میں سے چند پر اکتفاء کرتے ہوئے وحی

وحی کے ذریعے صراطِ مستقیم پر گامزن ہوتے ہیں

کے اس معنی کی طرف آتے ہیں۔ جو کائنات انسانیت ہی کے لیے نہیں، تمام مخلوق خدا کے لیے رحمت و برکت کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے اور وہ اصطلاحی، شرعی وحی ہے۔ قرآن پاک میں اس وحی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت قرار دیا گیا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:۔

واللہ یختص برحمتہ من یشاء (2،105)

"اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے۔"

یہاں رحمت سے مراد وحی ہے۔

بئسما اشتروا بہ انفسہم ان یکفروا بما انزل اللہ بغیا ان ینزل اللہ من فضلہ علیٰ من یشاء (2، 90) کیا ہی بری چیز جس کے بدلے انہوں نے اپنے نفسوں کو بیچا حسد کرتے ہوئے یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل جس پر چاہے اتارے۔

یہاں وحی کو اللہ تعالیٰ کا فضل قرار دیا گیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وحی، اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت کیوں ہے؟ اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لئے ہمیں بطور تمہید اس بات کو جاننا ہوگا کہ وحی، علم کا ذریعہ ہے اور اسباب علم میں اس کا مقصد نہایت ارفع و اعلیٰ ہے۔

حصول علم کے تین اسباب ہیں۔

(1) حواس خمسہ

(2) عقل

(3) خبر

بعض اشیاء کا علم حواس خمسہ مثلاً کان، ناک، زبان آنکھ اور ہاتھ سے حاصل ہوتا ہے جبکہ بعض دوسرے امور کا علم عقل کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے لیکن ایک مقام

پر علم کے یہ دونوں سبب عاجز آجاتے ہیں۔

وہاں خبر کے ذریعے علم حاصل کیا جاتا ہے پھر خبر کی بھی دو قسمیں ہیں ایک خبر وہ ہے جو تاریخ کے ذریعے حاصل ہوتی ہے مثلاً گذشتہ زمانے اور سلاطین کے حالات کا علم تاریخ کے ذریعے حاصل ہوتا ہے جبکہ دوسری قسم میں وہ خبر پائی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول مکرم کے ذریعے حاصل ہوتی ہے اور اس کو وحی کہتے ہیں۔ خبر رسول (وحی) کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ حلال وحرام، جائز وناجائز اور مفید ومضر کے بارے ہمارے حواس وعقل جس منزل پر عاجز آجاتے ہیں وہاں وحی ہماری راہنمائی کرتی ہے بلکہ بعض اوقات عقل ہمیں کسی غلط راستے پر ڈال دیتی ہے اور وحی کے ذریعے ہم صراط مستقیم پر گامزن ہوتے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے۔ عسیٰ ان تحبوا شیئاً وھو شرلکم واللہ یعلم وانتم لاتعلمون۔ (2،126)

وحی سے مُراد وُہ علوم ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کرام کو عطا ہوتے ہیں

"قریب ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لئے بری ہو اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے"

گویا ہم اپنی سمجھ اور عقل کے مطابق کسی چیز کو اچھا سمجھ کر استعمال کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ ہمارے لئے مضر ہوتی ہے تو ایسے مقام پر اللہ کا حکم ہے کہ جو وحی کے ذریعے ہم تک پہنچتا ہے ہمیں بتاتا ہے کہ جو چیز تمہارے لئے مضر ہے اس کی مثال یوں سمجھیے کہ انسان میٹھی چیز پسند کرتا ہے لیکن ڈاکٹر جو صاحب علم ہے بتاتا ہے کہ یہ نقصان دہ ہے اور کڑوی دوا جسے مریض پسند نہیں کرتا معالج اسے مریض کے لئے مفید سمجھتے ہوئے اس کو استعمال کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

پانی اور پیشاب بظاہر ایک جیسا سیال مادہ ہے اور انسان محض حواس خمسہ یا عقل کی بنیاد پر ان کے درمیان امتیاز نہیں کرسکتا لیکن وحی کے ذریعے اسے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کون سی چیز طاہر ومفید ہے اور کونسی ناپاک ومضر اور یہی وجہ ہے، کہ بعض لوگ جو بظاہر اپنی قوم کے نہایت زیرک وعقلمند افراد شمار ہوتے ہیں وحی کی برکات سے محرومی کے باعث پیشاب جیسی نجس چیز کو بھی پی جاتے ہیں۔

اس گفتگو سے واضح ہوگیا کہ علم جو انسان کی بنیادی ضرورت اور عظمت و رفعت کا باعث ہے، وحی اس کی اعلیٰ صورت ہے لہذا اس حوالے سے وحی کی ضرورت اور اہمیت دونوں باتیں اظہر من الشمس ہوگئیں سرکار دوعالم سے پہلے بھی انبیاء کرام پر وحی نازل ہوتی رہی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ واوحینا الی ابرھیم واسماعیل واسحٰق و یعقوب والاسباط وعیسیٰ وایوب ویونس وھارون وسلیمان وآتینا داؤد زبوراً (4،163)

"(اے محبوب) بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جیسے ہم نے نوح اور ان کے بعد دوسرے نبیوں کی طرف وحی فرمائی اور ہم نے وحی فرمائی ابرہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں کی طرف سے عیسیٰ اور ایوب اور ہارون اور سلمان کی طرف سے اور ہم نے داؤد کو زبور دی (علیہم السلام)

رسول اکرم پر وحی کی ابتداء کیسے ہوئی اس سلسلے میں حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے

فرماتی ہیں:۔ رسول اکرم پر وحی کی ابتداء جس چیز سے ہوتی وہ نیند کی حالت میں سچے خواب تھے۔

"آپ کوئی خواب نہ دیکھتے مگر وہ صبح کے ظہور کی طرح ظاہر ہوجاتی پھر حضور خلوت پسند ہوگئے تو غار حراء میں خلوت اختیار فرماتے آپ راتیں عبادت کرتے یعنی گھر لوٹنے سے پہلے چند راتیں عبادت کرتے (یہی تحنث ہے) آپ اسکے لئے توشہ لے جاتے پھر حضرت خدیجہ کی طرف لوٹتے اور اتنی ہی راتوں کے لئے توشہ لے جاتے تھے حتی کہ آپ پر حق آیا جبکہ آپ غار حرا میں تھے آپ کے پاس فرشتہ آیا اس نے عرض کیا پڑھیے (یہ طویل حدیث ہے)

اس حدیث کی روشنی میں واضح ہوا کہ سرکار دوعالم پر وحی کا آغاز سچی خوابوں کی صورت میں ہوا پھر آپ کو خلوت پسند بنایا گیا حتی کہ اسی حالت میں (غار حرا میں پہلی وحی لے کر حضرت جبریل حاضر ہوئے۔

سرکار دوعالم پر وحی کا نزول تیئس سال کا عرصہ جاری رہا اور حسب ضرورت احکام نازل ہوتے رہے تدریجی نزول کی حکمت کیا تھی اس بات کیطرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔

فکان المشرکون اذا احدثوا شیئاً احدث اللہ لھم جواباً۔ (الاتقان اول ص 40)

"مشرکین جب کوئی نئی بات نکالتے تو اللہ ان کا جواب ظاہر فرماتا"

جہاں حواس و عقل عاجز آ جاتے ہیں وہاں وحی ہماری رہنمائی کرتی ہے

اس کی دوسری وجہ خود قرآن پاک میں یوں بیان ہوئی ہے۔

وقال الذین کفروا لولا نزل علیہ القرآن جملۃ واحدۃ کذلک لنثبت بہ فؤادک ورتلنٰہ ترتیلا ولا یأتونک بمثل الا جئنٰک بالحق واحسن تفسیرا۔ (25،32)

کافر کہنے لگے ان پر قرآن پاک ایک ساتھ کیوں نہ اترا، ہم نے یوں ہی بتدریج اسے اتارا ہے تاکہ اس سے تمہارا دل مضبوط کریں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا اور وہ کوئی کہاوت تمہارے پاس نہ لائیں گے ہم حق اور اس سے بہتر بیان لے آئیں گے۔

اس کے علاوہ اس طرح کے نزول سے سرکار دوعالم کی ذات گرامی کے ساتھ ربانی عنایت واہتمام کا مزید ظہور اور تعلق کی گہرائی بھی مقصود تھی۔

وحی کا نزول کن کن صورتوں میں ہوتا تھا اس سلسلے میں امام راغب رحمہ

اللہ نے چار سورتیں بیان فرمائی ہیں فرماتے ہیں۔

" اللہ تعالیٰ کا وہ حکم جو انبیاء کرام اور اولیا عظام کی طرف ڈالا جاتا ہے اسے وحی کہا جاتا ہے یہ یا تو پیغام رساں (فرشتہ) کے ذریعے ہوتا ہے جسے دیکھا جاتا اور اس کا کلام سنا جاتا ہے جیسے حضرت جبریل علیہ السلام کا ایک ایک مخصوص صورت میں آ کر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا یا کلام سنانا یا دل میں کوئی بات ڈالنا جیسا کہ حدیث جبریل میں ہے کہ انہوں نے دل میں ڈالا یا الہام کے ذریعے جیسے (ارشاد خداوندی ہے) ہم نے حضرت موسیٰ علیہ اسلام کی والدہ کے دل میں ڈالا یا مسخر کرنے سے جیسے تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو حکم دیا یا خواب کے ذریعے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے وحی ختم ہو گئی اور مبشرات یعنی مومن کی اچھی خوابیں باقی ہیں۔

اس (مندرجہ بالا) عبارت میں وحی کے لغوی اور اصطلاحی دونوں معانی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ انبیاء کرام و اولیا عظام بلکہ شہد کی مکھی وغیرہ کا بھی ذکر کیا گیا جو لغوی معنی کے اعتبار سے وحی کہلاتی ہے لیکن حقیقی وحی وہی ہے جو انبیاء کرام کی طرف ہوتی ہے۔ اس وحی کی ایک صورت یہ ہے کہ فرشتہ آتا ہے جس طرح حضرت جبریل علیہ السلام مختلف صورتوں میں حاضر ہوتے رہے اور صحابہ کرام نے ان کی زیارت بھی کی، بعض اوقات فرشتے کے واسطے کے بغیر اللہ تعالیٰ کے احکام نازل ہوتے ہیں سرکار اور دو عالم پر بعض اوقات وحی گھنٹی کی آواز میں بھی آتی تھی اسے "صلصلۃ الجرس" کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کی مثال آج کے دور میں ٹیلی پرنٹر سے دی جا سکتی ہے تار دینے والا شخص تار آفس سے محض ایک مشین کو حرکت دیتا ہے اور دوسرے مقام پر وہ مفہوم جو ٹیلی پروگرام دینے والے کا مقصود ہے سامنے آجاتا ہے اس ٹک ٹک کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا

وحی کی دو قسمیں ہیں۔

(1) وحی متلو ---------- وہ وحی جس کی تلاوت کی جاتی ہے اسے وحی جلی بھی کہتے ہیں یعنی قرآن پاک

(2) وحی غیر متلو وہ وحی جس کی تلاوت نہیں کی جاتی اسے وحی خفی بھی کہتے ہیں یعنی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

" وحی متلو یا وحی جلی میں اللہ تعالیٰ کا کلام اور اسی کے الفاظ میں لوگوں تک پہنچایا جاتا ہے جبکہ وحی غیر میں اللہ کا کلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں لوگوں تک پہنچایا جاتا ہے قرآن پاک میں وحی خفی (حدیث شریف کی شرعی حیثیت کو یوں واضح کیا گیا ہے)

ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا۔ (7,59)

" رسول تمہیں جس بات کا حکم دیں اسے اختیار کرو اور جس بات سے روکیں اس سے باز رہو"

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔

" آپ اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے بلکہ وہی بات کرتے ہیں جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے"

حدیث شریف کے وحی ہونے اور اس کی قانونی حیثیت کی طرف ایک آیت میں یوں اشارہ کیا گیا۔

ویحل لھم الطیبات۔ یحرم علیھم الخبائث۔ (157,7)

" رسول اکرم ان کے لئے پاک چیزوں کو حلال کرتے اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں"

حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت اس بات کو مزید تقویت دیت ہے وہ فرماتے ہیں رسول اکرم سے جو کچھ سنتا اسے محفوظ کرنے کے لئے لکھ لیتا تھا صحابہ کرام نے مجھ سے کہا کہ تم جو کچھ سنتے ہو لکھ لیتے ہو سرکار دو عالم کبھی غصے اور خوشی کی حالت میں ہوتے ہیں وہ فرماتے ہیں لکھنے سے رک گیا اور پھر حاضر ہو کر ماجرا عرض کیا تو سرکار دو عالم نے فرمایا۔

اکتب فوالذی نفسی بیدہ ما یخرج منہ الا حق ۔ (سنن ابی داؤد ص 514) فکر بنا

" لکھ لیا کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس دہن مبارک سے حق ہی برآمد ہوتا ہے۔ ●

قرآن اور تزکیۂ نفس

مفکرِ اسلام
پروفیسر شاہ فرید الحق،

قرآن انسان کی کلی بہتری کے لیے نسخۂ کیمیا ہے۔ ایک طرف وہ انسان کو روحانی غذا مہیا کر کے اس کے قلب کو جلا اور صفائی بخشتا ہے۔ تو دوسری طرف انسان کی جسمانی اور مادی ضروریات کو پیشِ نظر رکھ کر ہدایات جاری کرتا ہے تاکہ انسانی فطرت کے مطابق خالق کائنات کے بتائے ہوئے اصولوں کے تحت انسان فلاح و کامرانی کی منزل حاصل کر سکے۔

اوپر سے چہرے اور کپڑے کی صفائی کمال نہیں ہے۔ جب تک اندر سے قلب و روح کی صفائی نہ ہو۔ انسان کے اعمال و اقوال کا تعلق اس کی روحانی تربیت سے ہے۔ جتنی ہی زیادہ روح کو پاکیزگی حاصل ہوگی۔ اسی نسبت سے اعمال و اقول کی پاکیزگی کا مظاہرہ ہوگا۔ اسی لیے اسلام نے سب سے پہلے اس بات پر زور دیا ہے کہ قلب و روح کی صفائی کا پہلے التزام کیا جائے اعمال و اقوال خود بخود درست ہو جائیں گے۔

نفس انسانی کا تعلق دل سے ہے۔ اگرچہ یہ ایک چھوٹا سا گوشت کا ٹکڑا ہے لیکن تمام جسم انسانی پر اس کی حکمرانی ہے۔ حضورؐ کے ارشاد کے مطابق جسم انسانی میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ ٹھیک رہتا ہے تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے اور جب وہ بگڑتا ہے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔

نفس انسانی کا تعلق قلب سے ہے اس لیے تزکیہ نفس پر زور دیا گیا ہے۔ نفس انسانی عموماً برائی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ جسے نفس امارہ کہتے ہیں۔ اسی نفس کی اگر باقاعدہ تربیت کی جائے تو یہی نفس لوامہ اور بعد میں نفس مطمئنہ بن جاتا ہے۔ نفس لوامہ ایسا نفس ہے اگر برائی سرزد ہو جائے تو نفس کی ملامت کرتا رہے اور افسوس کرتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟، نفس مطمئنہ اس کو حاصل ہوتا ہے جس کو مکمل تزکیہ ہو جائے اور نفس نیکیوں ہی کی طرف مائل رہے ایسا جی بالکل مطمئن ہوتا ہے۔

حضورؐ نفس امارہ کی تربیت اور تزکیہ کے لیے تشریف لائے اور اخلاق عظیم پر فائز کیے گئے۔ باوجود اس کے کہ آپ بشریت اور انسانیت کے اعلیٰ معیار پر فائز تھے لیکن انسانوں کے سامنے اپنے عمل سے تزکیہ نفس کی مثال پیش کی۔ عبادت الٰہی میں غرق رہنا، غارِ حرا میں غور و فکر اور یادِ الٰہی میں زیادہ وقت گزارنا۔ ہمہ وقت تسبیح اور تحمید باری کرنا۔ نیکی کے کاموں میں سبقت کرنا، رحمت عامہ اور شفقت عامہ کا مظاہرہ کرنا، مظلوموں کی امداد، دکھی کی فریاد سننا، کسی پاکیزہ نفس ہی کی خصوصیات ہو سکتی ہیں اور انسانوں کے لیے عملی نمونہ۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام اور کام کی وضاحت کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

"لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیہم رسولاً منہم یتلوا علیہم آیتہ و یزکیہم و یعلمہم الکتاب والحکمۃ وان کانو من قبل لفی ضلل مبین ○"

تحقیق بے شک اللہ نے مسلمانوں پر یہ بڑا احسان کیا کہ انہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔ جو ان پر آیاتِ قرآنی کی تلاوت کرتا ہے اور انہیں رذائل اور خبث باطنی سے پاک و صاف کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے تم سب کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا تزکیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہیں۔ اس لیے تزکیہ نفس کے لیے وہی راستے اختیار کرنے ہونگے جو خود حضورؐ نے بتائے ہیں۔

اللہ کی عبادت اور ذکر و فکر سے نفس کو پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ نفسانی خواہشات پر قابو پانا اور برائی سے بچنا اور نیکی پر عمل پیرا ہونا تربیت نفس کے لیے ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنا احسان جتایا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں پر اللہ کا بڑا عظیم احسان ہے۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کمالِ قدرت کا اظہار فرمایا ہے، ارشادِ باری ہے:

" ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منہم یتلو علیہم ایتہ و یزکیہم و یعلمہم الکتاب و الحکمۃ وان کانو من قبل لفی ضلل مبین○"

کتنی عظیم ذات ہے جس نے ان پڑھوں میں اپنا رسول انہیں میں سے مبعوث فرما دیا جو ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک و صاف کرتا ہے اور کتاب و حکمت کا علم سکھاتا ہے۔ جب کہ اس سے قبل وہ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

خدا کی قدرت اور کمال یہ ہے کہ عرب کے ان پڑھوں، تہذیب و تمدن سے ناآشنا نفس امارہ کے پجاریوں میں ایک ایسی شخصیت کو ظاہر فرما دیا کہ وہ خود تو اعلیٰ اور پاکیزہ مقام پر فائز ہے دوسروں کو بھی علم و حکمت سے نواز رہا ہے اور ان کی اخلاقی اور روحانی صفائی کر رہا ہے۔

قرآن حکیم میں نفس ذکیہ کو کامیاب اور بامراد بتایا گیا ہے، فرمایا جاتا ہے:

"قد افلح من زکھا وقد خاب من دساھا"

جس نے اپنے نفس کو خصائص رذیلہ سے پاک کیا وہی کامیاب اور بامراد ہوا اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ خسارے میں رہا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نفس کو پاک صاف رکھنا ایمان کی علامت ہے۔ کوشش کرنا اور نیکی کی طرف رغبت پیدا کرنا انسان کا کام ہے۔ رہا کامیابی یا ناکامی یہ اللہ کی توفیق پر منحصر ہے۔ اس لیے حضورؐ یہ دعا کیا کرتے تھے۔

امام احمد مسلم اور نسائی نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگا کرتے تھے کہ "اے اللہ میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا کر اور اس کو پاکیزہ کر، تو ہی وہ بہتر ہستی ہے جو اسے پاکیزہ کرے، تو ہی اس کا سرپرست اور مولا ہے۔"

نفس کی خواہشات پر قابو بہت بڑا جہاد ہے۔ جو اس میں کامیاب ہوا وہ جنت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ ارشادِ باری ہے:

"ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ہی الماویٰ"

"اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے"

حضورؐ جب ایک جنگ سے واپس ہوئے تو فرمایا کہ ہم چھوٹے جہاد سے

بڑھ کر جہاد کی طرف آئے ہیں۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے عرض کیا حضورؐ جنگ سے بھی بڑا کوئی جہاد ہے آپؐ نے فرمایا "جہادِ نفس بڑا جہاد ہے"

تزکیہ نفس کے لیے کیا صورت اختیار کی جائے؟ اس کی بہتری کی تدبیر یہی ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے احکام و ارشاد کی تعمیل و تکمیل میں زندگی گزار دی جائے۔ قرآن نے حسنِ اخلاق کی جو اعلیٰ تعلیم دی ہے۔ اس سے بڑھ کر کسی صحیفۂ آسمانی میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

نفس کی پاکیزگی اعمال کی پاکیزگی کی دلیل ہوتی ہے۔ سب سے پہلے تو اس بات کا حکم دیا گیا کہ دنیا کی تمام طاقتوں سے منہ موڑ کر ایک خالص اللہ کی طرف ہو جاؤ اور صرف اسی کی عبادت کرو۔ اسی کے ذکر اور اسی میں فکر سے نفس پاکیزگی کی طرف مائل ہوگا۔ اس کے بعد قرآنِ حکیم نے چند اخلاقی احکامات دیئے جن پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت کی گئی۔ مثلاً والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا گیا۔ اللہ کی عبادت کے بعد والدین کی اہمیت کو واضح کیا گیا۔ رشتہ داروں، غریبوں اور مسافروں کو ان کا حق دینے کی ہدایت کی گئی۔ دولت کے بے جا اسراف اور بخل سے روکا گیا۔

افلاس کے خوف سے اولاد کے قتل سے منع کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ سب کو رزق بہم پہنچانے والا اللہ ہی ہے۔ زنا، چوری، غیبت، جھوٹ، چغلی، عیب جوئی، الزام تراشی سے رک جانے کی ہدایت کی گئی۔ عہد کو پورا کرنے اور ناپ و تول میں کمی نہ کرنے کی تلقین کی گئی۔ تکبر اور جاہ پسندی کو انتہائی مذموم فعل بتایا۔ اس طرح نفس کی برائی کے تمام راستے مسدود کر دیئے گئے تاکہ نفس پاکیزگی حاصل کر سکے۔

تزکیہ نفس کے لیے سب سے بہتر راستہ یہ بتایا گیا ہے کہ نیک اور اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے۔ تصوف کا سلسلہ بھی اس سے متعلق ہے۔ لوگ بزرگانِ دین، متبع سنت اور پرہیزگار افراد کی صحبت اپنے نفس کے تزکیہ کے لیے اختیار کرتے ہیں۔ مجاہدہ اور ریاضت کے ذریعہ نفس پر قابو پانے کی مسلسل جدوجہد کرتے ہیں۔ دوسرے مذاہب میں تزکیہ نفس کے لیے تارک الدنیا ہونے اور رہبانیت اختیار کرنے کا درس کیا گیا ہے۔ اسلام رہبانیت کے خلاف ہے چونکہ یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اس لیے روحانی ترقی کے ساتھ ساتھ وہ جسمانی اور مادی ترقی بھی چاہتا ہے۔ کمال یہ نہیں ہے کہ معاشرہ سے الگ تھلگ رہ کر نفس کا تزکیہ کیا جائے بلکہ معاشرتی زندگی میں رہتے ہوئے تمام تعلقات کے ساتھ انسان کا نیک سرشت اور پاکیزہ ہونا انسانیت کی معراج ہے۔ اور یہی قرآن کی تعلیم ہے۔

بہرحال عبادت و ریاضت حضورؐ کی مکمل اتباع حسنِ خلق، پرہیزگار اور نیک لوگوں کی صحبت، حلال روزی کی جدوجہد اور حصول، نیکی پھیلانا اور برائی سے روکنا، انسان کے نفس کو پاکیزہ کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نیک اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ریاضیاتی معجزے اور قرآن مجید

محمد اکرم ضیاء چوہدری

1- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں حروف تہجی کے 19 حروف استعمال ہوئے ہیں اور چار الفاظ ہیں۔

اسم، اللہ، الرحمٰن اور الرحیم

یہ چاروں الفاظ قرآن مجید میں اس ترتیب اور تعداد سے آئے ہیں۔ اسم، 19 مرتبہ۔ 19 پر پورا تقسیم ہوتا ہے۔

اللہ، 2698 مرتبہ۔ 19 پر تقسیم کریں تو 142 آتا ہے۔

الرحمٰن، 57 مرتبہ۔ 57÷19=3 آتا ہے۔

الرحیم، 114 مرتبہ۔ 114÷19=4 آتا ہے۔

2- قرآن مجید میں دنیا اور آخرت کا تعلق اس طرح ظاہر کیا گیا ہے۔ دنیا کا لفظ 115 مرتبہ اور آخرت کا لفظ بھی 115 مرتبہ آتا ہے۔

3- زندگی اور موت کے تعلق کو ظاہر کرنے کے لیے موت کا لفظ 145 مرتبہ اور حیات کا لفظ بھی 145 مرتبہ آتا ہے۔

4- کفر اور ایمان کے الفاظ 25، 25 مرتبہ آئے ہیں۔

5- لفظ شہر مہینے کے معنی میں 12 مرتبہ آیا ہے اور سال میں 12 مہینے ہوتے ہیں۔

6- یوم کا لفظ 365 مرتبہ اور سال میں 365 دن ہوتے ہیں۔

7- قرآن پاک کی کل آیات 6666 ہیں۔

قرآن اور آسمان

غزالیٔ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رح

تخلیقِ انسانی کا وہ مقصدِ عظیم جس کی تکمیل کے لیے فطرتِ انسانی عقلِ سلیم کی روشنی میں بے تاب نظر آتی ہے۔ صرف معرفتِ الٰہی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون خازن میں ہے۔ وقیل معناہ الا لیعرفون وھوا حسن لانہ اسی لیے ارشاد فرمایا الا بذکر اللہ تطمئن القلوب اور یہی وجہ ہے کہ ہر فرد انسان 206 کسی نہ کسی رنگ میں ہستیٔ باری تعالیٰ کو تسلیم کرتا ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اس کو تسلیم کرنا عقلِ سلیم کی روشنی میں شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ لیکن اس میں شک نہیں کہ اصنام و حجار بحار و اشجار خاک و تار شمس و قمر ماؤ مطر کو الٰہ ماننے۔ اے زبان والے حال سے پکار رہے ہیں کہ ہم بھی الٰہ حق کی تلاش میں حیران و سرگردان ہیں۔ یہ ہماری بد نصیبی اور محروم القسمتی ہے کہ ہم نے غیر الٰہ کو الٰہ سمجھا۔ عابد کو معبود اور ساجد کو مسجود جانا لیکن ان مظاہرِ کائنات کی پرستش ہماری فطرت کے تقاضے کا پتہ دے رہی ہے۔ کہ ہم بھی ہستی معبود کے مقربین حتیٰ کہ دہریہ نے بھی دہر کو مؤثر حقیقی مان کر تسلیم کر لیا کہ مؤثر کے بغیر اثر ناممکن ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ

دہری نے کیا دہرے سے تجھ کو تعبیر
انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

اور یہ امر بھی ظاہر ہے کہ معرفت الٰہیہ ہی ایسی چیز ہے جس کے دامن سے سعادتِ دارین فلاح کونین راحتِ ابدی اور نجات حقیقی وابستہ ہیں۔ جس کے لوازمات سے تخلی عن الرذائل اور تجلی بالفضائل ہے۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ "اسلام" جو اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا دین ہے اور قرآن جو اسی خالقِ حقیقی کا کلام بلاغتِ نظام ہے۔ وہ عامتہ الناس کے لیے وضاحت کے ساتھ انہی مسائل کو بیان کرتا ہے جس سے اس کے مقصد تخلیق اور اس کے لوازمات اور مناسبات کا تعلق ہے۔ اگر عوام کے حق میں آپ دین کے ہر گوشے اور قرآن کے ہر بیان پر گہری نظر ڈالیں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ جن مسائل و مضامین کا تعلق اس مقصد عظیم سے نہیں یا جن چیزوں میں الجھ کر اس کے اپنے مقصود حقیقی کے دور ہو جانے کا اندیشہ ہو قرآن اور اسلام نے ان کو ایسے مضامین کے ساتھ مخاطب نہیں فرمایا۔ نہ انہیں بنیادی حیثیت دی۔ البتہ خواص کے لیے ایسے اشارات رکھ دیئے جن کی روشنی میں ان کے لیے وہ تمام علوم و حکم اور مسائل و مضامین واضح اور روشن ہیں۔ جو عوام کے حق میں بجائے مفید ثابت ہونے کے مضر ہو سکتے ہیں۔ زمین و آسمان و دیگر مصنوعاتِ کائنات میں اللہ تعالیٰ نے جس تفکر کی دعوت دی ہے وہ صرف ایسے طریقے سے ہے جس کا تعلق معرفتِ الٰہیہ سے ہو۔ اس کے علاوہ تفکر کے دوسرے طریقے جو معرفت الٰہی کا ذریعہ نہیں بلکہ بسا اوقات گمراہی کا سبب ہو سکتے ہیں۔ قرآن نے پیش نہیں کیے، کسی چیز میں تین طرح تفکر ہو سکتا ہے:۔

1۔ یہ چیز اصل حقیقت میں کیا ہے؟
2۔ اپنے اوصاف میں کیسی ہے؟
3۔ اس کا فائدہ کیا ہے؟

پہلی صورت کم علم عوام کے لیے گمراہی کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لیے اس طرز تفکر سے عوام کو بچایا گیا۔

ارشاد ہوتا ہے:

ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا ○ " یعنی معرفت روح کے بارے میں الروح من امر ربی سے آگے تفکر نہ کرو کیونکہ تم استطاعت نہیں رکھتے۔ دوسری صورت کا تعلق جس جگہ معرفتِ الٰہیہ سے ظاہر و باہر ہو۔ وہاں وہ اندازِ فکر شرعاً مطلوب و محمود ہے۔

قال اللہ تعالیٰ۔ فلا ینظرون الی الابل کیف خلقت والی الجبال کیف نصبت والی الارض کیف سطحت تیسری صورت کا بھی یہی حال ہے کہ اگر وہ طریقہ تفکر معرفت ایزدی کا ذریعہ ہو تو عنداللہ مطلوب و مرغوب ہے ورنہ مذموم و مبغوضِ قرآن کریم میں ہے ویسئلونک عن الاھلہ قل ھی مواقیت للناس والحج۔ چاند کے گھٹنے بڑھنے کا فائدہ اوقات، عبادات کا معلوم ہونا ہے۔ اگر اس انداز سے اس میں تفکر واقع ہو تو بلاشک مطلوب و محمود ہے۔ مصنوعات عالم میں قرآن کریم نے جو دعوتِ تفکر دی ہے۔ اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ان فی خلق السمٰوت والارض واختلاف الیل والنہار والفلک والتی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیا بہ الارض بعد موتھا وبث فیھا من کل دابۃ و تصریف الریاحِ والسحاب المسخر بین السماء والارض لاٰیت لقوم یعقلون۔

نیز ارشاد فرمایا:

" ویتفکرون فی خلق السمٰوت والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا سبحانک فقنا عذاب النار"

ان آیات سے معلوم ہوا ہے کہ قران نے ہمیں اس حیثیت سے تفکر کی دعوت دی ہے کہ اس تفکر سے ہمیں معرفت الٰہیہ کا فائدہ حاصل ہو اور ہم سمجھیں کہ ہر شے کا حقیقی فائدہ یہ ہے کہ وہ وسیلۂ معرفت خداوندی ہو۔ اس کے برخلاف جاہلیت کا نظریہ رکھنے والے مادہ پرست جو اندازِ فکر اختیار کرتے ہیں۔ وہ عموماً پہلی قسم کا ہوتا ہے اور وہ تفکر فی الماہیت ہے۔ یعنی اس بات کو سوچنا کہ اس چیز کی حقیقت کیا ہے؟ اس انداز فکر سے یہ تو ممکن ہے کہ مصنوعات عالم کے بعض دنیوی اور عارضی فوائد حاصل ہو جائیں لیکن یہ ناممکن ہے کہ غور و فکر کا یہ طریقہ ان کے لیے معرفتِ الٰہی کا ذریعہ اور سعادت دنیوی اور نجات اخروی کا وسیلہ ہو سکے۔ مختصر یہ کہ اسلام نے ایک طرف تو ہمیں گمراہ کن انداز فکر سے بچایا اور دوسری طرف ہمارے لیے ان مسائل کی وضاحت پر اکتفاء کیا۔ جن کا تعلق معرفت خداوندی، سعادت ابدی اور نجات اخروی سے تھا۔ چاند، سورج، ستاروں اور آسمانوں کے مسائل بھی اسی قسم کے ہیں۔ قرآن مجید نے ان کے موجود اور محسوس و مشاہدہ حالات و کیفیات کو دلائل قدرت و براہین معرفت سے شمار کیا اور صرف اسی حیثیت سے ان میں تفکر کی دعوت دی ہے۔ ان کی حقیقت و ماہیت میں سوچ بچار اور ان کے احوال و تغیرات کے اسباب و علل کی چھان بین چونکہ انسان کے مقصد تخلیق سے بہت دور تھی۔ اور اس کے عارضی فوائد کے مقابلے میں گمراہی کے خطرات بہت زیادہ اور شدید تھے۔ اس لیے قرآن مجید نے عامتہ الناس کے لیے ان کی وضاحت سے پہلو تہی کی اور ان کے بیان میں وہی انداز رکھا جو انسانوں کے لیے ان کے مقصدِ تخلیق کے اعتبار سے مفید ثابت ہو۔ جہاں تک آسمانوں کے وجو کا تعلق ہے۔ قرآن مجید کی روشنی میں ان کا تسلیم کرنا ضروریات دین سے ہے۔ جو شخص آسمانوں کے مطلق وجود کا انکار کرے گا وہ مومن نہیں رہ سکتا۔ رہا یہ امر کہ آسمانوں کے وجود کی حقیقت ماہیت کیا ہے وہ اجسام ثقیلہ ہیں یا خفیفہ ان کے اجزاء سخت

ہیں یا نرم؟ وہ لطیف ہیں یا کثیف؟ نیز یہ کہ ستارے ان میں مذکور ہیں یا غیر مذکور؟ ان امور کے متعلق قرآن نے کوئی قطعی حکم بیان نہیں کیا نہ ان مسائل کو اصلی و بنیادی حیثیت دی۔ جن آیات میں خالق السمٰوٰت کا ذکر ہے۔ ان کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو موجود کیا۔ ان کا وجود کیا ہے؟ یہ امر سکوت عنہ ہے آپ نے جن آیاتِ قرآنیہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ "وہ عام اجسام کی صفات سے متصف اور محدوث وفنا میں ان کے ساتھ ملحق ہے" اور اس کے بعد آپ نے بعض آیت تحریر فرمائیں جن کے پیشِ نظر ارقام فرمایا کہ "وہ اجرام فلکیہ ستارہائے ثوابت و سیارہ کا افلاک میں مرکوز ہونا اور بعض کا ثابت و ساکن اور بعض کا متحرک ہونا معلوم ہوتا ہے۔" وہ آیات آپ کے تحریر فرمودہ نظریات سے بالکل ساکت ہیں۔ آسمان یقیناً حادث ہیں۔ مگر ان کے متعلق یہ نظریہ کہ وہ عام اجسام (کثیفہ محسوسا) کی صفات سے متصف ہیں نیز یہ کہ ستارہائے ثوابت و سیارہ افلاک میں مذکور ہیں۔ بعض ساکن اور بعض متحرک ہیں۔ طابیت کا نظریہ ہے۔ جمہور محققین اسلام اس کو صحیح نہیں مانتے اور اجمال کی تفصیل یہ کہ علماء ہیت کا مذہب یہ ہے کہ:

1۔ آسمانوں میں خرق والتیام محال ہے۔
2۔ ہر ستارہ الگ آسمان میں ہے۔
3۔ ہر ستارہ اپنے آسمان میں مرکوز ہے۔
4۔ آسمانِ اجرام صلبہ یعنی بہت سخت قسم کے اجسام ہیں اور جمہور محققین اسلام کا مذہب اس کے خلاف یہ ہے کہ

1۔ آسمانوں میں خرق والتیام نہ صرف ممکن بلکہ واقع ہے۔
2۔ سب ستارے ایک آسمان میں گھومتے ہیں۔
3۔ کوئی ستارہ کسی آسمان میں مرکوز نہیں۔ بلکہ ستارے آسمان میں جاری، ہیں۔
4۔ آسمان کا وجود یقینی ہے۔ لیکن اس کا جسم سخت نہیں بلکہ وہ پانی اور ہوا کی طرح لطیف ہے یا مجوف ہے اور اس کا جوف ہوا سے پر ہے یا مجوف ہے مگر ہوا وغیرہ سے خالی ہے۔ اس میں ستارے اس طرح چلتے ہیں جیسے پانی میں مچھلی یا کہ آسمان میں ستاروں کے جاری ہونے کی جگہ ایسی لطیف ہے کہ اس میں ستاروں کا چلنا آسان ہے یعنی آسمان کی وہ سطح جس میں ستارے چلتے ہیں۔ لطیف ہے اور باقی حصہ منجمد ہے۔ امام ضحاک نے کہا کہ فلک کوئی جسم نہیں بلکہ وہ ستاروں کا مدار ہے اور اکثر کا قول ہے کہ افلاک اجسام ہیں جن پر سارے گھومتے ہیں ان کے اجسام کی کیفیت میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ فلک ایک موج مکفوف ہے۔ جس میں چاند، سورج اور ستارے جاری ہوتے ہیں۔ امامِ کلبی نے کہا کہ وہ ماء مجموع ہے جس میں ستارے تیرتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ سباحت (تیراکی) پانی کے بغیر ناممکن ہے، ہم ان کو جواب دیں گے کہ سباحت کا اطلاق پانی کے بغیر جائز ہے۔ دیکھیئے تیز رفتار گھوڑے کو عربی محاورات میں سابح (تیراک) کہا جاتا ہے۔ ان تمام اقوال اور نظریات کے ثبوت میں حسبِ ذیل عبارات نقل کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں:۔

1۔ وکل تنوینہ عوض عن المضاف الیہ من الشمس والقمر والنجوم (جلالین)
2۔ فی فلک واحد من الافلاک وھی السماء الدنیا بدلیل قولہ تعالیٰ انا زینا السماء الدنیا بمصابیح۔ یسبحون کما یسبح السمک والماء تفسیر مظہری۔
3۔ والسبب فی ذالک عند الھیئۃ۔ انھا مرکزۃ فی افلاک جرمیۃ تفسیر مظہری

اس سے آگے چند سطور کے بعد فرماتے ہیں "واما عندنا فالکواکب کل منھا فی فلک یسبحون علی ما اراد اللہ سبحانہ (30پ، صہ208)

4۔ (المسئلۃ الثالثۃ) الفلک فی کلام العرب کل شی دائرہ وجمعہ افلاک واختلف العقلاء فیہ فقال بعضھم الفلک لیس بجسم ھی انما ھو مدار احذاہ النجوم وھو قول الضحاک و قال الاکثرون بل ھی اجسام تدور النجوم علیھا وھذا اقرب الی ظاھر القرآن ثم اختلفوا فی کیفیۃ فقال بعضھم الفلک موج مکفوف تجری الشمس والقمر والنجوم فیہ وقال الکلبی ماء مجموع تجری فیہ الکواکب واحتج بان السباحۃ لاتکون الا فی الماء قلنا لانسلم فانہ یقال فی الفرس الذی یمد یدیہ فی جریہ سابح وقال جمھور الفلاسفۃ واصحاب الھیئۃ انھا اجرام صلبۃ لا ثقیلۃ ولا خفیفۃ غیر قابلۃ للخرق والالتیام والنمو والذبول فاما الکلام علی الفلاسفۃ فھو مذکور فی الکتب اللائقۃ بہ والحق انہ لا سبیل الی معرفۃ صفات السمٰوٰت الا بالخبر۔

5۔ وھذا الجری فی السماء الامانع عندنا ان یجری الکوکب بنفسہ فی جوف السماء وھی ساکنۃ لاتدور اصلاً وذالک بان یکون فیھا تجریف مملو ھواء او جسماً آخر لطیفاً مثلہ یجری الکوکب فیہ جریان السمکۃ فی الماء اوالبندقۃ فی الانبوب المسدود مثلاً او یجوف خال

جو شخص آسمانوں کے مطلق وجود کا انکار کریگا وہ مومن نہیں رہ سکتا،

من سائر ما یشغلہ من الاجسام۔ یجری الکوکب فیہ او بان یکون الماء باسرھا لطیفۃ او ماھو مجری الکوکب منھا لطیفا فیشق الکوکب ما یاذیہ و تجری کما تجری السمکۃ فی البحر او فی ساقیہ منہ وقل انجمد سائرہ والقطاع کرۃ الھواء عند کرۃ النار المملسۃ لمقعر فلک القمر عند الفلاسفۃ وانحصار الاجسام اللطیفۃ بالعناصر الثلاثۃ وصلابیۃ جرم اسماء و مساوی اجزاء ھا و استحالۃ الخرق والالتیام علیھا وجود الخلاء لم۔ یتم دلیل علی شی منہ واقوی ما یذکر فی ذالک شبھات اوھن من بیت العنکبوت واتہ ورب السماء لاوھن البیوب انتھی۔ روح المعانی پ32ھ 22 عبارات منقولہ سے حسب ذیل فوائد حاصل ہوئے۔

1۔ محققین اسلام کے نزدیک آسمانوں کا وجود ایسا لطیف ہے جس میں تمام ستارے اس طرح جاری ہیں جیسے پانی میں مچھلی جاری ہوتی ہے۔
2۔ آسمانوں میں خرق والتیام واقع ہے۔
3۔ ستارے آسمان میں مذکور نہیں۔
4۔ ہر ستارے کے لیے الگ آسمان نہیں بلکہ تمام ستارے ایک ہی آسمان میں ہیں۔
5۔ بعض محققین جیسے امام ضحاک رحمۃ اللہ علیہ ستاروں کے جاری ہونے کی جگہ (فلک) کو جسم نہیں مانتے۔
6۔ آسمانوں کے جرم کی سختی و صلابت فلاسفہ کا مذہب ہے اہلِ اسلام کا نہیں۔
7۔ فلک اور آسمان کی ماہیت و کیفیت کے بارے میں جلیل القدر آئمہ تفسیر اور محققین کا اختلافِ اقوال اس امر کی روشن دلیل ہے کہ قرآن کریم نے عامۃ

الناس کے لیے اس مسئلے کی وضاحت سے پہلو تہی کر کے تخلیق انسانی کے مقصد عظیم کی تکمیل کے لیے اسے کوئی اہمیت نہیں دی اور وہ کوئی ایسا بنیادی اور اصولی مسئلہ نہیں۔ جس میں اختلاف کا امکان نہ ہو۔ ان فوائد کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل ظاہر ہے کہ اگر کسی وقت کوئی شخص چاند، سورج سے آگے بھی چلا جائے اور اسے آسمانوں کے وجود کا احساس وادراک نہ ہو تو کچھ بعید نہیں۔ اس لیے کہ اشیاء لطیفہ کثیف چیزوں کی طرح محسوس ومدرک نہیں ہو سکتیں جس کی دلیل سائنس دانوں کا یہ نظریہ ہے کہ سورج اور زمین کے درمیان ایک رقیق مادہ (ایتھر) ہر وقت متحرک ہے جو تمام اجسام کا مبداء دراصل مادہ ہے۔ لیکن حواسِ خمسہ میں سے کوئی حس آج تک اس کا ادراک نہ کر سکا۔ محض اس لیے کہ وہ نہایت رقیق ولطیف ہے۔ لہٰذا

اگر آسمان بھی اسی رقت ولطافت کی وجہ سے محسوس نہ ہوں تو اس میں کون سا تعجب ہے؟ بالخصوص اس صورت میں جبکہ وہ مستقر ملائکہ ہے اور ملائکہ لطیف ہیں۔ اس لیے ان کا مستقر بھی لطیف ہونا چاہیے۔

ہاں وہ فلاسفہ جن کے نزدیک آسمان کا جرم نہایت سخت اور کثیف اور اس میں خرق والتیام بھی نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنے اصول کے مطابق جواب نہ دے سکیں گے میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اسلامی نظریات کی روشنی میں چونکہ یہ مسئلہ اصولی اور بنیادی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس لیے اگر کسی مسلمان متکلم نے بھی یہاں فلاسفہ کے بعض اقوال کو تسلیم کر لیا ہو۔ تو اس سے ہمارے بیان پر زد نہیں پڑتی۔ زیادہ سے زیادہ اسی کے مسلک پر اعتراض ہو گا جس نے فلاسفہ کے قول کی تائید کی ہے۔ اسی طرح وہ بعض روایات جو ضعیف ہیں یا ضعیف نہیں مگر اخبار احاد ہیں اور ان سے بظاہر اجسام فلکیہ کی کثافت اور ثقل وصلابت مفہوم ہوتی ہے۔ ہمیں مضر نہیں کیونکہ ایسی روایات پر کسی اصولی اور بنیادی مسئلے کا ابتناد نہیں ہو سکتا۔ ہماری بحث صرف اصولی اور بنیادی مسائل میں ہے ضعیف ظنی باتیں ہمارے پیش نظر نہیں۔ یہ تقریر اس تقدیر پر ہے کہ سائنس دانوں کا آسمانوں سے گزر جانا اور چاند سورج سے آگے بڑھ جانا دلیل سے ثابت ہو جائے۔ ابھی تک تو کسی ادنیٰ حیوان کا بھی وہاں تک پہنچنا ثابت نہیں ہوا۔ چہ جائیکہ انسان کی رسائی ہو۔

چند ہزار فٹ سے زیادہ بلندی پر آج تک کوئی نہ جا سکا۔ تو 6 لاکھ میل کی بلند پرازی کسی کے حق میں کیونکر متصور ہو سکتی ہے؟

رہا یہ امر کہ راکٹ اتنی مسافت طے کر گیا تو اگر اسے صحیح مان بھی لیا جائے تو آسمان کے جسم لطیف سے اس کا گزر جانا اس طرح ممکن ہو گا جیسے وہ ایتھر سے گزر گیا اور اگر اصل حقیقت پر غور کیا جائے تو راکٹ کے متعلق بھی یہ دعویٰ بلا دلیل ہے کیونکہ اس کی کیفیتِ رفتار معلوم نہیں۔ اس بات پر کون سی دلیل قائم ہے کہ وہ بخط مستقیم حرکت کر رہا ہے جس کی بنا پر یہ اندازہ صحیح مانا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی حرکت ایسی نوعیت کی ہو جس کی بنا پر یہ اندازہ غلط قرار پائے۔

میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جن لوگوں نے راکٹ چھوڑے ہیں وہ یہ دعویٰ یقین کے ساتھ نہیں کرتے بلکہ محض اندازہ لگا کر کہتے ہیں کہ ہمارا راکٹ اس رفتار کے حساب سے اتنے عرصہ میں اتنی بلندی پر پہنچ گیا۔ اس اٹکل پچو اندازے کے متعلق قرآن کریم نے پہلے ہی فرما دیا۔

"ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون"

ایسی صورت میں اگر ہم اس دعوی کو یقینی قرار دیں تو وہی مثال صادق آئے گی کہ مدعی سست گواہ چست۔ اب ان آیات پہ کلام کرتا ہوں جن کے پیش نظر بیان سابق میں شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔

فاقول وباللہ التوفیق۔

1۔ وجعلنا السماء سقفاً محفوظاً اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے آسمان کو گرنے سے محفوظ کر دیا۔ یہ نہیں کہ مطلقاً وہاں سے کسی کا گزرنا ہی محال ہے۔

2۔ وحفظنٰھا من کل شیطان الرجیم اس سے بھی یہ مراد نہیں کہ علی الاطلاق وہاں کسی کی وہاں رسائی نہیں ہو سکتی بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ آسمانوں کو ہم نے شیطین کے استراق سمع سے محفوظ کر دیا۔

3۔ وبنینا فوقکم سبعاً شداداً اس کے معنی یہ نہیں کہ سمٰوٰت سبع نہایت محکم پائیدار ایسے قوی الخلقت ہیں کہ مرور زمانہ ان میں اثر نہیں کرتا۔ وہ اپنی پائیدار پیدائش کی وجہ سے فطور وخروج کے آثار وتغیرات سے محفوظ ومصؤن میں۔ دیکھیئے تفسیر کبیر میں اسی آیت کے تحت ہے شداداً جمع شدیدۃ" یعنی محکمۃ قرینتہ الخلق۔ "لا یؤثث فیھا مرور الزمان لافطور فیھا ولا فروج۔" تفسیر کبیر ص 431 جلد 8

4۔ انتم اشد خلقا ام السماء بنٰھا رفع سمکھا فسوٰھا۔ اس آیت کے بھی یہ معنی نہیں کہ آسمان کا جسم سخت ہے بلکہ آیہ کریمہ کا مفہوم ہے کہ تمہارا بناؤ مشکل ہے یا آسمان کا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا اس کے ابھار کو اونچا کیا۔ پھر اسے ابر کیا۔ لطیف چیز کا ابھار بھی لطیف ہوتا ہے۔

5۔ وفتحت السماء فکانت ابواباً۔ اصول یہ ہے کہ موصوف جیسا ہو گا اس کی

آسمان میں ستارے اس طرح جاری ہیں جیسے پانی میں مچھلی جا رہی ہوتی ہے:

صفات اسی نوعیت کی ہوں گی جب وکل فی فلک یسبحون سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ آسمان ایسی لطیف شے ہے جس میں ستارے سباحتہ (تیراکی) کرتے ہیں۔ تو اس کا بست وکشاد اور اس کے ابواب بھی اس کے حسبِ حال اور شایان شان ہوں گے۔ دیکھیئے الرحمٰن علی العرش استویٰ میں وہی استویٰ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔ یعنی جو اس کی جسمانیت کو مستلزم نہ ہو اسی طرح آسمانوں کا کھلنا بند ہونا۔ اس کے دروازے علی ہذا القیاس اس کا انفطار انشقاق سب اس کی لطافت کے موافق ہو گا۔ اس طرح اس کے بروج اور اس میں مختلف المحال ستاروں کا پایا جانا یہ سب کچھ ہی لطیف اوصاف ہوں گے۔ جیسا موصوف لطیف ہے۔ قرآن مجید میں یوماً ثقیلاً قولاً ثقیلا اور اسی قسم کے بکثرت الفاظ وارد ہیں لیکن آج تک کسی نے ثقل سے مادی ثقل مراد نہیں لیا کیونکہ "ثقیلاً" یوم اور قول کی صفت ہے جب موصوف جسمانی اور مادی نہیں۔ تو صفت کس طرح جسمانی اور مادی ہو گی۔ اسی طرح افلاک و سموات کے لوازم ملزوم کے حسب حال اور اس کی شان کے لائق ومناسب ہی ہو سکتے ہیں۔ اس کے خلاف کیونکہ مراد لیے جاویں گے نیز قرآن مجید کی آیت ثم استوا الی السماء وھی دخان سے بھی آسمان کے جسم لطیف ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

6۔ یا معشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السمٰوٰت والارض فانفذ والا تنفذون الا بسلطن اس آیت سے بظاہر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب آسمانوں اور زمینوں سے نکل بھاگنا ممکن نہیں۔ تو ظاہر ہے کہ آسمانوں سے گذرنا بھی محال ہو

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت سے نکل جانے اور اس کے احاطۂ اختیار سے باہر ہو جانے کی نفی مراد ہے اور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم زمین و آسمان سے نکل بھی جاؤ تب بھی اللہ تعالیٰ کے سلطان یعنی اس کی قدرتِ کاملہ اور قدرتِ غالبہ سے باہر نہیں جاسکتے۔ یا یہ کہ قیامت کے دن اس کی قدرت کاملہ کے بغیر اس کے عذاب سے نہیں چھوٹ سکتے۔ آیہ کریمہ کا سیاق و سباق ان معنی کی روشن دلیل ہے (ملاحظہ ہو تفسیر کبیر صفحہ 30 - 31 جلد 8 تفسیر مظہری جلد 10)

آخر میں ایک چھوٹے شبہ کا جواب عرض کردوں کہ اگر کسی وقت یہ ثابت ہو جائے کہ چاند وغیرہ ستاروں میں آبادی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم انہیں کس طرح پہنچے گی؟ پھر وہاں نہ قرآن ہے نہ کعبہ ہے نہ چاند ہے کیونکہ وہ خود چاند میں رہتے ہیں۔ تو وہ روزہ، نماز وغیرہ کس طرح ادا کریں گے؟ اگر وہاں کوئی نبی مانا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین نہیں رہتے۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ باوجود اختلاف احوال کے تمام مکلفین کے لیے احکام شریعہ یکساں ہوں۔ علاوہ ازیں یہ کہ یہ اعتراض بھی فلاسفہ کے مذہب پر ہوگا۔ اسلام اس امر کو محال نہیں جانتا۔ کہ ایک وجود بیک وقت متعدد مقامات پر پایا جائے۔ نہ اسلامی اصول کی رو سے یہ امر ضروری ہے کہ مصنوعات عالم کی ہر چیز سب کے علم میں ہو۔ ممکن ہے کہ ایک چیز موجود ہو۔ اور کسی مانع کی وجہ سے ہم اس کا مشاہدہ نہ کر سکیں۔ سائنس دان اور علماء ہیئت نے ایسے بہت سے ستاروں کو معلوم کر لیا۔ جن کو پہلے فلاسفر نہ جانتے تھے۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ چاند میں رہنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے کوئی اور ستارہ بنایا ہو۔ جو ان کے لیے چاند کا کام دیتا ہو اور ہمیں ابھی تک اس کا علم نہ ہوا ہو اور حضورؐ کے علاوہ کسی نبی کو ان کے لیے تسلیم کرنے کی اجازت نہیں۔ جب سائنس کی روشنی میں یہ بات پایۂ ثبوت پہنچ چکی ہے کہ فرد واحد آن واحد میں کروڑوں مقامات پر موجود ہو سکتا ہے اور ہمارے لیے تو حضرت عبداللہ بن عباس کا وہ اثر کافی ہے کہ جس میں زمین کے ہر طبقے میں آدم علیہ السلام کی طرح آدم اور نوح علیہ السلام کی طرح نوح اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ثابت ہے۔ بعض محدثین نے اس حدیث میں لیس کمثلہ شی کی طرح حرف تشبیہ کو زائد قرار دیا ہے۔ جس کا مقتضیٰ یہ ہوا کہ تمام طبقات زمین میں یہ سب انبیاء مذکورین علیہم السلام بیک وقت پائے جاتے ہیں اسی طرح اگر حضور علیہ السلام کا وجود مبارک اور ایسے ہی کعبہ شریفہ چاند میں بھی پائے جاتے ہیں اور وہاں کے سب باشندے حضورؐ ہی کی شریعت کے مکلف ہوں تو اس میں کون سا استحالہ ہے۔

جامع القرآن

ازاعلیحضرت امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ

اصل جمع قرآن بحکم رب العزت حسب ارشاد حضور پُر نور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہو گیا تھا۔ سب سور (سورتوں) کا یکجا کرنا باقی تھا جو امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بمشورہ امیر المومنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کیا۔ پھر اسی جمع فرمودہ صدیقی کی نقلوں سے مصاحف بنا کر امیر المومنین عثمان نے بمشورہ مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بلادِ اسلام (تمام اسلامی ممالک) میں شائع کیے اور تمام امت کو اصل لہجہ قریش پر مجتمع ہونے کی ہدایت فرمائی۔ اسی وجہ سے وہ جناب "جامع القرآن" کہلائے ورنہ حقیقیتاً جامع القرآن رب العزت تعالیٰ شانہ ہے:۔

کما قال عزمن قائل۔ ان علینا جمعہ وقرانہ

(قیامہ پ-29 ع17)

ترجمہ:۔ "بے شک ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کرنا اور پڑھنا۔"

اور بنظرِ ظاہر حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک جگہ اجتماع کے لحاظ سے سب میں جامع القرآن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ------

سورہ قرآنیہ (قرآنی سورتیں) اگرچہ متفرق مواقع سے ایک دعا (ظرف) میں مجتمع ہو گئی تھیں اور مجموعہ صدیق اکبر، پھر فاروق اعظم، پھر ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس تھا مگر ہنوز تین کام باقی تھے۔

1۔ ان مجموع (جمع کردہ) صحیفوں کا ایک "مصحف واحد" میں نقل ہونا۔

2۔ اس مصاحف کے نسخے معظم بلادِ اسلام، مملکت اسلامیہ کے عظیم قسمتوں پر تقسیم ہونا۔

3۔ رخصت سابقہ کی بناء پر جو بعض اختلافاتِ لہجہ کے آثار، کتابت قرآن عظیم میں متفرق لوگوں کے پاس تھے اور وہ قرآن عظیم کے حقیقی، اصلی، منزل من اللہ، ثابت مستقر، غیر منسوخ، محفوظ لہجے سے جدا تھے۔ دفع فتنہ کے لیے اس کا محو ہونا۔

یہ تینوں کام حفظ، حافظ حقیقی، جامع ازلی جل جلالہ نے اپنے تیسرے بندے امیر المونین، جامع القرآن، ذی النورین، عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لیا اور قرآن عظیم کا جمع کرنا حسبِ وعدہ الہیہ تام و کامل ہوا۔ اس لیے اس جناب کو "جامع القرآن" کہتے ہیں۔

(بحوالہ:۔ تدوینِ قرآن از مولانا محمد احمد مصباحی ص 134)

(مرسلہ:۔ محمد قدرت اللہ بیگ میر پور خاص)

اعجازِ قرآن کے اہم پہلو

علامہ شمس بریلوی

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کے سلسلہ میں سب سے پہلے اعجاز قرآن کا بیان کرنا ضروری ہے اگرچہ قرآن حکیم کا اعجاز اور اس کی فصاحت و بلاغت کا کماحقہٗ ادراک فہم انسان کی قدرت وقوت سے باہر ہے لیکن جس طرح اصحاب علم وفضل نے قرآن حکیم سے متعدد علوم وفنون کو اخذ کیا ہے اسی طرح قرآن حکیم کے الفاظ، جملے جملوں کی تالیف، ان کا ربط باہمی، ان کا نظم، ان کے فواصل، مطالع اور مقاطع اسلوب بیان اور انداز خطاب سے متقدمین، متوسطین اور متاخرین علماء نے فصاحت و بلاغت اور معانی و بیان کے نکات کو اخذ کیا ہے جب کہ نزول قرآن کے وقت یہ علوم موجود نہ تھے بلکہ ان علوم و فنون کا مبنیٰ ومصدر قرآن حکیم ہی ہے اور دوسری صدی ہجری میں اس موضوع پر قلم اٹھایا گیا اور اس کے بعد اس فن پر باقاعدہ تصنیف کا کام شروع ہوگیا۔ اس سلسلہ میں علامہ جاحظ (م 255ء) کی کتاب "البیان والتبیین" کو اکثر حضرات نے اولیت کا شرف عطا کیا ہے جبکہ "البیان والبتیین" خطابت اور بیان کے موضوع پر ہے اگرچہ خطابت اور بیان بھی موضوع بلاغ کے تحت آتے ہیں "البیان والبتیین" ایک قسم کی تاریخ خطابت ہے اور اس موضوع پر اس کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ علامہ جاحظ نے اپنے بیان کی توثیق اور تائید کے لئے شعرائے عرب کے اشعار کو بکثرت استعمال کیا ہے ان شعراء میں عصر جاہلیت کے شاعروں کی کثرت ہے۔ بایں ہمہ "البیان والبتیین" کو "بلاغت وفصاحت قرآن" اس موضوع پر پہلی تصنیف کہی جا سکتی ہے۔ لیکن فی زمانہ کتاب دستیاب نہیں ہے۔



چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں علامہ قاضی ابو بکر باقلانی نے ایک جامع اور مبسوط کتاب "اعجاز القرآن" کے نام سے تصنیف کی جو دستیاب ہے لیکن کمیاب ہے۔ علامہ باقلانی کی تصنیف نے اس موضوع پر مزید لکھنے کی راہ ہموار کردی۔ اس سلسلہ میں علامہ جاحظ کو اس فن کا مخترع کہا جاسکتا ہے کہ اس سے پہلے اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں تھی، البتہ اس موضوع پر شرح و بسط سے لکھنے والوں میں چند حضرات ہیں ان میں ایک علامہ ابو عبداللہ بن یزید واسطی ہیں اور ان کی تصنیف "اعجاز القرآن" بہت ہی جامع کتاب ہے۔ علامہ عبدالقاہر جرجانی نے اس کی شرح بڑی تفصیل سے لکھی ہے اس شرح کا نام "المعتضد" ہے۔ یہ ایسی جامع اور کامل شرح ہے کہ اس کو علامہ جرجانی کی ایک مستقل تصنیف سمجھا گیا۔ علامہ ابو عیسیٰ رمانی کے نام سے موسوم ہے۔ المعتضد اور رمانی کی اعجاز القرآن علامہ باقلانی سے پہلے لکھی جانے والی تصانیف ہیں، یہ ضرور اعتراف کرنا پڑے گا کہ امام باقلانی (م 403ھ) نے اس فن کو کمال پر پہنچا دیا۔ اعجاز القرآن کے موضوع پر علامہ باقلانی کے بعد قلم اٹھانے والے امام خطابی ہیں۔ اس موضوع پر امام فخرالدین رازی (م 650ھ) نے بھی قلم اٹھایا، امام رازی کے بعد ابن ابی الاصبح (م 654ھ) نے اور علامہ زملکانی (م 727ھ) نے اس موضوع پر لکھا ہے۔ ان حضرات سے قبل علامہ قاضی عیاض اندلسی نے اپنی مشہور زمانہ کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ میں اعجاز القرآن پر ضمناً بعض مباحث پیش کئے ہیں۔ الشفا حقیقت میں سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر ایک گرانقدر کتاب ہے۔ نویں صدی ہجری میں علامہ سیوطیؒ نے الاتقان فی علوم القرآن تصنیف کی جو قرآن حکیم کی زبان (عربی) پر ایک بہت ہی گراں مایہ تصنیف ہے اور اس میں بعض مباحث ایسے آگئے ہیں جن کا تعلق فصاحت و بلاغت سے ہے۔

ہمارے ان علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اعجاز قرآن پر کچھ تحریر فرمایا ہے وہ ایک بہت ہی گرانقدر سرمایہ ہے۔ ان حضرات نے ہر ہر جہت اور ہر پہلو سے قرآن حکیم میں غور وتدبر کے بعد جو نتائج اخذ کئے ہیں انہوں نے قرآن حکیم کی ادبی، لسانی اور معنوی خصوصیات کو اجاگر کر دیا ہے۔ اگرچہ قرآن بنفسہ ان خصوصیات کے اظہار کے بغیر بھی

منہاج دین، دستور حیات انسانی اور تہذیب اخلاق کا ایک ضابطہ تھا اور آج بھی ہے لیکن بیان و زبان کے نکات اور اس کے محاسن سے جو ایک اعجاز ہے۔ خواص کی نظر تو مستنیر تھی لیکن عوام اور وہ لوگ جو عدم کمال علمی کے باعث قرآن حکیم کے معجزات، زبان و بیان کی لطافتوں، حسن تالیف، اس کے فواصل کے محاسن اور کمال نظم سے باخبر نہیں تھے ان حضرات کی مساعی کی بدولت اس متاع دین و ایمان کی ان خصوصیات سے بھی بقدر مبلغ علم بہرہ ور ہو گئے۔ اور یہی ان حضرات مصنفین کا اس سلسلہ میں مطمح نظر اور نصب العین تھا۔

معجزات قرآن

تاریخی اور فکری نقطہ نظر سے قرآن حکیم کے معجزات میں اجتماعی زندگی اس کی رشد و ہدایت اور حقائق الہیہ کی طرف اس کی رہبری، اختلاف و تناقص کے مقابل میں اس کی استقامت اور سلامتی نظام اسلامی کی مفصل تشریح اخلاق اور فضل انسانی کا دستور العمل، گذشتہ اور آئندہ کے اخبار ہیں، مفسرین کے نکتہ نگاہ کے لحاظ سے قرآن کے عظیم معجزات میں اس کے یہ موارد ہیں۔

قرآن حکیم کی بلاغت اور معانی کی ہمہ گیر

استیفائے معانی اور حسن عبارت، فصاحت کے ضروری عناصر ہیں۔ اس لحاظ سے اگر دیکھئے تو قرآن پاک اپنی بلاغت و فصاحت جزالت الفاظ، معانی پر کامل رسائی اور بھرپور گرفت میں بے نظیر ہے۔ معانی کے لحاظ سے قرآن حکیم نے دقیق معانی کو ایسے الفاظ میں پیش کیا ہے کہ ذہن ان کی طرف فوراً منتقل ہو جاتا ہے اور ہر قاری قرآن جو ادراک معانی و آگاہی مطالب سے بہرہ ور ہے ان الفاظ کے ذریعہ سے مقصود اصلی اور حقیقی معانی سے مستفید ہو جاتا ہے۔ قرآنی عبارات کا باہمی ربط اور حسن و نظم اس قدر محکوم و استوار ہے کہ کوئی مقام ایسا نہیں جہاں یہ حسن نظم اور تناسب مفقود ہو۔ انسانی کلام میں الفاظ کی معانی تک یہ رسائی اور معانی و الفاظ کا یہ تناسب باہمی ناممکن ہے۔

معنوی نقطہ نظر سے قرآن کا اعجاز

قرآن حکیم نے دقیق معانی اور مطالب کو مختصر سے مختصر عبارت میں بڑے حسن و خوبی سے بیان کیا ہے، مثلاً طوفان نوح کے سلسلہ میں اس مختصر عبارت (چند الفاظ) میں عجیب و غریب دل نشین آہنگ کے ساتھ وسیع مفہوم اپنے اندر سمویا ہے۔

وقیل یارض ابلعی ماءک ویسماء اقلعی وغیض الماء وقضی الامر واستوت علی الجودی وقیل بعدا للقوم الظلمین۔

ان چند الفاظ میں ایک طویل تاریخ (معنوی حیثیت سے) پنہاں ہے۔ طوفان کا پہاڑ کی چوٹیوں سے گزر جانا پھر اللہ تعالیٰ کا خطاب زمین اور آسمان سے۔ کہ " اے زمین اپنے پانی کو نگل لے اور اے آسمان اب (پانی برسانے سے) تھم جا، اس حکم کو بعد طوفان کا سلسلہ زمین و آسمان سے ختم ہو جانا اور نوح علیہ السلام کی کشتی کا سلسلہ ارارات کی پہاڑی، "جودی" پر پہنچ کر رک جانا اور ظالموں کا تباہی پر منتج انجام کی پوری تفصیل ان الفاظ میں ہے، پھر ابلعی اور اقلعی کی صوتی ہم آہنگی اور ان کا روح پرور کیف آپ اپنی نظیر ہے۔ ان چند الفاظ میں، زمین و آسمان کا مطیع فرمان ہونا، انسان کی سرکشی اور اس کا ثمرہ، دونوں موجود ہیں۔ جلالت حکم الٰہی کا اس میں حسین پرتو ہے۔ خطا کاروں کے لئے انذار و وعید ہے اور اس وعدے کا ایفا بھی ہے جو حضرت نوح علیہ السلام سے کیا گیا تھا۔

اعجاز کثرت معانی و الفاظ قلیل

قرآن مجید جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا ہے الفاظ قلیل میں معنی کثیرہ کو بیان کرتا ہے۔ اس طرح کہ انسان اس کے مثل لانے پر قادر نہیں ہے۔ قرآن حکیم ایسی محکم و متشابہات آیات کا حامل ہے کہ بہت ہی مختصر عبارت یا چند الفاظ میں معانی کثیرہ کو بیان فرما دیا ہے۔ مثلاً

واوحینا الی ام موسی ان ارضعیہ فاذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم ولا تخافی ولا تحزنی انا رادوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین

اس ارشاد گرامی پر غور کیجئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، فرعون کے اس ظالمانہ حکم سے کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا خوف زدہ ہونا، اللہ تعالیٰ کا ان کی ڈھارس بندھانا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریائے نیل کے سپرد کرنے کا کام، حضرت موسیٰ کا پھر آغوش مادر میں پہنچ جانے کی بشارت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیغمبری کے عطا کرنے کی نوید! چند الفاظ میں اس تفصیلی واقعہ کو کمال اعجاز و ایجاز کے ساتھ بیان فرما دیا اور پھر ایک آیت میں دو حکایتیں (جن کی اور تصریح کی گئی) دو بشارتیں، دو امر اور دو نہی موجود ہیں، بایں ہمہ الفاظ و کلمات عمومی اور خصوصی معانی کے مفسر ہیں۔

ترجمہ آیات: "پھر جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا کہ تم دودھ پلاؤ پھر جب تم کو (جاسوسوں کے مطلع ہو جانے کا) اندیشہ ہو تو ان کو دریائے نیل میں ڈال دینا اور نہ تو (ان کی ہلاکت کا) اندیشہ کرنا اور نہ (مفارقت پر) غم کرنا کیونکہ ہم ضرور پھر ان کو تمہارے ہی پاس واپس لائیں گے اور پھر (اپنے وقت پر) ان کو پیغمبر بنا دیں گے۔"

آپ نے غور فرمایا کہ الفاظ قلیل میں کتنے معانی پنہاں ہیں۔

اعجاز قرآن جمیع علوم کے اعتبار سے

قرآن حکیم میں اتنے علوم جمع کر دیئے گئے ہیں کہ بشر ان کا

احاطہ نہیں کر سکتا۔ صرف قرآن کریم کی الہامی زبان کے بارے میں متعدد علمائے کرام نے قلم اٹھایا ہے، نویں صدی ہجری میں علامہ سیوطی نے دو جلدوں میں باعتبار زبان و بیان بہت سے علوم قرآن کو "الاتقان" میں بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں ان کو خصوصی طور پر فہم قرآن کے نور دانش سے مستفید فرمایا تھا، اللہ تعالیٰ چونکہ تمام علوم کا جامع اور دانا ہے، وہی جانتا ہے کہ قرآن حکیم میں کس قدر علوم اس نے جمع فرما دیئے ہیں انسان نے بقدر طاقت بشری ان علوم کا جو کچھ کھوج لگایا ہے او تفحص و تتبع اور وسعت نظر سے کام لیا ہے۔ اسی کے نتیجہ میں یہ کہا گیا ہے کہ قرآن حکیم میں علم طبیعات بھی ہے اور علم نفسیات بھی! علم الاخلاق بھی ہے اور علم فلکیات بھی، اس میں علم طب بھی ہے، علم اخلاق، تدبیر منزل، سیاست بدن، جوہات، علم نجوم اور علم ہیئت بھی اس میں موجود ہے، معاشیات بھی اور سیاسیات بھی۔ غرضیکہ بشری زندگی کے تمام علوم سے وہ مملو اور مشحون ہے اس لئے حیات انسانی کی رہنمائی کا اس کا دعوی برحق ہے جس کا کوئی بھی بطلان نہ کر سکا۔

توحید پر اس کے اٹل دلائل براہین قاطع بھی اس کا اعجاز ہے

قرآن حکیم کے معجزات میں سے اس کا یہ عظیم معجزہ ہے کہ اس نے توحید پر جو دلائل و براہین پیش کئے ہیں وہ ناقابل تردید ہیں، انسان کی معنوی ومادی زندگی (حیات دنیاوی اور معاد) کے تمام اسباب و علل اور انسان کی عقل و دانش کے تمام اقدار اور اس کی اجتماعی ہیبت کے تمام عبادیات، اللہ تعالیٰ کی توحید تنزیہ و تقدیس سے مقرون اور وابستہ ہیں جس پر ان تمام جہات کا مدار ہے اور ان تمام شیئون کا مبنیٰ اسی کی ذات واجب الوجود ہے۔ دلائل و براہین توحید سے ثنویت کے پرستاروں، اور دہریوں کے نظریات، نیچریوں کے دعاوی کا مسکت جواب دیا ہے اور ان کے باطل نظریات کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے ہیں۔

سورہ اخلاص، چار آیات پر مشتمل ہے اور یہ چاروں آیات تثلیث کے پرستاروں ثنویت کا اقرار کرنے والوں، نیچریوں اور دہریوں کے نظریات پر ایک ضرب کاری ہے۔

قل ھو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد

اعجاز امم سابقہ اور قرونِ ماضیہ کے بیان میں

قرآن پاک نے جن امم سابقہ کے افکار واحوال کو بصورت قصص برائے عبرت بیان کیا ہے ان میں سے ہر ایک واقعہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لئے سعادت اور شقاوت کا ایک ایسا جامع مرقع ہے کہ انسان اس سے سعادت کا سبق حاصل کر سکتا ہے اور شقاوت ابدی سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اصحاب کہف کا واقعہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی اور منصب نبوت پر فائز ہونے کا واقعہ، ذوالقرنین و یاجوج و ماجوج کے بارے میں اخبار، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی اور دوسرے انبیائے کرام کی سیرت، اقوام قدیمہ کی نافرمان اور ان کا انجام، عاد و ثمود کی بربادی بصیرت انسانی کا ایک عظیم سرمایہ ہے۔

یہاں امم سابقہ کی نافرمانی، ان کی سرکشی اور ان کے عبرت آگیں انجام کی تفصیلات قرآن حکیم کے ارشادات سے پیش کرنا بہت دشوار ہے اور اطناب کا موجب ہے، یہ محدود اوراق اس کے متحمل نہیں ہوسکتے اس لئے حوالہ جات پر اکتفا کروں گا اور صرف سورۃ کی نشاندہی ہی کردوں گا۔ قارئین اگر چاہیں تو اس حوالہ سے ان واقعات کا مطالعہ کرسکتے ہیں، میں جن سورتوں کا حوالہ دے رہا ہوں ان ہی پر حصر نہیں ہے ان سورتوں کے علاوہ بھی یہ موضوع قرآن حکیم میں موجود ہے، مگر اختصار کے ساتھ، مندرجہ ذیل سورتوں میں امم ماضیہ کے حالات اور ان کا

قرآن حکیم میں اتنے علوم جمع کردیئے گئے ہیں کہ بشر ان کا احاطہ نہیں کرسکتا!

عبرت ناک انجام تفصیل سے موجود ہیں۔

عنوان

1۔ حضرت نوح علیہ السلام، اور آپ کی امت کا انجام
2۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام اور بنی اسرائیل۔
3۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قارون،
4۔ حضرت ہود علیہ السلام اور قوم عاد۔
5۔ حضرت صالح علیہ السلام اور قوم ثمود۔
6۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود۔
7۔ اصحاب الاخدود۔
8۔ اصحاب القریہ،
9۔ حضرت شعیب علیہ السلام اور اصحاب لئیکتہ۔
11۔ ذوالقرنین اور یاجوج وماجوج۔

سورۃ

الاعراف۔ یونس۔ ہود۔ الانبیاء۔ المومنون۔ الشعراء، والصفٰت۔ نوح
البقرہ ۔ آل عمران۔ النسا۔ المائدہ الاعراف۔ ابراہیم۔ النحل۔ بنی اسرائیل۔ طٰہٰ۔ النمل۔ القصص۔

المومن، العنکبوت۔
الاعراف ہود۔ الشعراء حم سجدہ حاقہ
الاعراف۔ ہود۔ الشعراء۔ الذریات۔ القمر۔ الشمس
الانبیاء۔ الشعراء۔ العنکوت
الاعراف۔ ہود۔ الحجر۔ الانبیاء۔ الشعراء۔ النمل۔ العنکوت۔
البروج
یس۔
الاعراف۔ ہود۔ الحجر۔ الشعراء۔
الانبیاء۔

اب تک جو کچھ مختصراً اعجاز قرآن کے سلسلے میں بیان کیا اس کا تعلق افراد اور اقوام اور ایک اجتماعی زندگی سے تھا۔ اب آیئے قرآن کے اعجاز کو اس کے الفاظ اور معانی کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے۔ چونکہ معانی سے پہلے لفظ مقدم ہے اس لئے سب سے پہلے اعجاز قرآنی کو اس کے الفاظ کے اعتبار سے دیکھتے ہیں۔

اعجاز قرآنی الفاظ کے اعتبار سے

قرآن حکیم کے الفاظ کی صوتی ہم آہنگی، ان کی سلاست اور معنی پر پوری پوری دلالت اور ان کی متانت بھی ایک معجزہ ہے۔ مثلاً ضیزیٰ۔ ضنکا۔ بطش۔ فواد۔ میں جو متانت اور صوتیات کے اعتبار سے جو اثر آفرینی ہے وہ ظاہر ہے۔ جزل و سہل کے درمیان ان کا ایک خصوصی مقام ہے۔ ناممکن ہے کہ کسی ایک لفظ کو ہٹا کر کوئی دوسرا ہم معنی لفظ اس کی جگہ رکھ دیا جائے وہ لفظ خود بول اٹھے گا کہ یہ میرا صحیح مقام نہیں ہے۔ مثلاً ما کذب الفواد ما رای میں فواد کی جگہ دوسرا مترادف لفظ قلب اگر رکھ دیا جائے تو اسلوب قرآن ہی کے خلاف نہ ہوگا بلکہ اس میں ایسا ضعف تالیف پیدا ہو جائے گا جو خود غمازی کرے گا اس قبیل کی صدہا مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مختلف قبائل عرب کے جو الفاظ قرآن حکیم میں استعمال ہوئے ہیں ان کو ہی لے لیجئے ہر لفظ اپنی جگہ برمحل، مقدس اور کیف معانی کا مظہر ہے۔

اعجاز قرآنی باعتبار نقل الفاظ بمنزلہ معانی

چونکہ یہ الفاظ وحی کے ذریعے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائے گئے تھے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ذہن میں محفوظ رکھ کر امت تک ان کو پہنچایا اس اخذ و ابلاغ میں کوئی کلمہ یا کوئی لفظ ایسا نہ تھا اور نہ آئندہ ہوگا جس میں کسی قسم کا خلل واقع ہوا ہو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا وعدہ فرمایا تھا کہ۔

لاتحرک بہ لسانک لتعجل بہ (اور اے پیغمبر اپنی زبان مت ہلایئے جلدی نہ کیجئے) اور اسی سلسلہ میں فرمایا فاذا قراناہ فاتبع قرانہ اور جب آپ پر اس قرآن (کی کسی آیت) کا نزول ہو تو آپ صرف سماع کرتے رہیں کیونکہ اس قرآن کا آپ کے سینۂ اطہر میں جمع کر دینا اور آپ کی زبان سے پڑھوا دینا، پس نہ کوئی لفظ یا کلمہ کسی دوسرے معنی میں منتقل کیا گیا نہ دوسرے مشابہہ الفاظ سے ان کو بدلا گیا۔ قرآن پاک لفظ و معنی کے اعتبار سے وہی آج تک ہے جو خالق کونین جل وعلا کی جانب سے صادر ہوا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے وسیلے سے پیغمبر حق صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان گہر بار نے بغیر کسی تجزیہ یا تغیر کے مسلمانوں تک پہنچا دیا۔

یہ فرقان حمید ان ہی الفاظ و ترکیبات، نعت و معانی کے ساتھ جس کی تنظیم و تنسیق عالم بالا میں ہوئی تھی نازل ہوا اور بعینہ اس کا ابلاغ سرور کونین کی لسان دُربار سے ہوا۔ وحی الٰہی کے نزول اور اس کے ابلاغ میں کوئی کلمہ یا لفظ نہ تبدیل ہوا اور نہ کچھ اس پر اضافہ کیا گیا، جیسا کہ اوپر پیش کردہ آیات سے ظاہر ہے

قرآن حکیم کی ادبی، لسانی اور معنوی خصوصیات بےمثال ہیں،

نقل الفاظ کے اعتبار سے قرآن حکیم اس قدر محکم و متین اور پائیدار ہے اور ایک مستقل اجراء کا ضامن ہے کہ جب تک اس کائنات میں انسان کا وجود ہے مرور زمانہ (اس کے انقلابات) اس میں کسی قسم کا اختلال اور تبدیلی پیدا کرنے پر قادر نہیں ہوگا اور نہ مکان و زمان اس پر اثر انداز ہو سکتے ہیں جس طرح وہ عرب میں پڑھا جاتا تھا اسی طرح مشرق بعید (انڈونیشیا) میں بھی پڑھا جاتا تھا اور جس طرح عرب اور ممالک اسلامیہ میں اس کی تلاوت کی جاتی ہے اسی طرح چین و جاپان اور برونائی میں بھی پڑھا جاتا ہے حوادث عالم کبھی بھی اس میں ایک حرف، ایک لفظ یا زیر و زبر کے تغیر پر قادر نہیں ہوئے اور نہ ہو سکتے ہیں۔

دنیا میں مختلف زبانیں بولنے والے ہیں اور مختلف نسل ہائے انسانی کرہ زمین پر کہیں بھی آباد ہوں اس کے نشر اور پھیلاؤ میں مانع اور مزاحم نہیں ہو سکتی ہیں۔ صحائف سابقہ کے خلاف قرآن اپنے اجراء اور اپنے تحفظ کا خود ضامن ہے کہ کسی وقت بھی اس میں خلل راہ یاب نہیں ہو سکتا، قرآن کریم نے اس کے تحفظ کا خود ذمہ لیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون

"بے شک ہم نے یہ قرآن اتارا ہے اور بے شک ہم ہی اس کے نگہبان ہیں"۔

اختصاص میں بھی عمومیت کا پہلو دار ہونا قرآن کا اعجاز ہے

قرآن حکیم میں جہاں بشارت ہے یا وعید ہے ترغیب و ترہیب ہے، یا ماضی و مستقبل کے احوال کو بیان کیا ہے، قصص و امثال وغیرہ پیش کی ہیں یا حکم و موعظت کے موضوعات کے تحت جس قدر بھی آیات ہیں اگرچہ ان کا نزول ایک مقصد خاص کے تحت ہوا ہے اور قرآن حکیم نے اس مطلب خاص کو حکایت یا قصہ کی صورت میں بیان فرمایا ہے، باوجودیکہ اس کا نزول ایک موضوع خاص کا مورد ہے لیکن اگر حکمت کی نظر سے دیکھئے تو اس خصوص میں بھی ایک عمومیت موجود ہے۔ اختصاص کے ساتھ یہ عمومیت کا پہلو اور کسی کلام میں موجود نہیں ہے۔ قرآن حکیم اگر اس وصف کا حامل نہ ہوتا تو اس کے وہ مخصوص احکام آج کس طرح واجب الامتثال ہو سکتے تھے۔

طویل و قصید آیات اور سورتوں کا فرق اس کے اعجاز پر اثر انداز نہیں ہوتا

کتنی ہی قصید و کوتاہ اور طویل سورۃ کو سامنے رکھ لیجئے اور اس پر غور کیجئے، قرآن حکیم کا اسلوب خاص اور انداز بیان کا کمال دونوں صورتوں میں آپ موجود پائیں گے، ان کی فصاحت میں قصید و طویل ہونے کا باعث کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا، سورۃ الکوثر اور سورۃ الاخلاص میں جو لطف و حلاوت اور عذوبت ہے وہی عذوبت اور جلالت سورۃ البقرہ اور آل عمران میں ہے پس یہ بھی قرآن حکیم کا ایک معجزہ ہے حالانکہ اول الذکر دونوں سورتیں بہت چھوٹی ہیں اور موخر الذکر خاصی طویل ہیں، سورۃ الکوثر پر غور کیجئے کس قدر چھوٹی سورۃ ہے لیکن اس میں بھی چار موضوع ہیں۔ (1) خبر نعمت (2) امر عبادت (3) نوید مسرت (4) ابتلائے دشمن

اعجاز قرآن بحسب ترکیب کلام

نثر میں کلام کرنے پر ناطق کو دسترس حاصل ہے کسی کو کم کسی کو زیادہ کسی کا کلام آراستہ و پیراستہ ہوتا ہے، اثر آفریں اور دل نشین ہوتا ہے اور کسی کا نہیں، اس کا تعلق ناطق کی عمر، تجربہ اور اس کے مبلغ علم سے ہے لیکن منظوم گفتگو کرنے پر بہت ہی کم لوگ قادر ہیں۔ البتہ غور و فکر کے بعد نثر کو نظم میں بدل دینے پر قادر ہیں۔ شاعری اسی غور و فکر کا نام ہے یعنی خیالات و جذبات کا اظہار موزوں کلمات کی ہیئت ہیں۔ پس کلام اس اعتبار سے دو انواع پر مشتمل ہوا، نثر اور نظم، یعنی انسانی کلام حسب الفاظ و ترکیب بیان نظم و نثر پر منقسم ہے۔ لیکن یہ متفقہ فیصلہ ہے اور فیصلہ بھی کن کا ان فصحائے عرب کا جو ایمان تو نہ لائے لیکن قرآن کی ترکیب لفظی کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ وہ اس کو نہ نثر کہہ سکتے اور نہ نظم! یہی وجہ ہے دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر رہی۔

کلام الٰہی اپنے فواصل اور مقاطع کے اعتبار سے نظم تو نہیں لیکن نظم اور کلام موزوں کے مشابہ ہے، قرآن مجید کی تمام سورتوں میں یہ ہم آہنگ مقاطع اور فواصل موجود ہیں لیکن بایں ہمہ وہ نظم جس کا نام خود الہامی زبان میں "وحی" ہے اور انکا مجموعہ قرآن ہے، جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

الرٰ تلک اٰیٰت الکتٰب و قرانٍ مبین

(سورۃ الحجر آیت۔1)

اسی قرآن مبین میں متعدد جگہ قرآن مجید اور قرآن مبین کو "کتاب" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اس کے منثور یا منظوم ہونے کی صفت اور حقیقت کو مشیت الٰہی نے ظاہر نہیں فرمایا اور نہ کلام و ادب کی اس تیسری قسم کو انسان پر ظاہر فرمایا۔ قرآن مجید از اول تا آخر وحی الٰہی ہے اور بس وحی الٰہی کلام بشر کی کسی نوع کے تحت کس طرح آ سکتی تھی اسی باعث نہ وہ نثر ہے اور نہ نظم۔

معارضہ بشری سے تحفظ بھی اعجاز ہے

فصحائے عرب جب معارضہ قرآن پر قادر نہ ہو سکے تو ان سب کو یہ کہتے ہی بن پڑی کہ بقول ولید انسان ایسا کلام کہنے پر قادر نہیں ہے چونکہ نطق، بیان اور فصاحت و بلاغت، موہبت الٰہی کے سوا اور کچھ نہیں وہ جس کو چاہے اور جس قدر چاہے عطا فرما دے۔ لیکن جب یہی کمالات اس کی ذات سے بصورت قرآن (وحی الٰہی) ظہور میں آئے تو ظاہر و باہر ہے کہ انسان کو ان کمالات سے دوسری صفات ذاتی کی طرح بہرہ مند نہیں کیا گیا تاکہ کلام خالق اور مخلوق میں فرق باقی رہے بعض نادانوں اور کم عقلوں نے اس سلسلہ میں جسارت کی لیکن بالکل جسارت بیجا۔ کلام الٰہی کے معارضہ میں اٹھنے والی یہ چند نادان بالکل گمنام ہستیاں تھیں۔ نہ ان کی طاقت لسانی کا شہرہ تھا، نہ فصاحت و بلاغت کے میدان میں وہ کوئی مقام رکھتے تھے۔ چنانچہ مسلیمہ کذاب نے معارضہ قرآن میں یہ کہہ کر اپنی نادانی، جہالت اور سفاہت کے ثبوت کے سوا اور کیا پیش کیا۔

یاضفدع کم شقفتین لالما اکدرین ولاالشرب تمنعین

مجھے اس مقام پر پہنچ کر بے ساختہ اکبر الٰہ آبادی مرحوم کے یہ چار مصرعے یاد آ گئے:۔

کہا منصور نے خدا ہوں میں
ڈارون بولے بوزنہ ہوں میں
ہنس کے کہنے لگے مرے اک دوست
فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

مسلیمہ نے بھی بوزنہ پن ظاہر کر دیا اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ خطاب تو دیکھیئے کس سے کیا ہے۔ ضفدع (مینڈک) سے اور بجز اس کے اور کچھ نہ کہہ سکا کہ تین الفاظ کا سجع پیش کر دیا۔ شفتین، اکدرین، تمنعین اور ان میں بھی حُسنِ معنوی ہے اور حُسن صوری!

ضنیٰ نے بڑا تیر مارا تو بس یہ کہہ کر بیٹھ گیا:۔

الفیل وما الفیل، لہ ذنب وثیل وخرطوم طویل فان ذالک جن خلق ربنا القلیل۔

نصر بن حارث اس کے سوا اور کچھ نہ کہہ سکا:۔

والزراعات زرعا والحاصدات حصد۔ الطاحنات طحنا والعاجنات عجنا والخابزات خبزا واللاقمات لقما۔

کسی عرب نے بھی داد دینا تو درکنار ان کی حماقت کے ان نمونوں پر کان نہیں دھرے حالانکہ ان کو امید تھی کہ منکرانِ قرآن سے اس سجع کی ضرور داد ملے گی۔

بہرحال اعجاز قرآن تو ہر حال میں ایک خرق عادت (معجزہ) تھا اور ہے جس طرح انسان سمندر کے خشک کر دینے یا مردوں کو زندہ کر دنے پر قادر نہیں تھا اور نہ اس کی قدرت واستطاعت میں یہ بات تھی اور نہ ہے، اسی طرح معارضۂ قرآن اس کی دسترس اور قدرت سے باہر تھا اور ہمیشہ رہے گا۔

جس طرح اصحاب فکر ورائے اور صاحبان استدلال کے لیے قرآن ایک اعجاز ہے اسی طرح ان لوگوں کے لیے بھی وہ اعجاز ہے۔ جو فقط حواس ظاہری سے ادراک معانی کرتے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کے لیے بھی جو حواس باطنی سے اس کے دقائق تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ وہ ایک اعجاز ہے وہ جس طرح خردمندان لبیب ومتکلمان بلیغ وفصیح کے لیے معجزہ ہے۔ غرضیکہ لوگوں کے تمام مختلف طبقات کے لیے جس میں دانشور بھی شامل ہیں اور سادہ لوح بھی صاحبان ذکاوت بھی ہیں اور علوم سطحی رکھنے والے بھی ہر ایک اپنے اپنے ذوق اور شعور کی رسائی کے اعتبار سے قرآن کے الفاظ ومعانی سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔

اصحاب علم وفضل نے اس کلام ربانی کی تفاسیر لکھیں ہر ایک نے اپنے مبلغ علم رسائی فہم سے قلم اٹھایا لیکن یہ دعوی کوئی بھی نہ کر سکا کہ ہم نے معانی قرآن اور اس الہامی کتاب کے نکات کماحقہ واضح کر دیئے۔ آج یہ تفاسیر موجود ہیں۔ تصریح وتشریح کا یہ بین فرق ان میں آپ کو بخوبی نظر آئے گا۔

بلغ العلیٰ بکمالہ

کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ

صلوا علیہ وآلہ

علوم القرآن

علامہ سید منظور احمد شاہ

علم سائنس اور قرآن کریم

سائنس کی تحقیقات یہ ہے کہ زمین اپنے دونوں کناروں سے سکڑتی جاتی ہے قرآن مقدس نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا : اولم یروا انا ناتی الارض ننقصها من اطرافها صرف یہی ایک واقعہ نہیں بلکہ اس وقت دنیا کا عظیم ترین کارنامہ تسخیر چاند ہے جس سے انکار مشکل ہو جاتا ہے، بعض لوگوں نے اس واقعہ کو اسلام کے خلاف قرار دیا اور اس سے انکار کر دیا مگر چشم بینا کے لئے اس میں خلاف اسلام کوئی بات دکھائی نہیں دیتی چنانچہ اس بات پر چند سطور رکھتا ہوں کہ راکٹ اگر چاند پر پہنچ جائے تو قوانین شرعیۂ اسلامیہ میں تو کوئی حرج نہیں ؟

راکٹ اور اسلام

راکٹ اگر چاند تک پہنچ گیا ہے تو سائنس کا یہ کارنامہ اصول شرعیہ کے ہرگز منافی نہیں، آسمان کے نیچے زمینی مخلوق اگر مادی وسائل سے کسی غیر معمولی بلندی پر پہنچ جائے تو شریعت اس میں مزاحم نہیں ہے، شیاطین بنص حدیث آسمان تک پہنچ جاتے تھے جن پر بالآخر پہرہ لگا کر ان کا آسمانوں کے دروازوں کے پاس پہنچنا روک دیا گیا، ظاہر ہے ان کی یہ پہنچ کسی روحانی طاقت پر مبنی نہ تھی بلکہ خالص مادی اور عنصری قوت کا اثر تھی، اسی طرح اگر انسان بھی کسی مادی قوت کی لطافت سے چاند تک یا اس سے اوپر آسمان تک کی مسافت طے کرے تو یہ آسمان سے نیچے ہی نیچے کی بات ہے جو شرعاً ناممکن نہیں ہے بلکہ انسان کا آسمانوں میں داخل ہو جانا بھی شرعاً امر محال نہیں مگر اس کے لئے پہلی شرط تو یہ ہے کہ اسے آسمانی عالم سے مناسبت ہو ظاہر ہے کہ آسمانی عالم ملکیت کا جہان ہے جہاں تجرد اور روحانی لطافت ضروری ہے لہٰذا وہاں وہی جا سکتا ہے جو یا خود ملک ہو یا بشر ہو تو اس پر ملکیت کا علی وجہ الاتم غلبہ ہو جیسے انبیاء علیہم السلام کا مقدس گروہ ، دوسری شرط یہ ہے کہ اذنِ خداوندی ہو مگر وہ کمال روحانیت کے ساتھ مشروط ہے، خالص مادی مزاج افراد جو روحانیت سے کورے ہوں آسمانوں میں داخل نہیں ہو سکتے جیسا کہ شیاطین کو آسمانوں کے دروازوں تک بھی جانے سے روک دیتے سے ظاہر ہے اور ایسے ہی بھرپور روحانیت کے ہوتے ہوئے اذنِ خداوندی شرط ہے جو روحانیت کاملہ کے ساتھ مشروط ہے جیسے کہ حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شب معراج میں اذنِ صریح کے بعد آسمانوں کے دروازوں سے داخل کئے جانے سے ظاہر ہے۔ پس آسمانوں میں جس کو قرآن نے بناء اور مستحکم عمارت سے تعبیر کیا، پھر اس کے لئے دروازے ثابت کئے، پھر ان دروازوں پر مستعد ملائکہ کا پہرہ ثابت کیا ان دو شرطوں کے ساتھ ہی داخلہ ممکن ہے، اولاً غلبۂ ملکیت اور ثانیاً صاف اور صریح اذنِ خداوندی جو اس روحانیت کے ساتھ مشروط ہے اس کے بغیر آسمانوں میں داخل ہو جانے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا لیکن آسمان سے نیچے کی بلندی تک پہنچ جانے تک چاند ہو یا ستارے روحانیت ضروری نہیں، مادی وسائل کے ساتھ بھی یہ سفر ممکن ہے جس سے قواعدِ شرعیہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا نصوص کے نقول میں طوالت تھی، بریں بنا اجمال پر اکتفا کیا گیا ہے۔

سفرِ چاند کا تصور اور قرآنِ حکیم

موجودہ دور کے اس مسئلہ کو قرآنِ مقدس نے نہایت واضح الفاظ میں فرما دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ عروجِ قمر یا تسخیرِ قمر از قبیل محالات ہرگز نہیں، ارشاد ہوتا ہے

پہلی دلیل یٰمعشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السمٰوات والارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطان ؕ اس آیتِ کریمہ میں واضح طور پر ثابت ہے کہ زمین و آسمان کی بلندیوں کو طے کر لینا محال نہیں، یہاں لفظ اقطار بھی قابلِ غور ہے جو قطر کی جمع ہے، قطر گول کرّوں کا دل، ہماری زمین کا قطر ۸ ہزار میل اور محیط ۲۵ ہزار میل مانا گیا ہے، دوسرا قابل غور لفظ "سلطان" ہے جس کا معنی زبردست قوت، غلبہ دلیل کے ہیں، اسی سے لفظِ سلطہ بھی ہے جس کا معنی ہے پتلا لمبا تیر، اگر اس کو راکٹ جو پتلا، لمبا تیر کا سا ہوتا ہے استدلال قائم کر لیا جائے تو اصولِ شرعیہ میں کوئی قباحت نہیں آتی۔

دوسری دلیل قرآنِ مقدس فرماتا ہے لتركبن طبقا عن طبق فما لهم لا يؤمنون

لفظ لَتَرکَبُنَّ قابلِ غور ہے جس سے مرکب کا تصور بھی نمایاں ہوتا ہے اگرچہ ہمارے مفسرین نے اس سے انسانی نشو ونما، ترقی اور بڑھنے کو مراد لیا ہے تاہم آیہ کا عموم بتاتا ہے کہ انسان درجہ بدرجہ ترقی کرے گا اور سیاروں میں بڑھنا بھی اسی میں شامل ہے۔

خلانوردوں کا لباس اور قرآنِ حکیم

موجودہ دور میں چاند تک پہنچنے کے لئے جن انتظامات کی شدید ضرورت تھی اور سائنس نے بڑی مشکل اور تجربہ کے بعد آگ سے محفوظ رکھنے والا لباس تیار کر لیا جسے خلانورد پہن کر چاند تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، قرآنِ مقدس نے ڈیڑھ ہزار برس پہلے اس کی طرف اشارہ فرما دیا تھا واللہ جعل لکم سرابیل تقیکم الحر وسرابیل تقیکم باسکم۔

متعدد زمینوں کا تصور اور قرآنِ کریم

ایک عرصہ تک سائنس دانوں کو اس امر کا یقین نہ آیا تھا کہ ہماری زمین کی طرح کوئی دوسری زمین بھی ہے آج یقین سے کہہ رہے ہیں کہ دوسری زمین کا وجود ثابت ہو چکا ہے، قرآنِ مقدس نے ڈیڑھ ہزار برس پہلے فرما دیا تھا اللہ الذی خلق سبع سمٰوات ومن الارض مثلهن / ۲

سیاروں میں مخلوق کا تصور اور قرآنِ کریم

اس حقیقت کو قرآن مقدس نے اس انداز میں ذکر فرمایا ہے: ومن اٰیٰتہ خلق السمٰوٰت والارض وما بث فیہما من دابۃ [۱] اس آیہ پاک سے عیاں ہوتا ہے کہ زمین و آسمان میں دابہ ہیں زمین پر چلنے والی شئے کو دابہ سے تعبیر کیا جاتا ہے: الدابۃ ما یدب علی الارض [۲] قرآنِ مقدس نے دوسرے مقامات پر واضح فرمادیا: وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا [۳] کہ ہر دابہ کا رزق اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے رکھا ہے اب رہا یہ اشکال کہ دابہ تو عام جانور سے تعبیر کیا جاتا ہے انسان کے لئے تو نہیں؟ جواب واضح ہے کہ دابہ میں انسان یقیناً داخل ہے جیسے مذکورہ بالا آیات سے عیاں ہے؛ نیز قرآن مقدس نے دوسرے مقام پر واضح فرمایا ہے وہاں لفظِ دابہ انسان کے لئے استعمال فرمایا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے ولو یؤاخذ اللہ الناس بظلمہم ما ترک علیہا من دابۃ ولکن یؤخرہم الیٰ اجل مسمی [۴] پارہ ۱۴:

اس آیہ پاک میں دابہ کا استعمال (غالباً) انسان کے لئے گیا گیا ہے اگر کسی نے اس کے خلاف کوئی معنی کیا بھی تو بھی ہمارا استدلال واضح ہے۔

ایٹم بم کا تصور اور قرآنِ حکیم

موجودہ دور کی اہم شئے ایٹم بم بھی ہے جس کا ثبوت قرآنِ مقدس کی آیہ پاک سے ملتا ہے: وقال الذین کفروا ھل ندلکم علی رجل ینبئکم اذا مزقتم کل ممزق انکم لفی خلق جدید [۲] اس آیہ پاک لفظ (کل ممزق) قابلِ توجہ ہے جس کا معنی ذرہ کا آخری درجہ (یا جزء لایتجزیٰ) ایٹم بم کی تحقیق کا راز بھی ایسے ہی ذرات میں مضمر ہے۔

آواز کے بقا کا تصور اور قرآنِ حکیم

موجودہ دور میں سائنس کا اہم کرشمہ ریڈیائی لہروں کے ذریعہ آواز کو دور دراز خطوں میں پہنچانا بھی ہے جو واقعی قابلِ تعجب ہے اس میں فلسفہ یہ ہے کہ آواز منہ سے نکلنے کے بعد فنا نہیں ہوتی بلکہ فضا میں بدستور گھومتی رہتی ہے اگر کوئی طاقتور آلہ اسے پکڑنا چاہے تو پکڑ بھی سکتا ہے چنانچہ اربابِ سائنس نے بھی جدوجہد کے بعد یہ کر تلاش کرلیا اور اخذِ صوت پر کامیاب ہوگئے اب ریڈیو سٹیشن سے نکلنے والی آواز پوری دنیا میں گھوم رہی ہے جس کا انکشاف آج ہو رہا ہے، قرآنِ مقدس نے ڈیڑھ ہزار برس قبل واضح فرمادیا تھا: ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید [۱]

علمِ استدلال اور قرآنِ حکیم

استدلال کے ذریعہ اپنے نظریہ کو مستحکم کرنا مخالف کو لاجواب بنانا ایک اہم علم ہے اور یہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعہ اپنے کمالات، حقائق کو عوام پر انسان واضح کر سکتا ہے اور حق کو باطل پر غالب کر سکتا ہے، اگر کسی عالم میں قوتِ استدلال نہیں تو مخالف کا سامنا کرنے سے کتنی کتراتا ہے، قرآنِ مقدس نے اس اہم علم کی طرف اس طرح اشارہ فرمایا ہے:۔ لو کان فیہما اٰلہۃ الا اللہ لفسدتا [۲] اگر زمین و آسمان کے درمیان اللہ کے بغیر کوئی دوسرا الٰہ ہوتا تو فساد ہو جاتا چونکہ زمین و آسمان کے اندر فساد بھی نہیں لہٰذا معلوم ہوا رب العزت جل مجدہ کے علاوہ کوئی دوسرا الٰہ بھی نہیں تو یہ آیہ شریفہ اس اہم علم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

علمِ فرائض اور قرآنِ کریم

انسانی زندگی کے دو پہلو نمایاں ہیں پہلا اہم مرحلہ ابتداء سے موت تک ہے اس میں ہونے والے واقعات کو ہر ایک اپنی فہم کے مطابق سلجھا لیتا ہے اس کے مرجانے کے بعد جو اس کی اولاد، رشتہ داروں، عزیز و اقارب سے پیش آنے والے اور آپس میں اتحاد یا نفاق کو فروغ دینے والے امور ہیں وہ میت کے ترکہ تقسیم کے لئے ضروری تھا کہ کوئی ایسا ضابطہ حاوی ہو تو خدائے قدوس جل مجدہ نے قرآنِ مقدس میں ان تمام حصص کا تعین فرمادیا جس میں جھگڑے کا احتمال ہو سکتا تھا یوصیکم اللہ فی اولادکم [۳] اور اس سے متعلق دوسری آیات میں وضاحت کے ساتھ علم فرائض کو واضح فرمادیا گیا ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک واضح اور بلیغ خطبہ میں فرمایا:۔

"اے لوگو! میں تم میں ہمیشہ نہیں رہوں گا، علمِ فرائض کو سیکھ لو"۔

اور دوسری جگہ فرمایا "لوگوں کو سکھاؤ"۔

ایک اور مقام پر فرمایا:۔

"اے لوگو! فرائض سیکھو اس لئے کہ وہ نصف علم ہے، سب سے پہلے جو علم میری امت سے اٹھا لیا جائے گا وہ فرائض ہے"۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حضور علیہ السلام نے فرمایا:

"جو شخص قرآنِ مقدس کو پڑھے اس کو فرائض بھی سیکھ لینا چاہئے"۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

"جو شخص قرآن سیکھے اور فرائض نہ سیکھے وہ ایسا ہے جیسے بے چہرہ سر ہو جو پہچانا بھی نہیں جا سکتا"۔

قرآنِ مقدس نے اس اہم علم کو نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں واضح فرمادیا پھر اس علم کی تشریح میں علماء و فقہاء نے بہت طویل کتب تحریر کیں۔

علمِ ہیئت اور قرآنِ کریم

اس اہم علم کی طرف قرآنِ مقدس نے اپنے ارشاد میں اس طرح واضح فرمایا ہے اولم ینظروا فی ملکوت السمٰوٰت والارض [۱] خدائے قدوس جل مجدہ نے یہ فرما کر اپنے بندوں کو مشاہداتِ فلکی اور اجرامِ علوی کی طرف متوجہ کر دیا، اسی ایک ارشاد نے اہلِ علم و دانش لوگوں کو وہاں کی بلندیوں کو طے کرنے کی توجہ دلائی ہے۔

علمِ ہندسہ اور قرآنِ حکیم

اس اہم علم کی طرف قرآنِ مقدس نے اپنے اس ارشاد میں وضاحت کی ہے کہ بندے متوجہ ہوں انطلقوا الیٰ ظل ذی ثلٰث شعب [۱]

علمِ طب اور قرآنِ حکیم

اس اہم اور لطیف عمدہ علم کی طرف قرآنِ مقدس نے توجہ دلائی ہے، ارشاد ہوتا ہے وکان بین ذٰلک قواما، شراب مختلف الوانہ [۲] دوسری جگہ پر ارشاد ہوتا ہے: کلوا واشربوا ولا تسرفوا [۳] تیسری 〃 〃 : وشفاء لما فی الصدور [۴]

ان ہرسہ آیات سے علمِ طب کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

علمِ حساب اور قرآنِ حکیم

یہ واضح امر ہے کہ دنیا کا نظم و ضبط مکمل طور پر حساب سے چل رہا ہے وہ حساب دنیوی معاملات سے متعلق ہو یا دینی معاملات سے، اس آیہ میں علم حساب کی طرف اشارہ ہے : لتعلموا اعدد السنین و الحساب ۔

علمِ فلاحت اور قرآنِ حکیم

اس علم کی طرف قرآنِ مقدس نے وضاحت فرمائی، فلاحت (کاشتکاری) اہم کام ہے اس میں بہت عمدہ باتیں پائی جاتی ہیں جو دوسرے پیشوں میں ناپید ہیں کاشتکاری کی جانب اشارہ ہوتا ہے : افرأیتم ما تحرثون. کاشتکاری ایک اہم پیشہ ہے میرے نزدیک زراعت، تجارت، صنعت و حرفت کی نسبت محتاط پیشہ ہے ہادیٔ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

ما من مسلم یغرس غرسا او یزرع زرعا فیاکل منہ انسان او بہیمۃ الا کان لہ حسنات الی یوم القیٰمۃ ۔

ایک اور حدیثِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے :۔

ان الملائکۃ تستغفر للزارع اوللغارس مادام زرعہ اخضر

بظاہر زراعت کا تعلق آخرت سے بے جوڑ معلوم ہوتا ہے لیکن اگر کاشتکار کی نیت صالح ہے تو بہت سے سعاداتِ اخروی بھی اسے حاصل ہو سکتے ہیں۔

ایک اور حدیثِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ ہاتھ کی کمائی کو برکت فرمایا گیا : احل ما اکل الرجل من کسب یدیہ. انسان کا سب سے حلال کھانا وہ ہے جو ہاتھ سے کما کر کھائے اسی طرح صنعت و حرفت کے بارہ میں بھی فرمایا گیا ہے : ان اللہ یحب المومن المحترف. اللہ تعالیٰ مسلمان کاریگر کو پسند فرماتا ہے، حلال کمائی کے فوائد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا :۔

من اکل الحلال اربعین یوما نور اللہ وجھہ و اجری ینابیع الحکمۃ من قلبہ علی لسانہ "جو شخص چالیس دن تک حلال رزق کھائے اللہ تعالیٰ اس کے چہرہ کو منور فرما دیتا ہے اور حکمت کے چشمے اس کے دل پر جاری کر دیتا ہے"۔ (المدخل)

اس کے برعکس حرام کی کمائی کے بارہ میں فرمایا :۔

"حرام روزی سے پلا ہوا گوشت جہنم کا زیادہ حق دار ہے"۔

حلال کمائی میں ہاتھ کی کمائی کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے اس میں فلاحت سب سے آگے ہے۔

جلیل القدر امام عارف باللہ ابو محمد فرماتے ہیں :۔

اعلموا ان الھمم قد تقاصرت عن العبادات والانقطاع الی اللہ فعلیکم بالزراعۃ فانہا تحصل الاجر الکثیر اذا ادھا المکلف او لم یردھا.

"لوگ عبادت میں کوتاہی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے بے توجہی برتتے ہیں لہٰذا اس نازک دور میں تم کھیتی باڑی میں لگ جاؤ اس لئے کہ تم چاہو یا نہ چاہو تمہیں اس میں منافع بہت ملے گا"۔

اگر اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہر طبقہ کے لوگ ہر پیشہ کے افراد کھیت میں ہل اور بیل لئے نظر آئیں گے، خود صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بھی بہت لوگ اس صفت سے متصف نظر آتے ہیں اور بعض باغات میں پھل چنتے دکھائی دیں گے باغات کی دیکھ بھال بھی فلاحت میں شامل ہے، قیس بن ابی جعفر فرماتے ہیں کہ تمام مہاجرین ثلث اور ربع پر کھیتوں میں کام کرتے تھے، عربی الفاظ یہ ہیں :۔

ما کان بالمدینۃ اھل بیت ھجرۃ الا یزارعون علی الثلث والربع والزارع علی و سعد بن مالک ۔

سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ یزید بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو پودا لگاتے دیکھا تو ان کو شاباش دی اور فرمایا، تم نے ٹھیک کام کیا ہے، کم از کم اب دوسروں کی محتاجی تو نہیں رہی۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں :۔

اصبت استغن الناس

"تم نے اچھا کیا، دوسروں کے دستِ نگر تو نہیں"۔

عہدِ رسالت میں کھیتی باڑی اور باغ باغیچے اسلامی مکاتب و مدارس بن گئے تھے ان میں کام کرنے والے اور ان کے مالک اپنے ذاتی کام کے ساتھ ساتھ اپنا علمی کام بھی کیا کرتے تھے گویا انہوں نے اپنی جائیداد اور زمین کی کاشت علم کی داشت اور کاشت کا بھی ذمہ لے لیا تھا۔

سیدنا براء ابنِ عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :۔

لیس کلنا یسمع حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت لنا ضیعۃ و اشغال ولکن الناس کانوا لا یکذبون یومئذ فتحدث الغائب الشاھد۔

"ہم تمام لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث براہِ راست آپ سے نہیں سنتے تھے کیونکہ ہمارے پاس زمین اور جائیداد اور دوسرے کام رہا کرتے تھے بلکہ صورت یہ تھی کہ اس زمانہ میں لوگ جھوٹ نہیں بولتے تھے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر غائب کو مسائل سمجھا دیتے تھے

اس اقتباس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک کسان کے لئے علم دین اور مسائلِ اسلامی کا جاننا کتنا ضروری ہے کیونکہ اسلام نے جہاں ضروریاتِ زندگی کے دوسرے شعبوں میں اصلاح کی وہاں زراعت کے شعبہ میں قابلِ فخر اصلاح کی اور زراعت سے متعلق بہت سے مسائل بیان فرمائے جن کے بغیر کھیتی نہ دنیا کے لئے اور نہ آخرت کے لئے مفید ثابت ہو سکتی ہے اور نہ ہی آخرت میں اس کا اجر مل سکتا ہے اس لئے کسان کو محنتِ شاقہ اور عرق ریزی کے ساتھ ساتھ مسائلِ دینیہ کا واقف ہونا بھی ضروری ہے تاکہ اسلامی طریق پر زراعت ہو سکے اور عشر، سقایت، شرب مزارعہ اور دوسرے مسائل خود کاشتکار جان سکے۔

آج کل زراعت کو عموماً جاہل، جانگلی اور غیر مہذب افراد کا پیشہ سمجھا جاتا ہے، افسوس کی بات یہ ہے کہ خود زراعت پیشہ سے وابستہ احباب بھی اسے محبت سے نہیں دیکھتے، ایک کسان دل و دماغ عقل و فکر کے صحیح ہونے کے باوجود تعلیم سے محروم رہ جاتا ہے کہ آخر کار اسے کھیتی باڑی کا کام کرنا ہے حالانکہ زراعت کوئی مشغلہ نہیں ہے جسے علم سے ضد ہو بلکہ سلفِ صالحین کے حالاتِ زندگی پڑھیں تو بہت سے بزرگانِ دین اس مشغلہ سے وابستہ نظر آتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ اسے ذریعۂ معاش سمجھتے ہیں بلکہ توشۂ آخرت بھی یقین جانتے ہیں کہ نہ معلوم کس قدر کیڑوں مکوڑوں چیونٹیوں اور دوسرے نامعلوم پرندوں نے اس سے کھایا اور اسکی برکت کے لئے بزبانِ حال دعائیں دیتے ہیں اور کتنے مظلوم اس سے پلے ہیں جن کی دعاؤں سے عرشِ الٰہی بھی متزلزل ہو جاتا ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

ما من مسلم یغرس غرسا او یزرع زرعا فیاکل منہ انسان او طیر او بہیمۃ الا کانت لہ صدقۃ۔

"جو مسلمان زمین کاشت کرے یا کوئی پودا لگائے اس سے پرندہ یا کوئی دوسرا جانور کھائے وہ اس کے لئے صدقہ بن جاتا ہے ایسے ہی اگر کھیت یا باغات سے چوری ہو جائے اور شرارت پسند لوگ اسے نقصان پہنچائیں تو وہ بھی صدقہ میں شمار کیا جاتا ہے"۔

جیسے کہ حدیثِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہے :۔

فی روایۃ لمسلم عن جابر ما سرق منہ لہ صدقۃ۔

اور روایت ہے جسے صاحبِ مشکوٰۃ نے دارمی سے نقل کیا ہے

من احیا ارضا میتۃ فلہ فیہا اجرھا اکلت منہ العافیۃ فھو لہ صدقۃ۔

"جس نے کسی بنجر زمین کو کاشت کے قابل بنایا اس کے لئے اس میں اجر ہے اور اس میں سے جتنا کسی مستحق جانور نے کھایا اس کے حق میں صدقہ ہوگا"۔

محاضراتِ اسلامیہ میں ہے :۔

"اگر انسانوں کو معلوم ہو جائے کہ ویران زمین کو آباد کرنے میں کتنا اجر ہے تو روئے زمین پر کوئی بھی ویرانہ باقی نہ رہے"۔

محاضراتِ اسلامیہ کی عربی عبارت ہے :۔

لو علم عباد اللہ فی احیاء الارض لم یبق وجہ الارض خراب۔

ویسے تو ہر زمانہ میں متوکلین کی جماعت رہی ہے جن میں بعض اعلےٰ مرتبہ کے ہوتے ہیں بعض اوسط درجہ کے اور بعض ادنےٰ درجہ کے۔

کاشتکار بہترین متوکل ہوتا ہے

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ کچھ یمنیوں نے ملاقات کی آپ نے پوچھا تم کیا کام کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم متوکلین ہیں تو آپ نے مسکرا کر فرمایا :۔

کذبتم ما انتم متوکلون انما المتوکل الذی القی حبۃ فی الارض و توکل علی اللہ۔

"تم غلط کہتے ہو، متوکل دراصل وہ ہیں جو زمین میں بیج ڈال دیتے ہیں، پھر اللہ تعالےٰ پر توکل کرتے ہیں"۔

اگر کاشتکاری نیک نیتی کے ساتھ کی جائے تو انہیں نتائج پر مبنی ہو سکتی ہے۔

علمِ سیاحت اور قرآنِ حکیم

اس علم کی طرف قرآنِ مقدس نے اس آیۂ پاک میں ارشاد فرمایا ہے :۔

قل سیروا فی الارض

سیر سے بہت سے نتائج مرتب ہوتے ہیں مناظرِ قدرت دیکھ کر طبیعت میں محبتِ خداوندی موجزن ہوتی ہے اور قربِ الی اللہ کا ذریعہ بنتی ہے، کھنڈرات دیکھنے کا اتفاق ہو تو دنیا کے فانی ہونے کا یقین ہوتا ہے جو روحانیت کے اضافہ کا سبب بنتا ہے۔

علمِ جبر و مقابلہ اور قرآنِ حکیم

خصم کو مرعوب دلا جواب کرنے کے لئے اس علم کی اشد ضرورت ہے حق کے ظہور اور باطل کے نفور کے لئے یہی ضروری ہے کہ اس علم سے وابستگی ہو قرآن مقدس نے

حروفِ مقطعات الٓمٓ، طٰہٰ، حٰمٓ عٓسٓقٓ، کٓھٰیٰعٓصٓ، الٓرٰ وغیرہ سے اسی علم کی طرف اشارہ کیا ہے

علمِ نجوم اور قرآنِ حکیم

اس اہم علم کی طرف قرآنِ مقدس نے یوں اشارہ فرمایا ہے :۔

والنجوم مسخرٰت بامرہ

علمِ نجوم کی تعریف ھو علم یستدل بہ من التشکلات الفلکیۃ علی الحوادث الکونیۃ۔

"وہ ایسا علم ہے جس کے ذریعہ ہونے والے حوادث کا پتہ لگایا جا سکتا ہے"۔

بخاری شریف میں ہرقل کے بارہ میں ہے وکان رجلا حذاء ینظر فی النجوم امام بخاری پر بھی اعتراض ہوتا ہے کہ انہوں نے حدیث شریف میں نجوم کا ذکر کیوں کیا، چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت صادقہ کے لئے ہر طرف سے دلائل صحیح ملے برین بنا درج فرما دیا، امام بخاری نے اس علم پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے السرّ المکتوم فی اسرار النجوم۔

علمِ نجوم کی شرعی حیثیت اگر ستاروں میں اثر پیدا کرنے والی ذاتِ والاصفات اللہ جل مجدہٗ کو مستقلاً خالق و فاعل مانا جائے تو علومِ نجوم میں اندازہ لگانے میں مضائقہ نہیں ہے اگر ستاروں کو حقیقی فاعل مان لیا تو یہ شرک ہوگا۔

علمِ نجوم کی تین قسمیں

پہلی قسم حسابی یہ صحیح درست ہے فقط حساب تک ہی رہے اور اثر پذیری کا تصور سیاروں سے وابستہ نہ ہو تو حرج نہیں ہے۔

دوسری قسم، طبعی نجوم طبعی یہ ہے کہ آثارِ نجوم سے عالم عناصر میں تغیر طبعی ہو جیسے تغیر فصول وغیرہ۔

تیسری قسم، وہمی اسے علم الاحکام بھی کہتے ہیں: ان یستدل من اقترانات النجوم علی حوادث الکون، اسے علماء نے ممنوع قرار دیا ہے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ استدلال مطلقاً حرام ہے، صاحبِ ہدایہ برہان الدین مرغینانی لکھتے ہیں کہ نجوم کی قسمِ حسابی ھو حق کما قال اللہ تعالیٰ والشمس والقمر بحسبان ہے اگر استدلال طبعی ہے جیسے مریض کی نبض سے طبیب حالات کو بھانپ لیتا ہے تو اس میں حرج نہیں ہے اگر ایسا نہیں تو یہ جائز نہیں ہے۔

جب ستاروں کا اجتماع کسی ایک برج میں ہوتا ہے تو کوئی اہم کارنامہ انجام ہونا ہوتا ہے، ماہرینِ نجوم کا کہنا ہے تین مرتبہ ستارے ایک برج میں اکٹھے ہوئے، پہلی مرتبہ ۱۲ ربیع الاوّل ۲۲ سنہ اپریل، دوسری مرتبہ جب حضور علیہ السلام کی عمر ۲۱ برس کی ہوئی تیسری مرتبہ ۱۷ رمضان پہلی وحی کے وقت۔

علمِ تصوف اور قرآنِ حکیم

اس مقدس اور مبارک علم کی طرف قرآنِ مقدس نے اس طرح اشارہ فرمایا :۔

یحبهم و یحبونه

"کہ ربِ قدوس جل مجدہ اپنے نیک بندوں سے محبت فرماتا ہے اور وہ نیک بندے ربِ قدوس سے محبت رکھتے ہیں"۔

قربِ خداوندی اور وصلِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل اور بنیاد اول محبت ہے اگر محبت ہے تو دل میں نور، ذوقِ عشق کی فراوانی ہوگی اور خدائے قدوس جل مجدہ کی رحمت و برکات کے دروازے کھلیں گے، خدائے قدوس جل مجدہٗ نے قرآنِ مقدس میں متعدد مقامات پر محبت کا ذکر فرمایا ہے :۔

ان اللہ یحب المحسنین — اللہ محسنین سے محبت فرماتا ہے

دوسری جگہ ارشاد ہے: ان اللہ یحب المقسطین — اللہ تعالیٰ عادلوں سے محبت فرماتا ہے۔

تیسری ،، : ان اللہ یحب التوابین — اللہ تعالیٰ توبہ کرنیوالوں سے محبت فرماتا ہے۔

چوتھی ،، : ان اللہ یحب الصّٰبرین — اللہ تعالیٰ صابروں سے محبت فرماتا ہے۔

پانچویں ،، : ان اللہ یحب المتطہرین — اللہ پاک صاف رہنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔

اسی طرح جب اپنے دشمنوں سے بیزاری کا ذکر فرمایا تو وہاں بھی لفظِ محبت کے معدوم ہونے کا ذکر فرمایا :۔

ان اللہ لا یحب المعتدین — برائی کی اشاعت اللہ کو ناپسند ہے۔

علمِ تاریخ اور قرآنِ حکیم

قرآنِ حکیم نے اس اہم علم کا ذکر عملی طور پر انبیائے کرام کے واقعات کا ذکر کرکے فرمایا۔

علمِ فن و شعر اور قرآنِ حکیم

والشعراء یتبعہم الغاون سے ارشاد ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ عمومی شاعر غلو، مبالغہ سے لبریز کلام پیش کرتے ہیں ہاں! وہ شعر جو توحید و رسالت کے ساتھ وابستہ ہیں وہ مقدس ہیں، قابلِ عمل ہیں، سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعتیہ کلام لکھا کرتے تھے۔

فنِ تعمیر اور قرآنِ حکیم

کل بناء و غواص میں فنِ تعمیر اور فنِ غوطہ زنی کی طرف واضح اشارہ ہے۔

فنِ کتابت اور قرآنِ حکیم

علم بالقلم سے فنِ کتابت کی جانب واضح اشارہ موجود ہے۔

فنِ طبخ اور قرآنِ حکیم

کھانے پکانے کا ایک فن ہے جس کی طرف اس آیہ میں اشارہ ہے: فجاء بعجل حنیذ، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس ملائکہ پہنچے تو آپ نے انہیں بھونا ہوا گوشت پیش کیا، اسی امر کی طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے۔

فن کیالت و وزن

اس علم کی اہمیت یوں واضح ہے کہ حقوق العباد اس کا اہم حصہ ہے قرآنِ مقدس فرماتا ہے : واوفوا الکیل والمیزان۔

علم الاحکام اور قرآنِ حکیم

اس میں علمِ احکام واجب، مستحب، حلال، حرام، جائز، مکروہ عبادات معاملات تدبیرِ منزل، ملکی سیاسیات، اخلاق، تہذیب نفوس، حسنِ معاشرت، معیشت یا معاش سے متعلق سب اس میں داخل ہیں۔

علم مخاصمۃ الکفار

یعنی وہ آیات جو یہود و نصاریٰ مشرکین اور منافقین کے ساتھ مناظرہ سے تعلق رکھتی ہیں اور جن میں ان کے خلاف حجت و دلائل بیان کئے گئے ہیں قرآنِ کریم نے اس موضوع پر تفصیلی بیانات دیئے ہیں۔

علمِ تذکیر بایام اللہ

یعنی وہ آیات جن میں امم سابقہ کے وہ حالات اور واقعات جن سے آئندہ نسلوں اور لوگوں کو عبرت و ہدایت نصیب ہو مثلاً اطاعت والوں کا حال اور ان پر انعاماتِ الٰہی اور کراماتِ ربانی کی بارش یا نافرمانوں کے واقعات اور ان پر قہر و غضب

علمِ تذکیر بالموت و مابعد الموت

یعنی وہ آیات جن سے موت، عذاب، ثواب، حشر نشر، حساب کتاب، جنت و دوزخ وغیرہ وغیرہ کا اثبات ظاہر ہے قرآنِ مقدس نے ان علوم کا ذکر اس قدر صریح انداز میں فرما دیا ہے کہ کوئی شک باقی نہیں رہ جاتی۔

علمِ تعبیر اور قرآنِ حکیم

اس اہم علم کی تعریف قرآنِ مقدس نے یوں ذکر فرمائی : وعلمتنی من تاویل الاحادیث

سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے خواب کی تعبیر فرمائی، جب انہوں نے عرض کی :۔

انی رأیت احد عشر کوکبا و الشمس و القمر رأیتهم لی سٰجدین۔

اے والد گرامی! میں نے خواب دیکھی ہے کہ گیارہ ستارے، چاند اور سورج مجھے سجدہ کر رہے ہیں، سیدنا یوسف علیہ السلام دوسرے سیدنا یوسف علیہ السلام دوسرے علوم و فنون کے کمالات کے علاوہ علمِ تعبیر میں ید طولیٰ رکھتے تھے، آپ نے قیدیوں کے خوابوں کی تعبیر فرمائی۔

قیدیوں کا خواب جب آپ کے ساتھی دو قیدیوں نے جو بادشاہ کو زہر کھلانے کے الزام میں جیل بھیج دیئے گئے تھے سیدنا یوسف علیہ السلام کے خصائص دیکھے تو دونوں نے سیدنا یوسف علیہ السلام سے اپنے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی: قال احدهما انی ارانی اعصر خمرا ایک نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ میں بادشاہ کی شراب نچوڑ رہا ہوں وقال الاخر انی ارانی

احمل فوق رأسی خبزا تاکل الطیر منہ۔ اور دوسرے نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ میں نے ٹوکرا روٹیوں کا سر پر رکھا ہوا ہے اور پرندے اس میں سے کھا رہے ہیں: نبئنا بتاویلہ انا نرٰئک من المحسنین ہمیں اس خواب کی تعبیر دیجئے! ہم آپ کو احسان جاننے والوں سے جانتے ہیں یعنی آپ دینی حیثیت سے بلند مقام پر ہیں، پیشانی بتلا رہی ہے کہ آپ کمال زتبہ کے مالک ہیں حضرت یوسف علیہ السلام نے جب ان کے اعتقاد اور میلان کو دیکھا تو موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے خیال کیا کہ تعبیر بعد میں دوں پہلے ان کو تبلیغ کر لوں شاید یہ قبول کر لیں اور ان کو نفع ہو اس لئے فوراً تبلیغ کی طرف متوجہ ہو گئے لیکن ساتھ یہ بھی فرما دیا، وعظ مختصر کہوں گا اور تم کو جلدی ہی خواب کی تعبیر بتا دوں گا، کھانا آنے سے پہلے پہلے

تعبیر بتا کر فارغ ہو چکوں گا۔ یہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس لئے فرمایا کہ اگر تبلیغ میں کچھ دیر بھی ہو جائے تو یہ لوگ اکتا نہ جائیں اور میری طرف پوری طرح متوجہ ہیں اس سے معلوم ہوا کہ وعظ ایسے طریقے سے کرنی چاہئے کہ لوگ اکتا نہ جائیں، فرمایا: ذٰلکما مما علمنی ربی انی ترکت ملۃ قوم لایؤمنون یعنی تعبیر خواب میں میں کوئی منجم یا کاہن نہیں ہوں کہ اٹکل سے کہوں گا بلکہ جو کچھ کہوں گا وہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہو گا کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے یہ مستقل علم تعبیر کا فن عطا فرمایا ہے، کوئی تخمینہ اندازہ سے تعبیر نہیں دوں گا بلکہ علم سے اور مشاہدہ سے تعبیر دوں گا، چنانچہ آپ نے دونوں میں سے ایک کی موت اور دوسرے کی ملازمت پر بحالی کی تعبیر فرمائی اور وہ حق ثابت ہوئی۔



نمونۂ خطاطی

شانِ قرآن

مولانا محمد معراج الاسلام

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کی شانیں حساب و شمار سے باہر ہیں۔ یہ پاکیزہ اور دل نشین کلام جہاں قلب و روح کے لئے سامانِ تسکین اور دل مضطر کے لئے وجہ قرار و سکون ہے۔ وہاں جویائے حق طالب صادق مسافر شب تار کے لئے چراغ راہگذر اور مینارہ نور بھی ہے، جس کی حیات بخش روپہلی روشنی میں رہرواں منزل شوق، راستے کے نشان تلاش کرتے اور جانب منزل قدم بڑھانے کے لئے ہدایت ورہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

اس کی سب سے بڑی شان یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ رب کائنات وخالق جہاں کا کلام ہے۔ بادشاہوں کا کلام، کلاموں کا بادشاہ ہے۔ بادشاہ کے لب گویا کے سامنے دوسروں کے ہونٹوں سے نکلے ہوئے الفاظ اپنا مفہوم اور معنی کھو دیتے ہیں اور ان ستاروں کی طرح ماند پڑجاتے ہیں۔ جو چودہویں کے چاند کے جلو میں ہوں۔

جب دنیا کے مقتدر حکمرانوں اور اہم لوگوں کے کلام کا یہ رعب داب ہے اور اس کی شان اتنی نمایاں اور بلند ہے۔ تو جو حاکموں کے حاکم اور سب سے بزرگ و برتر حقیقی مالک کا کلام ہے۔ اس کی عظمت و کبریائی اور بالاتری کا اندازہ کون لگا سکتا ہے!

اسی حقیقت کبریٰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محبوب رب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

فضل کلام اللہ علی سائر الکلام کفضل اللہ علی خلقہ۔

(اللہ کے کلام کو تمام کلاموں پر ویسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسی خالق کو اپنی مخلوق پر حاصل ہے)

یہ شان قرآن سمجھانے اور اس کی بے نظیر عظمت سے آگاہ کرنے کا ایسا بلیغ و آسان انداز ہے جس سے بہتر کوئی انداز اختیار کیا ہی نہیں جا سکتا۔ حضور علیہ السلام کے اس ارشاد پاک کی گہرائی میں جاکر انسان سمجھ سکتا ہے کہ جس طرح مخلوق، خالق کے مرتبے پر فائز نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح کوئی کلام کلام الٰہی کے ہم پلہ وہم مرتبہ نہیں ہو سکتا خواہ کتنا بلیغ و معنی خیز اور اسلوب و بیان کے اعتبار سے پرشکوہ و بے مثال ہو۔

دستورِ حیات

چونکہ یہ کلام الٰہی ہے اور خالق نے اسے اپنی مخلوق کی ہدایت و قیادت کے لئے ان کی فطری صلاحیتوں کے مطابق نازل کیا ہے۔ اس لئے اس کے تمام احکام ان کی قوائے استعداد اور صلاحیت کار کے عین مطابق ہیں۔ اس میں روح کی بالیدگی اور فکر و نظر کی جلاء و تربیت کا پورا سامان ہے۔ جسم و جان کو عزم نو اور جذبہ عمل و جوش کردار بخشنے والی حیات بخش ہدایات ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر آدم خاکی ایسا قابل رشک عروج وارتقا حاصل کر لیتا ہے کہ انجم سہم جاتے ہیں۔ اور اس کی بے تابی دیکھ کر اپنی تابناکی بھول جاتے ہیں۔

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارامہ کامل نہ بن جائے

لیکن اگر وہ ان ربانی ہدایات اور سماوی رہنمائی سے روگردانی کرلے اور ان احکامات وارشادات سے بغاوت پر آمادہ ہو جائے تو ذلت و رسوائی اور بے کسی کی ان گہرائیوں میں جاگرتا ہے۔ جن کا تصور بھی عبرتناک اور ہوش ربا ہے۔

حضور سرور عالم، محرم راز حق، دانائے اسرار و غیوب صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی اسی حیثیت اور منفرد شان پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا۔

ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقوماً ویضع بہ آخرین۔

(بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ساتھ بعض اقوام کو عروج و کمال تک پہنچایا ہے اور بعض کو ذلیل و خوار کرتا ہے)

یعنی جو قومیں اس کے احکام و قوانین اپنی زندگی میں نافذ و جاری کر لیتی ہیں اور اس کے مطابق زندگی کے دن گزارنے لگ جاتی ہیں۔ انہیں عزت و آبرو بخشتا ہے لیکن اس کے برعکس جو قومیں اس سے اپنا تعلق منقطع کر لیتی ہیں اور اسے دستور حیات نہیں بناتیں وہ صفحہ ہستی سے نہ صرف مٹ جاتی ہیں، بلکہ بعد والوں کے لئے عبرت و موعظت کا سامان بھی بن جاتی ہیں۔ آنے والے ان کی اخلاقی پستی کے ذلیل انجام سے عبرت پکڑتے اور آزاد و بے قید طرز حیات کے مآل سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

فلاح دنیا و آخرت کا ضامن

قرآن پاک کی ایک حسین شان یہ ہے کہ یہ سراسر خیر و برکت اور سرچشمہ دولت ورحمت ہے۔ اس کی رسی تھام لینے سے دنیا بھی ملتی ہے اور دین بھی اپنی تمام تر برکتوں کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

واللہ مادون القرآن من غنی ولا بعدہ من فاقۃ

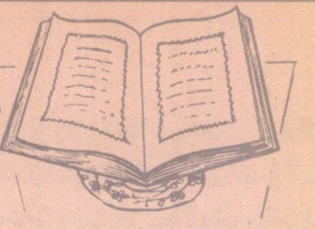
(یعنی دولت و ثروت اگر ہے، تو بس یہی کہ بندہ مومن کو قرآن حاصل ہو۔ اور غربت و افلاس اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ انسان قرآن پاک اور اس کی ہدایات سے محروم ہو)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کل آیۃ فی القرآن درجۃ فی الجنۃ و مصباح فی بیوتکم

(یعنی یوں سمجھنا چاہیے کہ قرآن پاک کی ہر آیت جنت کا ایک درجہ ہے اور تمہارے گھروں کا چراغ ہے)

گویا قرآن پاک کی ایک آیت پڑھنا اتنا مقبول و برگزیدہ عمل ہے کہ اس کی بدولت انسان کو جنت میں ایک درجہ مل جاتا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ قرآن پاک میں جتنی آیات ہیں اگ ان سب کی تلاوت کرے تو اس کے اتنے ہی مدارج طے ہو جاتے ہیں اور وہ روحانی اعتبار سے پہلے سے مختلف اور اعلیٰ منازل پر فائز ہو



جاتا ہے۔ یہ روحانیت اور دین میں ارتقاء کا وہ تصور ہے جو بالآخر انسان کو تلاوت سے عمل کی طرف لے آتا ہے۔ اور قرآن کا قاری میدان عمل کا غازی بن جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ حلاوت قرآن جذبہ عمل میں ڈھل جاتی ہے اور انسان کو دین کے اس مرتبہ تک پہنچا دیتی ہے۔ جہاں اس کا سر ممتاز ہو جاتا ہے۔

حضور علیہ الصلوۃ و السلام نے قرآن پاک کے دینی فائدے کو ایک اور طریقے سے بھی اجاگر کیا ہے جس کا تعلق جسمانی نجات و سلامتی کے ساتھ فرمایا۔

لو جعل القرآن فی اھاب ثم القی فی النار ما احترق۔

(اگر قرآن پاک کو کسی جلد اور چمڑے میں لپیٹ کر آگ میں ڈال دیا جائے تو وہ نہیں جلے گا)

یہ واضح اشارہ ہے کہ:

قرآن پاک "بردوسلام" ہے جس سینے اور دل پر لکھا ہوا ہوگا۔ جس دماغ پر کندہ ہوگا۔ وہ جسم جہنم کی آگ میں جلنے سے محفوظ رہے گا۔ گویا حفاظ کرام کے لئے یہ بشارت عظمیٰ ہے۔ جن کے دل و دماغ پر قرآن پاک نقش ہوتا ہے۔ وہ

قرآن فلاح
دُنیا و آخرت
کا ضامن ہے

عظمت و توقیر قرآن کی وجہ سے آگ میں جلنے، جھلسنے اور دوزخ میں داخل ہونے سے محفوظ رہیں گے۔ کیونکہ کائنات کی کسی آگ میں اتنی تاب و تواں نہیں ہے کہ اس بدن پر اثر انداز ہو سکے۔ جس میں اللہ کا کلام بھرا ہوا ہے اور جو بدن اس کی روشنی سے معمور ہے۔

نجات و سلامتی کا یہ بابرکت اور خوبصورت تصور اس نیک و کار مسلم کے لئے ہے جس نے رغبت و شوق سے قرآنی فرمودات کو اپنا رہنما بنایا اور اپنی زندگی پر انہیں لاگو کیا ایسے خوش قسمت کا یہ عمل ایک ہمدرد و مونس اور غمخوار و مددگار کی صورت میں سامنے آئے گا۔ لطف یہ کہ اس کی شفاعت قبول بھی ہوگی۔ اور قرآن پاک کی عظمت کی برکت سے بندہ مومن ابدی کامرانی اور دائمی مسرت سے ہمکنار ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ما من شفیع افضل منزلۃ عند اللہ تعالیٰ من القرآن۔

قرآن پاک سے افضل اللہ کے حضور میں شفاعت کرنے والا اور کوئی نہیں) القرآن شافع مشفع (طبرانی)

(قرآن پاک ایسا شفاعت کرنے والا ہے جس کی شفاعت قبول بھی ہوگی)

اقرؤا القرآن فانہ یجیئ یوم القیامۃ شفیعا لصاحبہ۔

قرآن پاک پڑھو کیونکہ وہ قیامت کے روز قاری کی حیثیت سے جلوہ گر ہوگا)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن پاک اہل ایمان کے لئے دین و دنیا کی برکات کا جامع اور عزت و فلاح کا ضامن ہے عمل کرنے والوں کو دنیا میں بھی آبرومند رکھتا۔ ارتقاء بخشتا اور اقوام عالم کا سردار بناتا ہے۔

اور عرصہ حشر کی سختیوں سے بھی بچائے گا۔

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بقرآن زیستن

خدا سے محبت کی کسوٹی

قرآن پاک بہترین معیار خیر و شر ہے، اس کی طرف میلان، رغبت اور اس سے اعراض اور بے اعتنائی انسان کی دو مختلف حیثیتوں کو ظاہر کرتی ہے۔ قرآنی احکام و قصص اور بصائر و نظائر سے آگاہ ہونے کا شوق، ربانی ہدایات سے باخبر ہو کر اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنے کا جذبہ اور آیات سے منشائے الوہیت معلوم کرنے کا تجسس ایک ایسے انسان کی نشاندہی کرتا ہے جس کی فطری سلامت روی اسے صحیح سمت لیے جا رہی ہے۔ شیطانی قوتوں نے جس پر تسلط حاصل نہیں کیا اور اس پر جبر و غلبہ پانے سے قاصر رہی ہیں وہ ہر لحاظ سے نیک بخت، سعید فطرت اور صالح و نیکوکار ہے اس کا معرہ شرافت انسانی کا بول بالا کرنا اور ابلیسی قوتوں کو شکست دینا ہے۔

دوسری طرف وہ شخص ہے جو قرآن اور اس کے احکام سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ اگر ربانی ارشاد سے آگاہ کیا جائے تو ناک منہ چڑھاتا ہے یا انہیں شرف انسانیت کے منافی قرار دیتا ہے یا اسے عظمت آدم کے حوالہ سے ظلم و وحشت بتاتا ہے۔ کسی بھی شخص کا یہ رویہ اس کی فطری سعید صلاحیتوں کے مسخ ہو جانے کی دلیل ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ وہ نفس و شیطان کے بہکاوے میں آچکا ہے اور پوری طرح ان کے قابو میں ہے ورنہ جو نسخہ کیمیا اور شافی ہدایت نامہ، انسان کی فطری صلاحیتوں کا رمز شناس اور اس کی عظمت کا علمبردار ہے اس صحیفہ صادقہ کے مندرجات سے بغاوت اور اس کی شان میں ہرزہ سرائی۔ ایک صحیح اور سلیم دماغ رکھنے والے شخص سے ممکن نہیں۔ کج روی اور آوارہ گردی سے روکنے والے یہ احکام اسی کو برے لگتے ہیں جو خود برا ہو اور بدی کے ہاتھوں میں اپنی زندگی کی باگ ڈور دے چکا ہو۔

اس لئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے انسانوں کو جانچنے اور ان کی سعادت و شقاوت معلوم کرنے کا ایک بہترین طریقہ بتایا ہے جس سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے۔ کہ کسی کا رجحان، رحمان کی طرف ہے۔ یا شیطان کی طرف فرماتے ہیں۔

اگر خدا کے ساتھ اپنے تعلق و محبت کی گہرائی معلوم کرنا چاہتے ہو تو کسی قسم کی بھاگ دوڑ اور اعداد و شمار جمع کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف قرآن پاک کو بیچ میں لے آؤ! دیکھو! اگر کسی کا دل قرآن پاک کی طرف راغب ہے وہ اس کی تعلیمات کو پسند کرتا ہے اور دل سے سراہتا ہے اس کے دل میں آیات و احکام کی قدر و منزلت ہے تو سمجھ لو اس کے دل میں اللہ کی اور اسکے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے۔ وہ ایک سچا اور باوفا مومن اور مخلص و عقیدت مند امتی ہے۔ لیکن اگر اس کے دل میں قرآن پاک اور اس کی تعلیمات کا احترام نہیں وہ اپنے دل میں ان کے لئے کوئی گرم جوشی اور رغبت محسوس نہیں کرتا تو وہ خدا اور رسول کی محبت سے محروم، بدقسمت و نافرمان ہے۔ بارگاہ الوہیت اور بارگاہ رسالت سے اس کا کوئی ناطہ نہیں۔

جس کلام پاک کی بدولت رب تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہو۔ اسے بے نیازی اور نفرت کا اظہار کر کے محبت خدا اور رسول مل بھی کیسے سکتی ہے؟ حضرت امام احمد رضی اللہ عنہ کے خواب سے اس امر کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

خواب میں جمال الٰہی کا دیدار میسر آیا۔ میں نے پوچھا یا اللہ! تیرا قرب حاصل کرنے کا سب سے افضل ذریعہ کونسا ہے؟

جواب ملا۔ ہمارا کلام۔

عرض کی معانی سمجھ کر یا اس کے بغیر بھی محض تلاوت سے یہ مقام مل سکتا ہے؟

ارشاد ہوا: ہر طرح سے بادہ محبت پلاتے ہیں۔ کوئی قرآن واپنائے توسہی

کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والے کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

تارک قرآن کا حشر

قیامت کے روز تارک قرآن کی جو درگت بنے گی۔ وہ اپنی جگہ رہی، دنیا میں بھی اس کی زندگی سے خیر و برکت چھین لی جاتی ہے۔ اور وہ بے ثمر درخت کی طرح رہ جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ان البیت الذی لایتلی فیہ کتاب اللہ عزوجل ضاق باھلہ وقل خیرہ وخرجت منہ الملئکۃ وحضرتہ الشیاطین۔

(جس گھر میں قرآن پاک کی تلاوت نہیں کی جاتی اس کے رہنے والے تنگ ہو جاتے ہیں اور وہاں سے خیر و برکت اٹھالی جاتی ہے۔ فرشتے اس جگہ کو چھوڑ جاتے ہیں۔ اور شیاطین وہاں ڈیرہ ڈال لیتے ہیں)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

ان الذی لیس فی جوفہ شیٔ من القرآن کالبیت الخرب

(جس شخص کے پیٹ میں قرآن پاک کا کوئی حصہ نہ ہو۔ وہ اس گھر کی طرح ہے، جو ویران و بے آباد اور خراب حالت میں ہو)

شان قرآن ایک اور طریقے سے بھی نمایاں ہوتی ہے۔ جس کا تعلق قرآنی حقوق و آداب کی پامالی اور ان کی سزا کے ساتھ ہے۔

اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں اور ایک باغی و سرکش ذہن بھی اس حقیقت سے انکار کی جرات نہیں کر سکتا کہ قرآن پاک کے احکام و حدود ہی فلاح انسانیت کے ضامن اور مادی و روحانی ترقی کے کفیل ہیں۔ انسانی ذہن کے گھڑے ہوئے قوانین خواہ کتنی ہی محنت اور عرق ریزی سے ترتیب دیئے گئے ہوں۔ ان ربانی قوانین کی جگہ نہیں لے سکتے جو انسان کی طبیعت و فطرت کے عین مطابق ہیں اور اس کی نفسیات کو سامنے رکھ کر وضع فرمائے گئے ہیں ایسے قوانین کی پذیرائی اور اتباع کے بجائے ان سے اغماض و اعراض، کوئی معمولی اور سطحی غلطی نہیں بلکہ سنگین جرم ہے۔ جس کی سنگینی اور خطرناکی کے اثرات انسان کی روح پر مرتسم ہو جاتے ہیں۔ دنیا میں گناہوں کی کثرت اور دلوں پر پڑے ہوئے دبیز پردوں کے باعث انسان کو اس سنگینی اور تباہ کاری اور ذاتی نقصان کا احساس نہیں ہوتا، مگر بروز قیامت یہ جرم پوری شدت کے ساتھ سامنے آجائے گا اور تب انسان کو پتہ چلے گا کہ وہ قرآنی احکام و قوانین پر عمل نہ کر کے خود اپنی ذات پر ظلم کرتا رہا ہے۔

انسانیت کے لئے صحیفہ ہدایت ہونے کے ناطے قرآن پر عمل پیرا ہونا اس کا حق اور اس پر عمل سے پہلوتہی اور کنارہ کشی قرآن پاک کی حق تلفی ہے یہ عمل انسانیت کے خلاف ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک بے عملوں کے خلاف بارگاہ خداوندی میں داد خواہ ہوگا۔ اور فریاد کرے گا کہ ایسے ظالموں کو سخت ترین سزا دی جائے اور انسانی دستور العمل کے خلاف زندگی گزارنے کی پاداش میں ان پر ہلاکت طاری کی جائے یعنی ان کو عزت و آبرو اور مرتبہ و مقام سے محروم کیا جائے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی اس شان کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

ثلاثۃ تحت العرش یوم القیامۃ القرآن یحاج العباد۔

قیامت کے دن تین چیزیں عرش کے زیر سایہ جلوہ گر ہوں گی۔ ان میں سے ایک قرآن ہے جو (بے عمل) بندوں کے خلاف اپنا مقدمہ پیش کرے گا۔

قرآن پاک سے کسی بھی نوعیت کی روگردانی، آفات و بلیات کو دعوت دینے کے مترادف ہے اور ذلت و رسوائی کا سامان کرنا ہے، عہد درخشاں کے مسلمان، قرآنی تعلیمات پر عمل کی بدولت ہی غالب و پرہیبت تھے۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر



قرآن کریم غیروں کی نظر میں!

مجاہدِ اہلسنّت
حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی رح

قرآن کریم اور اس کے قوانین کے متعلق محققینِ مغرب کے افکار و خیالات

ڈاکٹر راڈویل:

ڈاکٹر راڈویل دیباچہ قرآن میں لکھتے ہیں:۔

"قرآن انتہائی گہری سچائی ہے جو الفاظ میں بیان کی گئی ہے اور باوجود مختصر ہونے کے قوی اور صحیح رہنمائی و الہامی حکمتوں سے مملو ہے"

(دیباچہ قرآن) (ماخذ تاریخ القرآن)

قرآن تمدن کا جھنڈا اڑاتا ہے:

ڈاکٹر ہنٹر لکھتے ہیں:۔

"اسلام کی بنیاد قرآن پر ہے جو تمدن کا جھنڈا اڑاتا ہے اور تعلیم دیتا ہے کہ انسان جو نہ جانتا ہو اس کو سیکھے۔ استقلال، استقامت، عزت نفس لازمی ہیں اس کی خصوصیات میں شائستگی اور تمدن کی سب سے بڑی بنیاد ہے۔"

(ادب الغرب) (ماخ تاریخ القرآن)

وہ آداب و اصول جو فلسفۂ حکمت پر قائم ہیں ان میں کوئی ایسی جز نہیں جو قرآن میں نہ ہو

موسیو سیدیو تحریر کرتے ہیں:۔

"وہ آداب و اصول جو فلسفہ حکمت پر قائم ہیں جن کی بنیاد عدل و انصاف پر جو دنیا کو بھلائی، انصاف کی تعلیم دیتے ہیں۔ ان میں سے ایک جُز بھی ایسا نہیں جو قرآن میں نہ ہو۔ قرآن اعتدال، میانہ روی کا راستہ سکھاتا، گمراہی سے بچاتا، اخلاقی کمزوریوں سے نکال کر فضائل کی روشنی میں لاتا، انسانی زندگی کے نقائص کو کمالات سے بدل دیتا ہے"

(ادب الغرب) (ماخذ تاریخ القرآن)

قرآنی احکام عقل و حکمت کے مطابق ہیں

برٹش انسائیکلوپیڈیا:۔

"قرآن کے احکام عقل و حکمت کے مطابق واقع ہوئے ہیں اگر انسان چشم بصیرت سے انہیں دیکھے تو وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے کفیل ہو سکتے ہیں۔"

(ماخذ تاریخ القرآن)

قرآنی دستور مکمل ہے انسانی حیات کے لیے اس کے اندر سب کچھ موجود ہے

جان ڈیون رپورٹ دی گریٹ ٹیچر میں تحریر کرتے ہیں:۔

"حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد دنیا کی اخلاقی حالت تباہ ہو گئی تھی۔ ہر طرف جہالت کی گھٹائیں چھا رہی تھی۔ ہر سمت چینی، بدامنی کے شرارے بلند تھے، پتھروں کو قابلِ پرستش سمجھا جاتا تھا۔ فحش باتوں سے قطعاً پرہیز نہیں کیا جاتا تھا۔ ان حالات میں حضرت محمدؐ پیدا ہوئے اور 611ء میں انہوں نے قرآن کی اشاعت کی۔ یہ ایک آسان اور عام فہم مذہبی قانون ہے جس میں انسانی زندگی کی اصلاح کے لیے سب کچھ موجود ہے۔ اس کی ایک امتیازی شان یہ ہے کہ اس کی تعلیمات فطرت انسانی کے مطابق ہیں۔ اس مذہبی قانون نے ایک طرف روح کی اصلاح کے لیے ہدایت کی دوسری طرف دنیوی ترقی کے بیش بہا اصول تعلیم کیے۔"

(دی گریٹ ٹیچر) (ماخذ تاریخ القرآن)

قرآن نے دنیا کو علوم و فنون سکھائے، وحشیوں کو پرہیزگار بنا دیا

گائیڈنس آف ہولی قرآن میں لکھتے ہیں:۔

"قرآن کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے نازک وقت میں دنیا کے سامنے پیش کیا جب کہ ہر طرف تاریکی، جہالت کی حکمرانی تھی۔ اخلاق انسانی کا جنازہ نکل چکا تھا۔ بت پرستی کا ہر طرف زور تھا۔ قرآن نے ان تمام گمراہیوں کو مٹایا۔ جن کو دنیا پر چھائے ہوئے مسلسل چھ صدیاں گذر چکی تھیں۔ قرآن نے دنیا کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی۔ اصول مذہبیت علوم و حقائق سکھائے۔ ظالم کو رحم دل، وحشیوں کو پرہیزگار بنایا۔ اگر یہ کتاب شائع نہ ہوتی تو انسانی اخلاق تباہ ہو جاتے اور دنیا کے باشندے برائے نام انسان رہ جاتے۔"

(گائیڈنس آف ہولی قرآن)

(ماخذ تاریخ القرآن)

قرآن مکمل قانون ہے جس میں انسانی زندگی کی ہر شاخ کے لیے ہدایات ہیں

پروفیسر ہربرٹ وایل:۔

"قرآن جو اخلاقی ہدایتوں، دانائی کی باتوں سے بھرا ہوا ہے ایسے وقت میں دنیا کے سامنے پیش ہوا جب کہ ہر طرف جہالت کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ زمین پر ایسی کوئی جگہ نہ تھی جہاں نیکیوں کا رواج ہو، اور کوئی جماعت ایسی نہ تھی جو سیدھے راستہ پر چلتی ہو۔ قرآن نے عالم انسانیت کی زبردست اصلاح کی وحشیوں کو انسان کامل بنا دیا۔ جن اشخاص نے اس کے مضامین پر غور کیا وہ اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ وہ ایک مکمل قانونِ ہدایت ہے۔ انسانی زندگی کی کوئی بھی شاخ لے لیجیئے ناممکن ہے کہ اس شعبہ میں اس کی تعلیمات رہنمائی نہ کرتی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اگر اس کی تعلیمات پر عمل کیا جائے تو ایک سمجھدار آدمی بیک وقت دنیوی اور روحانی ترقی

حاصل کر سکتا ہے اگر ان اخلاق کو لے لیجیئے جو شرفِ انسانیت ہیں مثلاً راست بازی، پرہیز گاری، رحم و کرم، عفت و عصمت، قرآن میں یہ سب ہدایتیں موجود ہیں اور اگر اُن اخلاق کو لیجیئے جن کا تعلق دنیوی ترقی سے ہے مثلاً محبت، شفقت، عزم و استقلال، جرأت، شجاعت، تو ان ہدایتوں سے بھی قرآن معمور ہے۔ بہر کیف وہ ایک حیرت انگیز قانونِ ہدایت ہے۔"

(لکچرانِ اسلام) (تاریخ القرآن)

قرآن شرائع وقوانین کی انسائیکلوپیڈیا ہے

ڈاکٹر موریس فرانسیس لکھتے ہیں:۔

"یہ کتاب (قرآن) تمام آسمانی کتابوں پر فائق ہے بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قدرت کی ازلی عنایت نے انسان کے لئے جو کتابیں تیار کی ہیں ان سب میں بہترین کتاب ہے۔ اس کے نغمے انسان کی خیر و فلاح کے متعلق فلاسفہ یونان کے نغموں سے کہیں اچھے ہیں۔ خدا کی عظمت سے اس کا حرف حرف لبریز ہے۔ قرآن علماء کے لئے ایک علمی کتاب، شائقین علم لغت کے لئے ذخیرہ لغات، شعراء کے لئے عروض کا مجموعہ، اور شرائع و قوانین کا عام انسائیکلوپیڈیا ہے۔ یہ کتاب ہوتے ہوئے کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں ہے اس کی فصاحت و بلاغت سارے جہاں سے اسے بے نیاز کئے ہوئے ہیں۔ یہ بات واقعی ہے اور اس کی واقعیت کی بڑی دلیل یہ ہے کہ بڑے بڑے انشاء پردازوں، شاعروں کے سر اس کتاب کے آگے جھک جاتے ہیں۔ اس کے عجائبات روز بروز نئے نکلتے ہیں۔ اور اس کے اسرار کبھی ختم نہیں ہوتے۔"

(تاریخ القرآن)

علوم فلکیات، طب، ریاضی، فلسفہ قرآن نے سکھائے

پروفیسر ڈیپوزٹ لائف آف محمد الکس لوازن حصہ اول ص 35 میں تحریر کرتے ہیں:۔

"ہم پر واجب ہے کہ ہم اس امر کا اعتراف کریں کہ علوم طبیہ فلکیہ فلسفہ ریاضی وغیرہ جو قرنِ دھم میں یورپ تک پہنچے وہ قرآن سے مقتبس اور اسلام کی بدولت ہیں۔

آنحضرت نے باوجود امی ہونے کے ایک ہی وقت میں تین عظیم مقاصد قومیت، دیانت، شہنشاہیت کی بنیاد ڈالی۔ اس کے علاوہ ایک ایسی کتاب دنیا کے سامنے پیش کی جو بلاغت کا زبردست نشان، شریعت کا واجب العمل دستور اور دین و عبادات کا قابل یقین فرمان ہے یہ وہ مقدس کتاب ہے جو اس وقت دنیا کے 1/6 حصہ میں معتبر اور مسلم سمجھی جاتی ہے۔ اس کی انشاء و حکمت کو معجز نما مانا جاتا ہے۔ قرآن ایک معجز نما کتاب ہے"۔

(بحوالہ لائف آف محمد الکس لوازن حصہ اول ص 35)

قرآن ایک لازوال معجزہ ہے جو مردوں کو زندہ کرتا ہے

ڈاکٹر سیل:

"قرآن انتہائی لطیف و پاکیزہ زبان میں ہے اس کتاب سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی انسان اس کی مثل نہیں لاسکتا، یہ لازوال ہے جو مردہ زندہ کرنے سے بہتر ہے"

(تاریخ القرآن)

قرآن کے مضامین ہمہ گیر اور ہر زمانہ کے لئے موزوں ہیں۔

قرآن کریم نے ظالموں کو رحم دل اور جاہلوں کو عالم بنا دیا:

ڈاکٹر سموئیل جانس:

"قرآن کے مطالب ایسے ہمہ گیر اور ہر زمانہ کے لئے اس قدر موزوں ہیں کہ زمانہ کی تمام صدائیں خواہ مخواہ اس کو قبول کر لیتی ہیں اور وہ محلوں، ریگستانوں، شہروں، سلطنتوں میں گونجتا پھرتا ہے۔"

(ماخذ تاریخ القرآن)

قرآن علوم طبعی سے مواقف رکھتا اور مذاہب کے ساتھ انصاف، رواداری سکھاتا ہے۔

گستاؤلیبان:

"قرآن کی تعلیم علوم طبعی سے موافقت رکھتی ہے اس کا اثر یہ ہے کہ وہ انسان کے اخلاق کو نرم اور انسان میں نیکی و انصاف مذاہب کے ساتھ رواداری پیدا کرتی ہے۔"

(ماخذ اسوۃ النبی ص 33)

قرآن کے احکام عقل و حکمت کے مطابق ہیں

پاپولر انسائیکلوپیڈیا:۔

"قرآن کی زبان بلحاظ لغتِ عرب نہایت فصیح ہے اس کی انشاء کی خوبیاں

نے اب تک اسے بے نظیر ثابت کیا ہے۔ اس کے احکام اس قدر عقل و حکمت کے مطابق ہیں کہ اگر انسان انہیں چشم بصیرت سے دیکھے، تو وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے لئے کفیل ہو سکتے ہیں۔"

(پاپولر انسائیکلوپیڈیا)

قرآن نے ظالموں کو رحم دل، جاہلوں کو عالم بنادیا

مسٹر ٹامس کارلایل:۔

"قرآن ایک آسان عام فہم ایک ایسے وقت میں دنیا کے سامنے پیش کی گئی جب کہ طرح طرح کی گمراہیاں مغرب سے مشرق، شمال سے جنوب تک پھیلی ہوئی تھیں، انسانیت، شرافت، تہذیب و تمدن کا نام مٹ چکا تھا۔ ہر طرف بے چینی، بدامنی نظر آتی تھی، نفس پروری کی ظلمتوں کا طوفان آچکا تھا۔

قرآن نے اپنی تعلیمات سے امن و سکون، محبت کے جذبات پیدا کئے، بے حیائی کی تاریکیاں مٹ گئیں۔ ظلم کا بازار ٹھنڈا ہو گیا ہزاروں گمراہ راہ راست پر آ گئے۔ بے شمار وحشی شائستہ بن گئے۔ اس کتاب نے دنیا کی کایا پلٹ دی۔

قرآن کریم کے مضامین ہمہ گیر اور ہر زمانہ کیلئے موزوں ہیں

جاہلوں کو عالم، ظالموں کو رحم دل، عیش پرستوں کو پرہیز گار بنادیا۔

(دی پاپولر ریجن آف دی ورلڈ)

اسلامی شریعت اعلیٰ درجہ کے عقلی احکام کا مجموعہ ہے

برٹش انسائیکلوپیڈیا:۔

"شریعت اسلام نہایت اعلیٰ درجہ کے عقلی احکام کا مجموعہ ہے۔ قرآن میں قوانین دیوانی، فوجداری، باہمی سلوک، مسائل نجات روح۔ رعایا کے شخصی حقوق، نفع رسانی خلائق پر قرآن حاوی ہے۔"

(اپالوجی فار محمد اینڈ قرآن)

اسلامی قانون ہر زمانہ میں رائج ہو سکتا ہے

مسٹر وائل مصنف ہسٹری آف دی اسلامک پیپل:

"رسول کریمؐ نے مسلمانوں کو ایسے مذہب کے شیرازہ میں منسلک کر دیا جس میں صرف خدائے واحد کی پرستش اور ابدی نجات کی تعلیم تھی اور مکمل شریعت سے بہرہ اندوز کیا اور اس قانون کا عامل بنا دیا جو ہر زمانہ میں یکساں منفعت کے ساتھ نافذ و رائج ہو سکتا ہے۔"

(تاریخ القرآن)

قرآن کا جہاں سایہ پڑا حرام کاریاں مٹ گئیں

ڈاکٹر ایزک ٹیلر:۔

"افریقہ کے جن وحشی مقامات پر اسلام کا سایہ پڑا وہاں سے زنا قمار بازی دختر کشی، عہد شکنی، قتل و غارت گری، وہم پرستی، شراب خواری، ہمیشہ کے لئے جاتی رہے مگر اس ملک کے دوسرے حصہ پر کسی غیر مذہب نے قدم جمایا تو ان لوگوں کو رذائل مذکورہ بالا میں اور زیادہ راسخ کر دیا"۔

(ونسٹ جیمس گزٹ لندن 18 اکتوبر 1887ء)

قرآن کسی مذہب کے مسائل میں دست اندازی نہیں کرتا

ایڈورڈ گبن مشہور مورخ:۔

"اسلام نے کسی مذہب کے مسائل میں دست اندازی نہیں کی کسی کو ایذا نہیں پہنچائی کوئی مذہبی عدالت مخالف مذہب والوں کو سزا دینے کے لئے قائم نہیں کی۔ نہ اسلام نے کبھی لوگوں کے مذہب کو بجبر تبدیل کرنے کا قصد کیا ہاں اس نے اپنے مسائل کو جاری کرنا چاہا مگر جبراً نہیں جاری کیا۔ اسلام قبول کرنے سے لوگوں کو فتحمندوں کے برابر حقوق حاصل ہو جاتے تھے۔ اور مفتوحہ سلطنتیں ان شرائط و قیود سے بھی آزاد ہو جاتی تھیں۔ جو ہر ایک فتحمند ابتدائے دنیا سے حضرت محمدؐ کے زمانہ تک ہمیشہ عائد کیا کرتا تھا۔"

(زوال سلطنت رومتہ الکبریٰ)

قرآن اجتماعی، سوشل احکام کا کامل مجموعہ قوانین ہے

موسیو وجین کلافل:۔

"قرآن مذہبی قواعد و احکام ہی کا مجموعہ نہیں بلکہ اس میں اجتماعی و سوشل احکام بھی موجود ہیں جو انسانی زندگی کے لئے بہر حال موزوں اور مفید ہیں۔ یہ مجموعہ قوانین دنیا کی ملکی، مذہبی، تمدنی ہدایتوں کے لئے کافی ہے۔

ہم حیران ہوتے ہیں کہ ایسا عظیم الشان ملکی تمدنی نظام جس کی بنیاد کامل اور سچی آزادی پر ہے کسی طرح قائم کیا گیا"

(باطل شکن ص 51 تاریخ الفقہ ص 148)

مذکورہ بالا اقتباسات یورپ کے محققین و فضلا کے پیش کے گئے ان پر نظر ڈالنے کے بعد آج ہمارے ہاں کا وہ طبقہ جو شبانہ روز اسلامی قوانین کا مذاق اڑانے کو اپنا سب سے بڑا کارنامہ سمجھتا ہے۔ اور جس نے غالباً حقیقتاً قرآنی مطالب و معانی کے مطالبہ پر غور و فکر کے ادنیٰ لمحات صرف نہیں کئے اور یا جس کا دراصل عیش پرستی خواہشات نفسانی و ذاتی کے سوا کوئی مشرب ہی نہیں۔ استاد اول انگریز نے اسکولوں کالجوں میں جو نصاب پڑھا دیا وہی دماغ پر مستولی ہے لیکن یورپ میں جہاں مذہب اسلام کا مذاق اڑانے والے بستے تھے وہیں ایسے محققین بھی موجود تھے جنہوں نے باوجود اپنی عصبیت کے کتاب و سنت کے قوانین اور شریعت اسلامیہ کی جامعیت اور قوانین مذہب اسلام کو سرچشمہ ہدایت مانا اور اس کا اقرار کیا کہ

قرآن بلاشبہ ایک کامل و اکمل دستور حیات ہے جو ہر عصر کے لئے اپنے ہدایات جاری کرسکتا ہے۔ کاش! ہمارے ہاں کا یہ عنصر یوروپ کے فضلاو محققین کے فضلاو محققین کے مذکورہ بالا اقتباسات پر غور وفکر کرے۔

مفکرین یوروپ کے اقوال و بیانات آپ نے پڑھے۔ غور کیجئے یہ اسی یوروپ کے محققین ہیں جن کے بعض متعصب افراد قرآن حکیم کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر تعلیمات قرآنی سے منحرف کیا کرتے تھے۔ مگر تھوڑے عرصے کے بعد یورپ کے اندر ایسے ارباب فکر پیدا ہوئے جنھوں نے بجائے مخالفت کے قرآنی مضامین میں غور و خوض کرنا شروع کیا پھر کیسے ممکن تھا کہ تفحص کے بعد ان پر فرقان حمید کے تاثرات پیدا نہ ہوتے۔

پس آج ہمارے یہاں کا وہ طبقہ جو شبانہ روز ملائیت کا نام لے کر اسلامی تعلیمات ہی کو جاری نہیں ہونے دینا چاہتا۔ ہم اس طبقہ کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ قرآن کریم کے مطالعہ کا شوق پیدا کرے جن علوم کو قرآن مجید کی فہم و بصیرت کے لئے ضرورت ہے اسے حاصل کرے۔ پھر ممکن نہیں ہے کہ اس پر قرآن کریم کا رنگ نہ چڑھے اگر یہ بھی نہیں تو آج جس کو یورپ وہ اپنا کعبہ مقصود بنا چکا ہے وہیں کے ارباب تحقیق کے اقوال و بیانات سے سبق لے۔ اب ذیل میں ہندو فضلا رعما کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں۔

(مولف)

قرآن ایک ایسا روح افزا پیام ہے جس کی مثال نہیں ملتی

پروفیسر دو بجاداس:۔

"قرآن ایک ایسا جامع اور روح افزا پیام ہے کہ ہندو دھرم اور مسیحیت کی کتابیں اس کے مقابلہ میں بمشکل کوئی بیان پیش کر سکتی ہیں۔"

(معجزات اسلام ص 10)

قرآن معاشرتی سیاسی اخلاق کا مجموعہ ہے

لالہ لاجپت رائے:۔

"میں قرآن کی معاشرتی، سیاسی، اخلاقی، روحانی تعلیم کا سچے دل سے مداح ہوں۔"

(ماخوذ رسالہ مولوی 1352ھ)

قرآن کی تعلیمات میں کوئی عیب نہیں وہ انسانی تہذیب کے معیار کے مطابق ہے

جناب پروفیسر شنا نتارام صاحب بی اے پروفیسر اندرا کالج بمبئی۔

"قرآن کی تعلیمات نہایت آسان عام فہم، انسان کی فطرت کے مطابق ہیں۔ ایک ہٹ دھرم بھی اس کی تعلیمات میں کوئی عیب نہیں بتلا سکتا۔ جو انسانی تہذیب کے اسٹینڈرڈ سے گرا ہوا ہو۔" (محمد صاحب جیون چتر)

اگر کوئی کتاب کام آئے گی وہ صرف قرآن ہے

جناب گرونانک جی صاحب:۔

(1) پت ان پوجا دن منجم جب دن کا ہے جنیونا دھودھو تا ک چڑھاؤ بیچ دن سوج

نہ ہوئے کل" پران کتب قرآن پوتھی پنڈے رہے۔"

یعنی: پوجا پاٹ کام نہیں دے سکتی چھوت چھات بیکار ہے جنیوا شنان ماتھے پر تاک لگانا کچھ کام نہ آئے گا اگر کوئی کتاب کام آئے گی تو وہ قرآن ہے۔ جس کے آگے پوتھی پران کچھ بھی نہیں۔"

نور 25ء بحوالہ گرنتھ صاحب)

(2) رہی کتاب ایمان دی سچی کتاب قرآن۔"

(جنم ساکھی والا)

یعنی "ایمان کی کتاب قرآن ہے"

(3) " توریت، انجیل، زبور، یہ سب دیکھے مگر نجات کی کتاب قرآن ہی ہے۔"

قرآن نے اپنی روشنی پھیلا کر دنیا کا نقشہ بدل دیا

جناب فیروز شاہ، ایم اے فاضل پارسی جماعت ایڈیٹر جام جمشید۔

"جہاں اس کتاب (قرآن) کی سب سے پہلے اشاعت ہوئی وہ ملک ساری دنیا سے زیادہ خراب حالت میں تھا اس کی عام فہم تعلیمات نے دنیا کی کایا پلٹ دی اور انصاف و تہذیب کی روشنی پھیل گئی۔"

(تاریخ القرآن ص 11)

دعوت الیٰ القرآن

مذکورہ بالا عنادین کے تحت آپ نے مختلف مذاہب و ملل کے فضلا و محققین کے خیالات وافکار پڑھے۔

قرآن مجید کے بارے میں جو دائرہ اسلامی میں داخل نہ تھے انہیں اس کا شوق تھا کہ وہ صحیفہ مقدسہ کے بحر بیکراں میں غوطے لگا کر بے بہا موتی نکالتے۔ انہوں نے اپنی اپنی فکر و تفحص کے لحاظ سے بہتر نتائج پیدا کئے اور اس حقیقت کا صاف الفاظ میں اظہار کیا کہ قرآن مجید ایک جامع و اکمل قانون ہے جو عالم انسانیت کی زندگی کے لئے ہر دور میں پورا اترتا ہے خواہ زمانہ کتنا ہی متغیر کیوں نہ ہوجائے مگر قرآنی قوانی مشعلِ راہ ہیں۔

مگر افسوس کہ ہمارے اپنی نظریں خیرہ ہیں۔ قرآن پاک کا نور تو سارے عالم کی اقوام پر اپنی روشنی ظاہر کر کے اعتراف کرالے۔ مگر آج ہمارے افراد بلا جھجک کہیں کہ قرآن عصر حاضرہ کے لئے موزوں نہیں۔

فیا عجباہ

"جنوں کا نام خرد اور خرد کا نام جنوں"

کاش! قرآن مقدس کو عصر حاضرہ کے مطابق پوران اترنے کا دعویٰ کرنے والے اس کے معانی ومطالب کا پہلے مطالعہ کرتے، علم قرآن سے واقفیت حاصل کرتے یا ماہرین قرآن مجید سے رجوع کر کے حقائق قرآن سے کماحقہ واقف ہوتے تو آج انہیں ایسا کہنے کا موقع نہ ملتا یہ طبقہ نہ تو خود قرآن مقدس پر غور کرتا ہے نہ ماہرین سے رجوع اور الٹا دین و مذہب کو ملائیت کا نام لے کر بدنام کرتا ہے۔

یہ خلیج جو قیام مملکت پاکستان کے بعد پیدا ہوئی ہے اس اس کا قائم رہنا یا بڑھے رہنا نفسِ پاکستان کے لئے تباہ کن ہے۔ جس قدر بھی جلد ممکن ہو۔ دماغوں کو صلاحیت کی طرف مائل کر کے اسے دور کیا جائے۔

قرآن اور سیرت سازی

جنرل حافظ محمد حسین انصاری

اللہ تعالیٰ نے انسان اول حضرت آدم علیہ السلام کو مسجود ملائکہ ہونے کا اعزاز عطا فرما کر پوری انسانیت کو جس شرف سے بالواسطہ طور پر نوازا اس کا تقاضا ہے کہ انسان نیک سیرت ہو۔ سیرت عادات کی تنظیم کا نام ہے اور عادت کسی عمل کے اندازِ تسلسل کو کہتے ہیں۔ عمل کا ظہور انسان کے اعضاء کے ذریعہ ہوتا ہے جبکہ اندازِ عمل شعور کے تابع ہے۔ اعضاء جسم کا حصہ ہیں اور شعور روح کی پیداوار۔ جسم اور روح لازم و ملزوم ہیں کہ انسان ان دونوں کے مرکب کا نام ہے۔ روح ہو مگر جسم نہ ہو تو انسان کا ظہور نہیں ہوتا اور اگر جسم ہو لیکن روح نہ ہو تو انسان منظر شہود پر نہیں ہوتا۔ منظر شہود پر نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت نے جس طرح جسمانی نشوونما کے لئے ایک باقاعدہ نظام ہوا، پانی، زمین، اناج، برگ و باد کی صورت میں مرتب فرمایا ہے بعینہ انسان کی روحانی نشوونما کے لئے بھی ایک جامع نظام وضع فرمایا ہے۔ روحانی تربیت کے اس نظام کی تین کڑیاں ہیں۔ میثاق اول، نبی آخرالزمان رحمتہ اللعالمین محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور قرآن مجید۔ روحانی تربیت کا راز کہ جس کا ثمرہ سب سے پہلے نیک سیرت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ مذکورہ تینوں کڑیوں کے بارے میں مکمل آگاہی اور پر خلوص رہنمائی حاصل کرنے میں مضمر ہے۔

میثاق اول کا ذکر قرآن مجید کے پارہ 9، سورۃ الاعراف کی آیت 172 میں ہے جس کا ترجمہ یوں ہے (اے محبوب یاد کرو جب آپ کے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل نکالی تو ان سے خود ان کے مقابلے میں اقرار لیا (ان سے پوچھا کہا) کیا میں تمہارا پروردگار ہوں؟ وہ کہنے لگے بے شک تو ہمارا رب ہے۔ ہم اس پر گواہی دیتے ہیں۔ (یہ اقرار اس لئے کرایا تھا) کہ قیامت کے دن (کہیں یوں نہ) کہنے لگو کہ ہم کو تو اس کی خبر ہی نہ تھی)۔ گویا اللہ رب العزت نے ہر پیدا ہونے والے انسان کی گھٹی میں نیکی کے جذبے کی تخم ریزی کر دی ہے۔ اس احساس کے ساتھ اور اس حقیقت کے پیشِ نظر کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو شرفِ نیابت سے نوازا ہے جہاں انسان کو نیک سیرت ہونا ہی زیب دیتا ہے وہاں اس کا حصول زیادہ مشکل نہیں۔ انسان فطرتاً نیکی کی طرف مائل ہے۔ تھوڑی سی توجہ اور خلوص نیت اسے اعمال صالح کا عادی بنا کر متقی و پرہیز گاروں کی صف میں لا کھڑا کر سکتی ہے۔

روحانی تربیت کی دوسری اور تیسری کڑی کے بارے میں سورۃ الاعراف کی آیت 157 ملاحظہ ہو جسکی آخری جزو کا ترجمہ یوں ہے (پس جو لوگ ایمان لائے ان (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی توقیر و تعظیم کی اور جذبہ احترام کے ساتھ جنہوں نے ان (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد اور حمایت کی اور جنہوں نے اس نور و روشنی (قرآن مجید) کا اتباع کیا جو ان (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ نازل کی گئی ہے تو یہی ہیں وہ لوگ جو اللہ کے ہاں فلاح پانے والے قرار پائیں گے)۔

عملی نمونے کے بغیر روحانی تربیت مکمل نہ ہو گی۔ نظریات کی تعلیمات پر کاربند ہونا اس وقت تک آسان نہیں جب تک ایک عملی نمونہ ہمارے پاس نہ ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے صرف قرآن پاک نازل کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے محبوب کو منتخب فرمایا تاکہ وہ ارشادات خداوندی پر خود عمل کر کے دکھائیں اور ان

حضور کی اطاعت کے بغیر اللہ کی اطاعت نہیں ہو سکتی

پر عمل کرنے سے جو زیبائی اور نکھار پیدا ہوتا ہے اس کا عملی نمونہ پیش کریں۔ سورۃ الاحزاب کی آیت 51 میں ارشاد ہوتا ہے۔ ترجمہ (بے شک تمہاری رہنمائی کے لئے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔ یہ نمونہ اس کے لئے جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے فیض یاب ہونے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے لازم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی جو بنیادیں ہیں ان کے بارے میں مکمل آگاہی حاصل کریں اور خلوص نیت سے انہیں استوار کریں۔ ان بنیادوں کی تفصیل سورۃ الاعراب کی آیت 172 میں موجود ہے جس کا ترجمہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان، حضورؐ کی توقیر و تعظیم اور نصرت رسولؐ۔

ایمان: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی اولین اور بنیادی نوعیت یہ ہے کہ ہم آپؐ پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی تصدیق کرتے ہیں۔ ایمان کے دو درجے ہیں۔ ایک اقرار باللسان اور دوسرا تصدیق بالقلب۔ جب یہ دونوں باہم دگر ایک وحدت بنیں گے تب ہی در حقیقت ایمان مکمل ہو گا۔

توقیر و تعظیم: حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کا پہلا تقاضا حضورؐ کی توقیر و تعظیم ہے جس سے مراد ادب و احترام کا وہ درجہ ہے جو معظم کے شایانِ شان ہو اور جو مودب کے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں بے ساختہ محبت کے جذبے سے موجزن ہو۔ توقیر و تعظیم کے بغیر فیض یاب ہونا ناممکن ہے، فیض یاب ہوئے بغیر اطاعت ممکن نہیں اور حضورؐ کی اطاعت کے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہو سکتی۔ ارشاد ربانی ہے سورۃ النساء آیت 80 ترجمہ (جس نے رسولؐ کی اطاعت کی بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی)۔ توقیر و تعظیم کے مطلوبہ معیار کو جاننے کے لئے قرآن مجید سے دو حوالہ جات اور ایک حدیث مبارکہ ملاحظہ ہوں۔ سورۃ الحجرات آیت 2 (اے ایمان والو! مت بلند کرو اپنی آوازوں کو نبیؐ کی آواز پر اور نہ ہی ان سے گفتگو میں اپنی آواز کو اس طرح نمایاں کرو جس طرح تم باہم ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہوئے بلند آوازی اختیار کرتے ہو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے سارے اعمال ضبط اور برباد ہو جائیں، ساری نیکیاں اکارت ہو جائیں، اب تک کے کئے کرائے پر پانی

پھر جائے اور تمہیں خبر تک نہ ہو) سورۃ البقرۃ آیت 14 میں ارشاد ہے ترجمہ (اے ایمان والو! راعنا (چونکہ ذو معنی لفظ ہے اور اس کے غلط تلفظ سے سوئے ادب کا احتمال ہے) نہ کہا کرو بلکہ انظر نا کہو اور توجہ سے بات سنو)۔ ان ارشادات پاک کی روشنی میں غور طلب بات یہ ہے کہ نافرمانی، معصیت یا گستاخی رسولؐ تو کجا، اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے احتیاطی بھی برداشت نہیں فرماتا۔ سوءادب کے مرتکب بد نصیبوں کے لئے کتنی سخت وعید سنائی گئی ہے۔ ایمان والے کی سیرت کا جمال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے۔ اس ضمن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ترجمہ (تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کے اپنے بیٹے سے، اس کے اپنے باپ سے اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں)۔ محبت اطاعت کا ذریعہ ہے۔ محبت کے بغیر اطاعت عملی شکل اختیار نہیں کرتی۔ اطاعت عروج کو پہنچے تو اتباع نصیب ہوتا ہے اور اتباع سیرت سازی کا بہترین نسخہ بلکہ ضمانت ہے۔

نصرت رسولؐ: سیرت انسانی کے دو پہلو ہیں، حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ ان دونوں میں جو عمل مشترک ہے وہ اللہ کے دین کے غلبے اور قائم رکھنے کی خاطر بنی نوع انسان تک حق کا پیغام پہنچانا ہے۔ اس کام کی اولین منزل جہاد فی سبیل اللہ کے لئے عملاً تیاری ہے جس سے مومن کی سیرت میں للّٰہیت کا عنصر اجاگر ہوتا ہے اور للّٰہیت ہی اعمال صالح کی بنیاد ہے۔ جدوجہد اور جہاد و قتال میں، حضورؐ کے زندہ و تابندہ مشن کی تکمیل میں سر دھڑ کی بازی لگانے کے عمل کو اللہ نصرت سے تعبیر کرتا ہے اور یہ نصرت رسولؐ ہی وہ کسوٹی ہے جس پر اس عالم رنگ و بو میں

سچے اور کھوٹے پرکھے جاتے ہیں۔

سیرت سازی کے لئے روحانی تربیت کی تیسری کڑی اتباع قرآن مجید ہے۔ اخلاقیات کے موضوع پر احکام و ہدایات کثیر تعداد میں مختلف مقامات پر قرآن مجید میں واضح ہیں لیکن ایک جامع ضابطہ اخلاق سورۃ الحجرات میں موجود ہے۔ اس سورہ مبارکہ میں نہایت اہم موضوعات بیان کئے گئے ہیں جن پر اعتقاد، اخلاق، سیرت اور کردار کا محل تیار کیا جاسکتا ہے اور جن کی برکت سے معاشرے میں انس، محبت اور ایثار کی فضا پیدا کی جاسکتی ہے۔ تاہم ایک حقیقت سے آگاہی ازبس ضروری ہے اور وہ یہ کہ قرآن مجید سے صحیح معنوں میں ہدایت و رہنمائی پانے کے لئے چھ شرائط ہیں۔ ملاحظہ ہو سورۃ البقرۃ آیات 2 تا 5۔ اول شرط یہ ہے کہ انسان بھلائی کا طالب ہو، نیکی اور بدی میں فطرتاً تمیز کرتا ہو، برے کاموں سے حتی المقدور بچتا ہو اور نیکی کی طرف طبعاً مائل ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ غیب پر ایمان لاتا ہو اور ایمان کے دونوں درجوں اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب پر پورا اترتا ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ نماز ادا کرنے کا پابند ہو۔ چوتھی شرط اپنے مال سے اللہ اور بندوں کے مقرر کردہ حقوق کی ادائیگی ہے۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ ان تمام کتابوں کو برحق تسلیم کرے جو وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان سے پہلے کے انبیاء پر نازل فرمائیں۔ چھٹی شرط آخرت پر یقین رکھنا ہے۔ جو شخص ان شرائط کو پورا کرے گا وہی قرآن مجید کی ہدایات سے بہرہ ور ہوگا اور اسی کی سیرت سازی میں قرآن مددگار ثابت ہوگا۔

قرآن اور کائنات کا سائنسی مطالعہ

حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھیؒ

"قرآن نے کائنات کے سائنسی مطالعہ پر زور دیا ہے جو ایک ایسا عمل ہے جس کی نظیر دنیا کے مذہبی لٹریچر میں نہیں ملتی یہ بار بار ہماری توجہ ہمارے ارد گرد وقوع پذیر ہونے والے قدرت کے مختلف النوع مظاہر کی طرف مبذول کراتا ہے۔ بار بار مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے۔ کہ سائنسی علوم کا حصول اُن کا مذہبی فریضہ ہے بار بار یہ اس عظیم حقیقت پر زور دیتا ہے جو نزول قرآن سے پہلے دنیا کو معلوم نہ تھی کہ کائنات کی ہر شے انسان کے لئے بنائی گئی ہے اور اسے چاہیے کہ اپنے استعمال میں لانے کے لئے اس کو مسخر کرے۔ یہ ہمیں انسانوں، جانوروں اور پودوں کی پیدائش، ساخت، افزائش، زندگیوں، اقسام اور کاموں کا مطالعہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور یہی جدید علم الحیات کے مسائل ہیں۔

یہ ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ ہم قوانین فطرت اور مادہ کے عام خواص پر قوت (انرجی) کے اثرات کا مطالعہ کریں جو کہ جدید طبیعات کا مسئلہ ہے۔ یہ ہمیں نصیحت کرتا ہے کہ ہم مفرد اور مرکب ہر دو اشیاء کے خواص کا مشاہدہ کریں۔ ان کے آمیزش کے قوانین اور ایک دوسرے کے اوپر کیمیائی اثرات کا مطالعہ کریں۔ یہی جدید کیمیا کا مسئلہ ہے۔ یہ ہم پر زور دیتا ہے کہ ہم کرہ ارض کی ساخت، اس میں موجودہ دھاتوں، اس کے مختلف طبقات اور اس کے نباتاتی اور غیر نباتاتی مادے میں رونما ہونے والے تغیرات وغیرہ وغیرہ پر غور کریں۔ یہی جدید جیالوجی کے مسائل ہیں یہ ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم زمین کی عام کیفیت سمندروں، پہاڑوں، دریاؤں، میدانوں وغیرہ میں اس کی طبعی تقسیم اور ان میں موجود دھاتوں، نباتات، حیوانات اور اس کی سیاسی لحاظ سے کی گئی حد بندیوں کا مطالعہ کریں۔ یہ سب جدید جغرافیہ کے مسائل ہیں۔ یہ ہمیں ترغیب دیتا ہے کہ ہم ان اسباب کا مطالعہ کریں جو دن اور رات کے پیدا ہونے اور موسموں کے تغیر و تبدیل کا باعث ہیں اور ہم سیاروں کی حرکات اور دوسرے سماوی مظاہر قدرت پر بھی غور کریں۔ یہی جدید علم ہیئت کے مسائل ہیں۔

یہ ہمیں ہدایت کرتا ہے کہ ہم ہواؤں کی حرکات، بادلوں کا بننا اور ان کے ارتقائی مدارج اور بارش کا برسنا، اور اس طرح کے دوسرے مظاہر کا مطالعہ کریں جو جدید علم موسمیات کے مسائل ہیں۔"

(خطاب بعنوان "سائنس کی ترقی میں مسلمانوں کا کردار" 1936ء جاپان)

(بحوالہ قرآن معجزہ جاوداں از احمد دیدات ص 112 مطبوعہ قصور)

• مرسلہ: محمد قدرت اللہ بیگ •

صاحبِ قرآن کا نظریہ جہاد

میجر سعید ٹوانہ

ایڈیٹر ندائے اہلسنت نے اسلامی طریق جنگ پہ راقم سے مضمون مانگا ہے۔ اس سے پہلے ایڈیٹر ہلال ایسی ہی درخواست کرتے تھے تو راقم کہا کرتا تھا "حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے لکھنا ثواب ہے لیکن اگر ایک لفظ بھی غلط لکھا گیا تو یہ گناہ عظیم ہوگا۔ بے ادبی ہوگی۔ میں اپنے کو اس قابل نہیں پاتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر قلم اٹھا سکوں۔"

لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ فوج سے متعلق معاملات، خصوصی طور پہ اسلامی طریق جنگ اور نظریہ جہاد سے متعلق باتیں نئی نسل کو منتقل کی جائیں۔ لہٰذا اپنی بہترین کاوش پیش کرتا ہوں۔ صفائی کے جملہ حقوق محفوظ رکھتا ہوں۔ بے ادبی کر رہا ہوں لیکن مقصد یہ ہے کہ جو کچھ راقم اسلامی طریق جہاد اور جنگی طور طریقوں کے متعلق جانتا ہے وہ لکھ دے۔

چند روز پہلے راقم نے اخبار پاکستان (19 نومبر 1991ء) میں ایک مضمون لکھا تھا "ہمارا گمشدہ اسلام" جس میں کہا تھا جیسے ہمارا فوکر گم گیا۔ ویسے اسلام بھی گم گیا ہے اور اصل اسلام تب آئے گا جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منشور "مسلم ہاور" کو ساری دنیا میں لاگو کرنے اٹھ کھڑے ہونگے۔ یہ کہا تھا کہ ذرا اپنے روزمرہ ماحول پہ نظر ڈالیئے۔ ڈاکے، ٹھگی، جھوٹے سچے مقدموں کی بھرمار، مہنگائی کمر توڑ دھماکے ہی دھماکے، اوچھے ہتھکنڈے، عصمت دریاں، بلیک میلی معاشرہ، چوری سے اٹا ہوا معاشرہ، زنا بالجبر، انصاف کا خون یہ سب اخباروں کے مطابق ہمارے معاشرے کی پہچان بن چکی ہے۔

میرے ذہن میں اکثر یہ سوال اٹھتا ہے "عرب کیوں اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے؟" زمانہ دیکھنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ وہ "سردار شوکت" نہیں بننا چاہتے تھے۔ پیدا ہوتے ہی "وینا" کو دفن کر دیتے تھے۔ یعنی عرب تجارت اور جنگ کے لیے اپنے صحرائی گھروں سے دور جاتے تھے تو یہ "وارداتیے" ان کے علاقوں سے نکلتے ہوئے بھیڑ بکریاں چراتی لڑکیوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا کر رفوچکر ہو جاتے ہونگے۔ بوڑھا باپ پیٹتا رہ جاتا ہوگا اور وہ لڑکی زندہ درگور ہو جاتی ہوگی۔ پھر اس لڑکی کا کیا مقام ہوتا ہوگا۔ سب اس پہ ٹھٹھہ لگاتے ہونگے۔ کوئی قبولتا نہ ہوگا۔ وہ وحشیا کا روپ دھار کر معاشرے سے انتقام لیتی ہوگی۔

ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ عرب میں ایک وحشیا عورت کے کئی خاوند ہوتے تھے۔ بچہ پیدا ہوتا تو عورت بتاتی تھی کہ کس کا بچہ ہے اس لیے عربوں کو "ابن فلاں" کی ضرورت دوسری اقوام سے زیادہ رہتی تھی۔ پس جس معاشرہ میں ڈاکے، ٹھگیاں، جھوٹے سچے مقدمے، زنا، انصاف کا خون ہوگا وہ اسلام سے قبل کا ہی معاشرہ ہوگا۔ اسی معاشرے کی اصلاح اسلام کرے گا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ گندے معاشرے کی اصلاح اسلام کیسے کرتا ہے؟ یہ ہے اصل سوال۔ میں نے اپنی زندگی میں دو تین قسم کے اسلام دیکھے ہیں۔ ایک بچپن میں دیکھا تھا۔ ایک جوانی میں اور ایک جوانی ڈھل جانے کے بعد آج کل دیکھ رہا ہوں۔ تینوں مختلف قسم کے اسلام مجھے لگتے ہیں۔

چوتھی جماعت میں تھا تو 14 اگست 1947ء کو والد صاحب انگلی پکڑ کر خانیوال کے کسی تھانے میں لے گئے۔ وہاں والد صاحب ڈی ایس پی تھے۔ وہاں آزادی کا جھنڈا چڑھایا۔ یونین جیک نیچے اتارا اور یہ تقریر کی "اب ہم پاک کہلائیں گے" لیکن پاک کہاں کے پڑے ہم تو پلید ہیں۔ پلید کہلا سکتے ہیں۔ سوچتا ہوں کہ یہ مسلمانوں کا ملک ہے۔ کیا یہ مسلمان ہیں؟ کیا یہ اسلام کا پھل ہے؟ پاک کی جگہ پلید، اچھے معاشرہ کی جگہ گندہ معاشرہ، اسلام کہاں رہ گیا؟

راقم نے بچپن میں جو اسلام دیکھا تھا وہ والد کی تربیت کی نظر سے دیکھا تھا۔ ہم ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ترنتارن کے بیٹے مسجد میں نمازوں کو پنکھا جھلنے میں لگے رہتے۔ ہر گیارہویں شریف کو اہتمام سے غوث پاک سے صدقے غریبوں کو میٹھا کھلاتے۔ اپنے ہاتھ سے کھلاتے۔ ننگے پاؤں ہو کر "سیوا" کرتے۔ غریبوں کے ہاتھ خود دھلاتے۔ روزانہ مسجد میں کھانا لیجاتے، مسافروں کو بستر مسجد میں پہنچاتے۔ والد صاحب باہر سوتے اور علی الصبح پستول کی گولی کا نشانہ بناتے۔ جس سے سب گھر والے جاگ جاتے اور نماز پر استوار ہو جاتے۔ نماز کے بعد کے سب گھر والے دس ہزار بار درود شریف پڑھتے۔ پھر تانگہ جو کر قریب نہر میں نہانے جاتے۔ بچپن میں گھر میں بات بات پہ پنجتن پاک سے محبت، غوث پاک سے محبت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کا خوف دل میں بٹھایا جاتا۔

کہتے ہیں کہ انسان مثالی ہو تو وہ اپنے ماحول کو متاثر کرتا ہے۔ ہم نے والد صاحب کو پہلا مسلمان دیکھا۔ ڈیوٹی وہ عبادت کی طرح دیتے۔ بحیثیت پولیس آفیسر وہ فرشتہ تھے۔ ساری رات گھوڑے پہ زین کسی رہتی تاکہ ڈاکو کو "ہنٹ ڈاؤن" کر سکیں۔ والد صاحب کہا کرتے تھے کہ پولیس آفیسر وہ ہے جو ڈاکو کے سر پر اس وقت پہنچ جائے جب وہ ڈاکہ مار رہا ہو۔ کبھی نقلی پولیس مقابلہ نہ کیا۔ وہ اس کے سخت خلاف تھے اس کو "قتل عمد" سمجھتے تھے۔ اصلی پولیس مقابلہ لگاتے۔ بدمعاش بس جیلوں میں بھیج دیتے تاکہ دنیا سکون سے سوئے۔ باہر نکلتے تو بستہ الف اور بستہ ب کے حوالے سے پولیس تھانے میں جکڑے رہتے۔ آخری عمر میں والد صاحب کہا کرتے تھے کہ پاکستان کو "سرکاری آفیسر" لے ڈوبا۔ "سرکاری آفیسر" کو ٹھیک کر لو تو پاکستان ٹھیک ہو جائے گا۔ اگر سرکاری آفیسر چھاتی کے زور پہ جرم کرنے والوں کو بستہ الف اور ب میں باندھ لیں تو آج بھی معاشرہ ٹھیک ہو سکتا ہے۔ بچپن میں جو اسلامی معاشرہ دیکھا بعد میں اس کا بگاڑ دیکھا۔ بچپن کا اسلامی معاشرہ بھی گم ہو چکا ہے۔ اب اس کو تلاش کیجیئے۔

کیا یہ جدید دور اسلامی معاشرہ ہے؟
کیا بچپن کا زمانہ اسلامی معاشرہ تھا؟

سوچتا ہوں تو دونوں سوالوں کے جواب نفی میں ملتے ہیں وجہ یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ کو سمجھنا ہو تو حضور نبی کریم کی زندگی کے آخری دس سال غور سے دیکھنے ہونگے۔ صاحب قرآن نے آخری دس سال جس طرح گزارے وہ ہی قرآن کی تعلیم ہے۔ مدنی زندگی کے آخری دس سال میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی معروفیات آپ کو پیش کرتا ہوں۔ یہ مرکزی نکتہ اسلام کو سمجھنے کا۔ جناب میجر امیر افضل خان ریٹائرڈ نے حضور کی جنگوں پہ ایک کتاب لکھی ہے جو پڑھنے کے لائق ہے۔ ریسرچ کا نیا مواد ملے گا۔ میں اپنے مطالعہ سے آہستہ آہستہ ایک فہرست بنا

رہا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی مصروفیات (10 سال مدنی زندگی) کی فہرست ملاحظہ ہو۔

صحیح بخاری کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ہر سریہ پر جانا چاہتے تھے لیکن فکر تھی کہ امت اس سنت پہ چل نہ سکے گی۔ ان تمام جنگوں کا بغور مطالعہ کرو تو ایک وہ جہاد نظر آئے گی "خود راہ راست پہ چلنا، دنیا کو رہ راست پہ لانا، دشمنوں کی سرکوبی کرنا" اب ذرا ان مہمات کی فہرست ملاحظہ ہو۔

حضور کی کی زندگی کے غزوات / مہمات سریے (جو راقم کی نظر میں آئے نہیں)

اب ذرا جنگی مقابلوں کی فہرست پہ نظر ڈالتے ہیں:

دھاوے (3)

1۔ ایشرہ پہ دھاوا (جمادی الثانی 2 ہجری، ابوسفیان کے تجارتی قافلے کا کھوج اور جنگی مشق

2۔ بنو اسعد کی سرکوبی کے لیے جناب عکاشہ بن محصن کو تیز رفتار دستہ دے کر بھیجا (ربیع الاول 6 ہجری) یہ دستہ عمر پہاڑ تک بنو اسعد کی سرکوبی کے لیے گیا۔ یہ دھاوا گنا جاتا ہے۔

3۔ آٹھ ہجری، بنو عقیم پہ دھاوا، عینیہ بن حصن بعد میں مرتد ہو گیا تھا اس لیے مورخین نے اس مہم کا ذکر ختم کر دیا اور بعد غنیہ مسلمان ہو گیا تھا۔

باقاعدہ جنگیں (10)

1۔ رمضان 2 ہجری، جنگ بدر، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کمان کی۔ حق و باطل کا بڑا معرکہ

2۔ شوال 3 ہجری، جنگ احد، حضور نے خود کمان کی، 10 روز پہلے محمد بن مسلمہ کا حفاظتی دستہ قریش پہ نظر رکھنے کے لیے پہلے روانہ کر دیا۔ حق و باطل کا دوسرا بڑا معرکہ۔

3۔ شوال ذی قعد 5 ہجری جنگ خندق، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کمان کی، خندق کی تیاری 20 دن، محاصرہ 22 دن حق و باطل کا تیسرا بڑا معرکہ۔

4۔ (امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے اس کو جنگ کہا ہے) جنگِ حدیبیہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کمان کی، نتیجہ صلح حدیبیہ ذی قعد 6 ہجری۔

5۔ جمادی اللاول 7 ہجری جنگ خیبر، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کمان کی، پہلی جارحانہ کاروائی، بہت تیاری کی گئی۔ ایک ماہ کی بھرپور جارحانہ جنگ۔

6۔ جمادی اللاول 8 ہجری جنگ موتہ، حضرت زید بن حارث نے کمان کی، تیاری 40 دن، جنگ 15 دن۔ حضرت زیدؓ جعفرؓ، عبداللہؓ کی شہادت کے بعد کمان حضرت خالد بن ولیدؓ نے سنبھالی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کمک بھیجی، جمادی اللاول 8 ہجری ذاتِ سلاسل کی مہم، کمک کی کمان حضرت ابو عبیدہ بن دین الجراحؓ کو دستہ دے کر بھیجا۔ حضرت صدیق اکبرؓ اور عمرِ فاروقؓ عام مجاہد کے طور پر لڑے۔

7۔ رمضان 8 ہجری، فتح مکہ، غزیٰ کا بت توڑا، سوی کا بت خانہ توڑا، مناتہ کا بت خانہ توڑا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کمان کی، خالد بن ولیدؓ، عمرو بن عاصؓ، سعد بن زیدؓ اور شعلیؓ کو دستے دے کر ارد گرد بھیجا۔ عربوں کا مذہب ختم کر دیا۔ مذہب کی آڑ میں قریش کی تجارت ختم کر دی۔ عربوں میں فیثا غورث کا قبیلہ ایک خدا کو مانتا تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلے مہذم کر دیئے۔ مذہب مہندم کر دیئے۔ طاقتور کا غرور خاک میں ملا دیا تاکہ "امت" کی تشکیل ہو اور وہ ایک کمان میں مربوط کی جا سکے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد انسانیت کا اتحاد تھا (UNIFIER OF MANKIND)۔

8۔ شوال 8 ہجری جنگ حنین اور طائف کا محاصرہ، ادائے عمرہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کمان کی، کسی وضاحت کی ضرورت نہیں۔

9۔ اُج کے مقام پر قبیلہ بنی کلاب کو شکست اور دعوتِ اسلام۔

10۔ رجب 9 ہجری، تبوک کی مہم، حضور نے خود کمان کی، تیاری 2 ماہ، جنگ ایک ماہ، مشکل ترین مہم، بعد میں پھیلاؤ ہوا۔

لہٰذا "مدنی زندگی کے دس سالوں میں 10 جنگیں "لڑنے والا اسلام ہم نے اپنی زندگی میں تو نہیں دیکھا۔ ہم نے تو دیکھا ہے کہ نئے مذہب استوار ہو رہے ہیں۔ نئے قبیلے استوار ہو رہے ہیں۔ امت کا شیرازہ بکھرایا جا رہا ہے۔ کمان مرکزی کہیں نہیں۔ انسانیت کا اتحاد کہیں نہیں۔ ریت کے ذروں کی طرح انسان الگ الگ ہو چکا ہے۔ اپنی اپنی بولیاں بول رہا ہے۔ اب آئیے فہرست پہ مزید نظر ڈالتے ہیں۔

چھاپے 11 عدد:

فہرست چھاپوں کی یہ ہے:۔

1۔ محرم 3 ہجری، قرارلکدر کی مہم، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کمان کی، بنو غطفان اور بنو سلیم کے علاقوں پہ چھاپے اور مال غنیمت کا حصول۔

2۔ قرطاس کی مہم، حضرت محمد بن مسلمہ کو کمان دی۔ بیر معونہ اور ذات رجیع کے شہداء کا انتقام لیا۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہداء کا انتقام ضرور لیتے تھے۔ کبھی نہ چھوڑتے تھے۔) بیر معونہ میں دغا بازی سے صحابہ شہید کر دیئے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہمات بھیجیں جس نے تالی بھی بجائی اس کے خلاف بھی مہم بھیجی۔ انتقام لے کر چھوڑا۔

3۔ ربیع الثانی 6 ہجری ذیقعد کی مہم، محمد بن مسلمہ کو کمان دی۔ بنو نخوال اور بنو ثعلبہ پر چھاپہ، پورا دستہ شہید ہو گیا۔ دھوکا کھا گئے۔

4۔ ربیع الثانی 6 ہجری، ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو کمان دی۔ بنو ثعلبہ پہ چھاپہ، (اوپر والی قربانی کا بدلہ لینے کے لیے دشمن پہ زبردست چھاپا)

5۔ جمادی الثانی 6 ہجری، عیص پہ چھاپہ، زید بن حارثؓ کو کمان دی۔ قریش کے قافلے عراق سے شام چلتے تھے۔ وہاں پہنچ کر ان پہ کامیاب چھاپہ مالِ غنیمت کا حصول (دشمنوں کا مال مسلمانوں کا مال سمجھا جاتا تھا) ذرا فاصلے کا اندازہ لگائیے۔

6۔ جمادی الثانی 6 ہجری طرف کی مہم، زید بن حارثؓ کو کمان دی۔ بنو ثعلبہ کے مزید علاقوں پہ چھاپے اور بھرپور حربی مظاہرے۔

7۔ شعبان 7 ہجری بنو مرہ کی سرکوبی کے لیے چھاپے بشیر بن سعدؓ کو کمان دی۔ اس کو فدک کی دوسری مہم بھی کہتے ہیں۔ جناب بشیرؓ زخمی ہو گئے۔

8۔ رجب، شعبان 9 ہجری، دومتہ الجندل پہ چھاپہ، حضرت خالد بن ولیدؓ کو کمان دی۔ بنی حارث کو دعوتِ اسلام۔

9۔ رمضان دس ہجری، یمن میں دعوت اسلام، حضرت خالد بن ولیدؓ کو بھیجا۔ بعد میں حضرت علیؓ بھیجے گئے۔ دونوں صحابی حجتہ الوداع کے موقعہ پہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آئے۔

10۔ آٹھ ہجری بنو عبس کو دعوتِ اسلام، قبیلے کے لوگوں کی گذارش پہ جناب طلحہؓ کو بھیجا گیا۔ لوگ مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے قریش کے قافلوں پہ چھاپے مارے (فتح مکہ سے پہلے کی کاروائیاں)

11۔ شوال 10 ہجری، اہل جرش کا محاصرہ، جناب حرد بن عبید اللہؓ۔ جناب خرد کی دعوتِ اسلام کے نتیجے میں مہمات اور محاصرے۔

بھرپور حربی مظاہرے:

(15) مندرجہ ذیل تھے:۔

1۔ شوال یکم ہجری رابعہ کی مہم جناب عبیدہ بن حارثؓ کی گشتی کاروائیاں۔

2۔ ذی قعد یکم ہجری، حرار کی مہم، جحفہ کی مہم، سعد بن ابی وقاصؓ کو اثرات قائم رکھنے کے لیے بھرپور قوت کا مظاہرہ کرنے بھیجا۔

3۔ صفر 2 ہجری ربوا کی مہم، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کمان کی۔ (دان اور ربوا)

4۔ جمادی الثانی 2 ہجری، ایشرہ پہ دھاوا

5۔ شوال ذیقعد 4 ہجری، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کمان کی۔ ابو سفیان کے چیلنج یا "بڑ" کے بعد اپنا وعدہ پورا کیا۔ 8 روز قیام کیا پھر بھی ابو سفیان مقابلے میں نہ آیا۔

6۔ ربیع الاول 5 ہجری، دومتہ الجندل کی پہلی مہم، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کمان کی۔

7۔ شعبان 5 ہجری المرسیع کی مہم، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کمان کی۔ بنو مصطلیق کے علاقوں میں حربی مظاہرے۔

8۔ رجب 6 ہجری، دومتہ الجندل کی دوسری مہم جناب عبدالرحمن بن عوفؓ کو کمان دی۔ ایک ماہ پندرہ دن کی مہم، دور دراز علاقوں میں حربی مظاہرہ اور بڑی مہم

دس سال میں پچانوے غزوات مہمات اور سریے

کے اثرات پھیلانے کی کوشش۔

9۔ شعبان 6 ہجری، بنی مصطلیق پہ حملے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کمان کی۔ متعدد قبائل کا قبولِ اسلام۔

10۔ شعبان 7 ہجری طربہ کی مہم عمر فاروق بن خطابؓ کو کمان دی۔ بنو ہوازن کے دور دراز علاقوں میں طاقتور حربی مظاہرہ اور کاروائیاں۔

11۔ ذیقعد 7 ہجری، فوجی طور پہ عمرہ ادا کیا۔ حضور نے خود کمان کی۔ صلح حدیبیہ کی شرط کے بعد پہلا عمرہ بمعہ دو سو ساتھی۔

12۔ ربیع الاول 8 ہجری، جناب شجاع بن وہبؓ کی کمان میں ذات عراق کی مہم طربہ کی مہم کے مابعد اثرات قائم رکھنے کے لیے وسعت سے حربی مظاہرہ۔

13۔ رجب 8 ہجری، خبط کی مہم ابو عبیدہ جراحؓ کی کمان بھیجی۔ تیاری ایک ماہ، جنگ 10 روز، سمندر کے ساتھ ساتھ حربی مظاہرہ، ایک مچھلی پہ 18 دن گزارہ کیا کیونکہ رسد ختم ہو گئی تھی۔

14۔ 8 ہجری وادی عدم کی مہم، جناب ابن ابی حدودؓ کو ... از وادی عدم میں مسلمانوں کی حفاظت اور ان کے دشمنوں پہ رعب ڈالنے کے لیے حربی کاروائیاں۔

سرکوبی کی مہمات، سریے 29 عدد:

1۔ رمضان 2 ہجری، عصماء کی سرکوبی (قتل) حضرت عمرؓ کی کمان، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرنے والی شاعرہ کا قتل، اصول یہ بنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرنے والا مرد ہو یا عورت اسلامی فوج کے ذریعے قتل کیا جائے گا۔

2۔ شوال 2 ہجری، ابو عنک یہودی کا قتل، اوپر والا اصول، کمان حضرت سالم بن عمیرؓ۔

3۔ شوال 2 ہجری، بنو قینقاع کی سرکوبی، میثاقِ مدینہ توڑنے پہ ان کو دیس نکالا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کمان کی۔

4۔ ربیع الاول 3 ہجری کعب بن اشرف کا قتل، جناب محمد بن مسلمہؓ کو کمان دی۔ شرپسند یہودی کا قتل، قریش سے ملا ہوا تھا۔

5۔ ربیع الاول 3 ہجری غطفان کی مہم، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کمان کی۔ بنو غطفان، بنو ثعلبہ، بنو محارب کی سرکوبی، مہم در مہم۔

6۔ جمادی الاول 3 ہجری، بنو سلیم کی مہم، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کمان کی۔ بھرپور حربی مظاہرہ، بنو اسد بنو فزارہ اور بنو سلیم کو تتر بتر کرنا۔

7۔ محرم 4 ہجری قطن کی مہم، جناب ابو سلمہ مخدومیؓ کی کمان، بنو اسد کی سرکوبی جناب ابو سلمہ شہید ہو گئے۔

8۔ ربیع الاول 6 ہجری، بنو سلیمان کی سرکوبی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کمان کی، بیر مونہ اور ذات رجیع کے شہداء کا بدلہ لینے کے لیے مکہ کے قریب تمام شرپسند قبائل پہ چھاپہ۔

9۔ ربیع الثانی 6 ہجری، جموم کی مہم، حضرت زید بن حارثؓ کی کمان، جنگ خندق میں بنو سلیم کی غداری پہ سزا دینا۔

10۔ شعبان 6 ہجری، فدک پہ چھاپہ، یہودیوں اور بنو سعد بن بکر کے گٹھ جوڑ کا قلع قمع حضرت علی بن ابو طالبؓ کی کمان۔

11۔ شوال 6 ہجری، خیبر پہ پہلا چھاپہ، جناب عبداللہ بن دوامہ کی کمان، بنو غطفان اور یہودیوں کے گٹھ جوڑ کا قلع قمع، یہودیوں کے سردار آسیر کو قتل کر دیا۔

12۔ ایضاً، خیبر پہ دوسرا چھاپہ، جناب عبداللہ بن عتیقؓ کی کمان، یہودیوں پہ دباؤ قائم رکھنا، یہودی سردار (ابو رفیع بن الحقائق) کا قتل۔

13۔ جمادی الثانی 7 ہجری، شمالی علاقوں کی مہم، جناب زید بن حارثؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کی کمان، اس کو حیبی اور اجودھم کی مہمات بھی کہتے ہیں۔

14۔ شعبان 7 ہجری، بنو کلاب کی سرکوبی، ابو بکر صدیقؓ کی کمان، شرپسندوں کا قلع قمع۔

15۔ صفر 8 ہجری، کدید پہ حملہ، حضرت غالب بن عبداللہ کی کمان، بنو سلیم کے ظلم کا انتقام، بیر مونہ (بیر چشمہ کو کہتے ہیں) کے شہداء کا بدلہ مختلف قبائل پہ شبخون۔

16۔ 8 ہجری، وادی الغابہ کی مہم، جناب ابن ابی حدودؓ کی کمان، اسلام دشمن رفا بن قیس الجشامی کا قتل اور اس کے ساتھیوں کے خلاف جنگی کاروائیاں۔

17۔ 8 ہجری، ذوقہ کی مہم، حضرت القمہ بن محیصرؓ کی کمان، حضرت وقاصؓ کی شہادت کا بدلہ لینے کے لیے مہم بھیجی۔

18۔ شعبان 8 ہجری قبیلہ خضرہ کی سرکوبی کی مہم، جناب ابو قتادہؓ انصاری کی کمان میں شب خون مار کر قبیلہ خضرہ کے شرپسندوں کو سزا دی گئی۔

19۔ رمضان 8 ہجری، جناب ابو قتادہؓ کی دوسری مہم، مکہ مکرمہ کی فتح کے لیے اضافی کاروائیاں، بعد میں یہ دستہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہو گیا۔

20۔ دعوتِ اسلام، بنو سلیم کو دعوتِ اسلام، کمان حضرت خالد بن ولیدؓ، بنو سلیم نے دھوکہ سے مسلمانوں کو شہید کر دیا تھا، حضرت خالدؓ کو بھیجا گیا۔ کچھ لوگ خالدؓ نے غلطی سے مار دیئے۔ حضرت علیؓ کو بھیج کر خون بہا دلوایا۔

21۔ شوال 8 ہجری، ذی الکفین کے بت کا انہدام، جناب طفیل بن عمر الدوسی کی کمان، جنگ حنین کے بعد ہی مہم بھیج دی۔

22۔ محرم 9 ہجری ولید کی مہم، جناب ولید بن عقبہ کی کمان، بنو خزاعہ کا قلع قمع۔

23۔ صفر 9 ہجری، قبیلہ خثم کی مہم، جناب قطیبہ بن عامرؓ کی کمان، اسلام دشمن قبیلہ خثم پہ شبخون اور دھاوا۔

24۔ ربیع الاول 9 ہجری، بنی کلاب کو دعوتِ اسلام، جناب ضحاک بنؓ عامر کی کمان، بنی کلاب وسیع علاقے میں پھیلا ہوا تھا۔ اُج کے مقام پہ مسلمانوں سے جنگ ہوئی۔

25۔ ربیع الاول 9 ہجری ٹ جدہ کی مہم، جناب علقمہ بن حجز کی کمان، حبشی نسل بحری ڈاکوؤں کی سرکوبی۔

26۔ ربیع الثانی 9 ہجری، بنو طے کو دعوتِ اسلام حضرت علیؓ کی کمان۔ بنو طے کا بت خانہ منہدم کیا گیا۔ حاتم طائی کی بیٹی قید ہوئی۔ بعد میں عدی بن حاتم اور سارا

> جہاد کا مقصد، خود راہِ راست پر چلنا، دنیا کو راہِ راست پر لانا اور دشمنوں کی سرکوبی کرنا تھا،

قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ (حاتم طائی کا قبیلہ کیوں جنگ کے لیے چنا، وہ تو لوگوں کو خیرات کرتا تھا، شاہ فہد بھی خیرات کرتا ہے، حضور ہوتے تو اس سے بھی لڑتے) راقم۔

27۔ ربیع الثانی 9 ہجری، جناب عکاشہ کی مہم، حضرت کاشہ بنؓ محض کی کمان بنو اسد کے علاقوں میں مہمات کو وسعت دینا۔

28۔ حجتہ الوداع کی فوجی تیاری، حضور نے حود راہنمائی کی۔ ایک ماہ تیاری، دس دن اکٹھ کیا۔ قبائل کو منظم کر کے فوجی طور پہ اپنے اپنے جھنڈوں کے تحت اسلامی فوج تشکیل دی گئی۔

29۔ محرم گیارہ ہجری، جناب اسامہ بن زیدؓ کی مہم، تیاری دو ماہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کاروائی، پلاننگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقتدر صحابی اسامہ کے تحت عام سپاہی کے طور پر شریک ہوئے۔

مدنی زندگی کے دس سال میں تعاقب کی مہمات (6 عدد تھیں)

1۔ نخلہ کی جھڑپ، رجب 2 ہجری، حضرت عبداللہ بن جحش کو کمان مکہ اور طائف کے ارد گرد جھڑپیں۔

2۔ صفر 4 ہجری، بیر مونہ کی عظیم قربانی، جناب المندر بن عمروؓ کی کمان میں 70 صحابہ کرام کو دھوکہ سے گھیرا ڈال کر شہید کر دیا۔ صحابہ نے ڈٹ کر آخری آدمی تک مقابلہ کیا۔ عظیم لڑائی اور عظیم قربانی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیر مونہ کے شہداء کا بھرپور انتقام لیا۔ بار بار انتقام لیا۔ پھر کفار نے ایسی جرات نہ کی۔

3۔ ربیع الاول 4 ہجری، جناب مرثدؓ کی کمان، رجیع کے شہداء کا انتقام، صحابہ کرام کے ساتھ دھوکہ کیا، 8 صحابہ کو شہید کر دیا، دو کو قریش کے ہاں بھیج دیا، قریش نے ان کو پھانسی دے دی۔ عظیم قربانی۔

4۔ رجب 6 ہجری، وادی القریٰ کی پہلی مہم، حضرت زید بن حارثؓ کی کمان شمالی علاقوں میں بنوفزارہ کے خلاف مہم، اس جنگ میں صرف 3 مجاہد زندہ بچے۔

5۔ ذوالحجہ 7 ہجری، بنو سلیم کا ظلم، جناب ابوالعوجارؓ کی کمان، دعوت اسلام بلا کر بنو سلیم نے دھوکہ سے پچاس سوار شہید کر دیئے۔ صرف ابی العوجار زندہ بچے۔

6۔ ربیع الاول 8 ہجری، ذات اطلاع کی قربانی، جناب کعب بن عمیر غفاری کی کمان، مدت ایک ماہ، فلسطین کی سرحد پہ تبلیغی دستہ پہ حملہ، جھڑپ، دشمن نے دھوکہ سے سب جماعت کو شہید کر دیا۔ صرف ایک مسلمان زندہ بچا۔

مدنی زندگی کی جوابی کاروائیاں (7 عدد)

1۔ رمضان یکم ہجری، بحر کی مہم، کمان حضرت امیر حمزہؓ، ابو جہل کے لشکر کے خلاف کاروائیاں۔

2۔ ربیع الاول 4 ہجری بنو نضیر کا محاصرہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کمان کی۔ میثاق مدینہ سے انکار پہ بنو نضیر کا محاصرہ اور ان کا جلاوطن کرنا۔

3۔ ذی قعد 5 ہجری، بنو قریظہ کا قلع قمع، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کمان کی۔ بنو قریظہ کو غداری کی سزا دی۔

4۔ محرم 6 ہجری، قرطاس کی مہم، حضرت محمد بن مسلمہؓ کی کمان، ذات رجیع اور بیر معونہ کے شہداء کا انتقام لیا گیا۔

5۔ شعبان 6 ہجری، وادی القریٰ کی دوسری مہم، جناب صدیق اکبرؓ بن ابو قحافہ کی کمان، شہداء کا انتقام لیا۔ ام قرفہ رہزن عورت کا قتل، پورے علاقے میں حربی مظاہرہ۔

6۔ چھ ہجری، ذات رجیع کے شہداء کا بدلہ لیا۔ حضرت عمرو بنؓ امیہ کی کمان، عمرو نے اہلِ مکہ کی نیندیں حرام کر دیں۔ جگہ جگہ جھپٹنا۔

7۔ رمضان 7 ہجری خربہ کی مہم، حضرت اسامہ بن زید کی کمان جہینہ کے علاقوں میں فتنہ وفساد کا قلع قمع۔

1۔ ربیع الاول 2 ہجری بواط کی مہم، امیہ بن خلف کے قافلے کے خلاف گھات حضور نے خود کمان کی۔

2۔ جمادی الثانی 3 ہجری، قریش کے قافلے پہ قروہ کے مقام پہ گھاتی حملہ، قریش نے ڈر کر عراق اپنے قافلے بھیج دیئے۔ یہ قافلے عراق سے شام چلتے تھے۔ قریش کے ان قافلوں کے خلاف ان کے تجارتی راستوں پر گھاتی حملے کیے گئے۔ یہ تجارتی راستہ بند کر دیا گیا۔ تیز رفتار گھات لگائی جاتی تھی۔ حضرت زید بن حارث کی کمان، (LIGHTENING RAIDS)۔

3۔ محرم 4 ہجری خالد بن سفیاں کا قتل، جناب عبداللہ بن انیس کی کمان، قبیلہ ہذل کے خالد بن سفیان کو اسلام دشمنی کی وجہ سے گھات لگا کر قتل کروا دیا گیا۔ بہت لمبا سفر کرنا پڑا۔

1۔ ربیع الاول 2 ہجری کرزین بن جابر کا تعاقب (حضرت سعد، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کمان کی)

2۔ ذوالحجہ 2 ہجری، ابوسفیان کا تعاقب، حضور نے خود کمان کی۔ اس کو سویق کی مہم بھی کہتے ہیں۔ ابوسفیان آگے آگے اور حضور پیچھے پیچھے۔ قرارہ الکدر تک تعاقب کیا۔

3۔ شوال 3 ہجری، جنگ احد کے بعد قریش کا تعاقب اور گشتی کاروائیاں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کمان کی، حمر الاسد کی مہم کہلاتی ہے۔

4۔ شوال 6 ہجری، کرزین جابرؓ کی مہم، قبیلہ قیس اور عرینی پہ جناب کرزؓ کا جھپٹنا۔ ان احسان فراموش قبیلوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کر دیا تھا۔ ان پہ جھپٹنا اور پکڑ کر سزا دینا۔

5۔ شوال 7 ہجری جناب بشیر بن سعدؓ کی دوسری مہم 15 روز، بنو مرہ کے علاقوں پہ چھاپہ کے بعد مزید تعاقب، بنو فزارہ، بنو لیحان اور بنو غطفان کے قبیلوں کو راہ راست پہ لانا۔

حاصل گفتگو:

مندرجہ ذیل ہے:۔

1۔ صاحب قرآن کی آخری مدنی زندگی کے دس سال دیکھیئے۔ 95 غزوات، مہمات، جنگیں اور سریئے لڑے گئے۔ یعنی ہر ماہ ایک جنگ کی اوسط۔ کون ظالم کہہ سکتا ہے کہ حضور کی جنگیں محض دفاعی تھیں۔ اپنے مدینہ کے دفاع کے لیے تھیں

جو بھی قرآن کے راستے میں آیا
خس و خاشاک کی طرح بہا دیا گیا

(کوثر نیازی کہتا ہے) کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شادیاں کرنے کی فرصت تھی۔ حضور تو "مسلم پاور" کو مضبوطی سے چہار اطراف پھیلا رہے تھے۔ شادیاں بھی اسی سلسلے کی کڑی تھیں۔ مسلم پاور کا مقصد خود راہ راستہ پر رہنا (غلطی سے خالد سے قتل ہو گیا تو حضرت علی کو بھیج کر خون بہا دلوایا) اور دنیا کو اس راہ راست پہ چلانا۔ 2۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کو متحد کر رہے تھے وہاں مقصد یہ نہ تھا کہ اپنی قوم کو امیر کبیر بنانے لگ گئے وہ تو ابوسفیان کہتا تھا کہ محمد بھی قریش کے قافلے نہیں لوٹتے۔ آپ ہمارا مذہب اور اس کی اجارہ داری ختم کر دیں گے تو ہماری تجارت متاثر ہو گی۔ یعنی قریش ایک BLOOD CLOT بن چکے تھے۔ صرف اپنے مفادات پر نظر تھی۔ حضور نے ماہر سرجن کی طرح جسم انسانی سے ایسے بلڈ کلاٹ اٹ کر باہر پھینک دیئے۔ حاتم طائی کی خیرات اور شاہ فہد کی خیرات دیکھیئے۔ اس کے قبیلے کو بھی نہ چھوڑا۔ جب تک وہ مسلمان ہو گئے اور خواص نے عام کر دیئے گئے۔ بت گرائے گئے۔ مفاد پرست ختم کر دیئے۔ دھوکہ بازوں کی جان عذاب میں آ گئی۔ دغا بازوں سے انتقام لیا گیا۔ حضور کی ہجو کرنے والوں کو (خواہ عورت تھی یا مرد) فوجی کاروائی سے ختم کیا گیا۔ اپنے ایک ایک شہید کا گن گن کر بدلہ لیا۔ معاف نہ کیا۔ خوف نہ کھایا۔ ایک مدینہ کی چھوٹی سی بستی کے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرب کو حضور کی زندگی میں ہلا کے رکھ دیا۔ اسلام ہلا کے نہ رکھ دے تو اسلام نہیں۔ حضور کی کامیابی کا راز یہ تھا کہ آپ نے معاشرہ بنانے کا کچھ اس قسم کا بندوبست کیا تھا کہ "سب ایک کے لیے، ایک سب کے لیے" یہ انسان کی دنیا میں بنیادی ضرورت ہے۔ ایک چرواہے کے لیے فوج بھیجی۔ حجاج بن یوسف نے چند عورتوں کی خاطر سندھ افواج بھیجیں۔ ایک انسان کے لیے پورا

معاشرہ بنایا اور معاشرے کے لیے انسان کی تربیت کی۔

3۔ مکی زندگی میں دس سال میں مہمات کا جائزہ لیجیے۔ ابن اسحق اور ابن سعد کے مطابق بالترتیب 100 اور 120 غروات سریئے تھے۔ راقم کم جانتا ہے۔ ان میں سے 31 کی کمان حضور نے کی۔ باقی کمانڈروں کے تحت حضورؐ نوجوانوں کو کمان کے لیے تیار کرتے رہے اور بار بار ان کو باہر بھیج کر آزمائش کی کھالی میں ڈالا۔ جو سرخرو ہوا وہ فوج کا کمانڈر بنا۔ بڑے بڑے مقتدر صحابہ ان کمانڈروں کے ماتحت لڑتے تھے حاکم قبیلہ ہونا کوئی کمان کی نشانی نہ تھی۔ جنگی قابلیت، جنگی بصیرت، اٹے ہوئے کام کو احسن طریق سے کر لینا، مردانہ ہمت اور جنگی جوہر، یہی اصلی کمانڈروں کے چناؤ کا معیار تھا۔ سب بھیجے گئے۔ بوڑھے بھی اور نوجوان بھی۔ حکمت کے مطابق بھیجے جاتے تھے۔ کہیں خالدؓ، کہیں اسامہؓ، کہیں حضرت ابو بکرؓ کو بھیجا جاتا تھا۔ ان کمانڈروں پہ نظر رکھی جاتی تھی۔ ان کی کمی بیشی دور کرنے کے اسباب بھی کیے جاتے تھے۔

4۔ یہاں سے جہاد کا نظریہ سامنے آتا ہے۔ اس کا مقصد مسلم پاور کو مسلط کرنا تھا۔

-POWER-CONCEPT OF JEHAD IS TO ESTABLISH MUSLIM

اور غور کیجیے۔ جو اس مسلم پاور کے راستے میں آیا وہ حضور نے خش و خاشاک کی طرح بہا دیا۔ جغرافیہ کی پرواہ نہ کی۔ قبیلوں کے علاقوں، اجارہ داریوں کی پرواہ نہ کی۔ مذاہب کی پرواہ نہ کی۔ سرداروں کی پرواہ نہ کی۔ مال داروں کے مال کی پرواہ نہ کی بلکہ ان کو لوٹ کر راہ جہاد پر لگا دیا۔ صحیح بخاری کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر سریہ پہ خود جانا چاہتے تھے لیکن فکر تھی کہ اس سنت پر اُمت چل نہ سکے گی۔

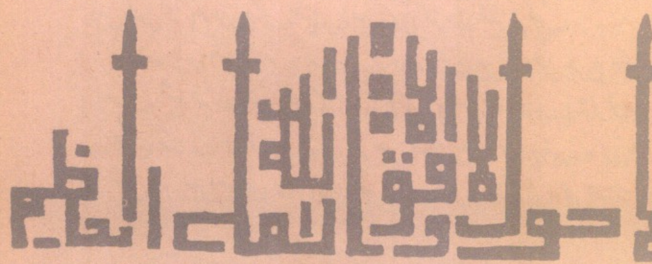
5۔ دیکھ لیجیے کفار کیوں حضور سے الرجک ہیں۔ کبھی ان کی شادیاں گنواتے ہیں کبھی ان کو دہشت گرد کہتے ہیں۔ حضور کا پیار دل سے نکالنے کے لیے انہوں نے "وہابی" مذہب چلایا۔ وہابیوں کو مسلمانوں کے علاقوں پر اجارہ داری بخشی اور کفار آج پوری طاقت سے وہابیوں کی فوجی مدد کر رہے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو بانٹ کر منتشر کر دیا۔ آج وہی صاحبِ عزت ہے جو کافروں اور وہابیوں سے وابستہ ہے۔

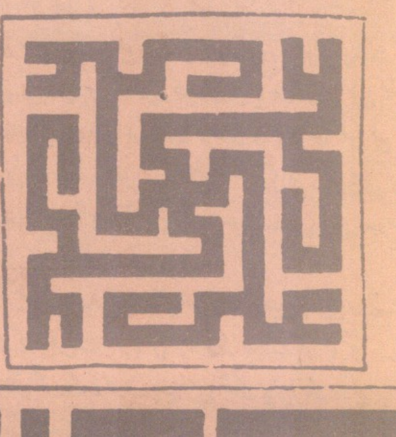
6۔ حضورؐ نے جہاد کو (جو کچھ ہے اس کو بہتر طور پر منظم کر کے لڑنا) تدبر سے استوار کیا۔ مطلقاً جہاد گریزی نہ کی۔ یہ نہ دیکھا کہ یہ محرم کا مہینہ ہے اس میں جہاد نہ لڑا جائے۔ کوئی محرم کی پرواہ نہ کی۔ کعبہ میں دشمنان اسلام کی زندگی اجیرن کر کے رکھ دی حالانکہ اسی کعبہ کا طواف عمرہ کرنے کے لیے جنگیں لڑیں۔

7۔ حضور نے جہاد میں عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور قابل تعظیم لوگوں کو بالکل گزند نہ پہنچائی لیکن ظالم کو بالکل نہ چھوڑا۔ بدعہدی کو بالکل معاف نہ کیا۔ حضور نے دشمن کی للکار کو بھی اہمیت دی۔ چنانچہ دشمن ہی نہ آیا۔ زبان اور قول کی حفاظت کی۔ ان جنگوں کا نتیجہ تھا (انتقام لینے کا نتیجہ تھا) کہ ایک جوان عورت زیور پہن کر سارا عرب پھر لیتی تھی کوئی اس کو چھیڑ نہ سکتا تھا۔ اس لیے جہاں مسلمان عورت کی عزت کی حفاظت، مسلمان کے خون کی حفاظت ہوتی ہے۔ وہاں ہی اسلام ہے یعنی سلامتی ہے۔ جہاں سلامتی ہے وہاں یعنی اسلام ہے۔ جہاں لوٹ کھسوٹ کا معاشرہ ہوگا۔ خواہ پاکستان میں ہو یا برازیل میں۔ جہاں ڈسپلن ختم ہو چکا ہوگا وہاں حضور کے اسلام کی ضرورت ہوگی۔ اصل اسلام وہ ہے جو حضور کی مدنی زندگی کے منشور کو سامنے رکھ کر برپا کیا جاتا ہے لیکن آج ہمارے درمیان وہ تمام قباحتیں ہیں۔ وہ تمام دیواریں ہیں جو مفاد پرستی نے کھڑی کر دی ہیں جس کے بعد عورت اور انسان چیخ رہے ہیں۔ چلا رہے ہیں۔ مسلمان تو کبھی ذلیل نہ ہوا۔ آج کا مسلمان ذلیل اور رسوا ہے اس لیے کمزور ہے۔ پس رہا ہے۔ واویلا کر رہا ہے اور ان کے دشمن ان کی چھاتی پہ چڑھے دندنا رہے ہیں۔

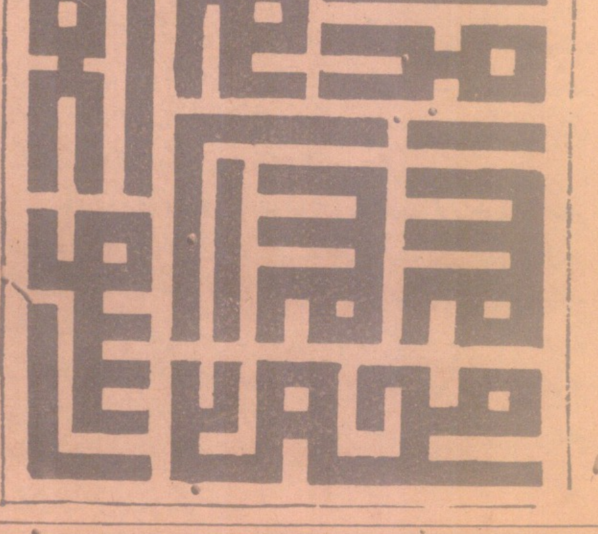
اسلام بہترین معاشرہ بنا کے دکھا دیتا ہے پھر ساری دنیا پہ لاگو کرتا ہے۔ انسانیت کی نجات و فلاح ہی اسلام کا اصل چہرہ ہے۔ مسلم پاور مسلمانوں کی دھاک بٹھانا اس کا بازو ہے۔ مسلسل جہاد اس کی ٹانگیں ہیں۔ اللہ کی خوشنودی اس کی روح ہے۔ اب چہرہ بدبودار اور بدشکل ہے۔ بازو شل ہیں۔ ٹانگیں لنگڑاتی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے کیسے خوش ہونگے؟ دنیا کے مسلمان خصوصاً ان کے حکمران آج ٹولٹن مارکیٹ کی مرغیاں بن چکے ہیں۔ بے بس، ذبح ہونے کو تیار۔

نوٹ:۔ دوسرے حصے میں جدید زمانہ کو مدنظر رکھ کر صاحب قرآن کے جنگی طور طریق کے مطابق یہ ثابت کیا جائے گا کہ آج بھی مسلمان صاحب قرآن کے جنگی طور طریقوں سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے ساری دنیا پہ چھا سکتے ہیں۔ دنیا کی ہر فوج کو شکست دے سکتے ہیں۔





خط کوفی کا نمونہ



موجودہ سائنسی تحقیقات و نظریات قرآن کے آئینے میں

صاحبزادہ محمد مقبول احمد مرتضائی

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

جمیع العلم فی القرآن لکن اقاصوعنہ افھام الرجال

اسلام نے جہاں ہر شعبہ زندگی میں انسانیت بلکہ کائنات کی بہتری اور بھلائی کے لئے اسباب مہیا کئے ہیں وہاں علوم و فنون کی دنیا میں بھی بہبود و ترقی کی راہیں کھول کر بام عروج تک پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

خصوصاً سائنسی علوم پر اسلام کے جو احسانات ہیں اور جس طرح مفکرین اسلام نے شمع علم کو روشن رکھنے کی سعیٔ بلیغ کی ہے اس کا اندازہ بے شمار کتابوں سے لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے ورثے میں چھوڑی ہیں۔ علوم و فنون کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں مسلمان علماء و فلاسفہ اور سائنسدانوں نے کوئی یادگار تصنیف نہ چھوڑی ہو۔

سائنس اور فلسفہ پر مسلمانوں کی شہرہ آفاق تصانیت خصوصیت کے ساتھ آج بھی یورپ اور مغربی ممالک میں کلیدی اہمیت اور بنیادی حیثیت کی حامل ہیں۔ ریاضی ہو یا ہیئت، طب ہو یا قانون، طبیعات ہو یا طبقات الارض، منطق ہو یا فلسفہ، کیمیا ہو یا نجوم، فلکیات ہو یا ارضیات غرضیکہ وہ کون سا علم و فن ہے جس میں مسلمان دانشوروں اور سائنسدانوں نے تحقیق نہیں کی اور ریسرچ کی نئی راہیں نہیں کھولیں موجودہ دور کی سائنسی ترقی و ایجادات مسلمان سائنس دانوں اور موجدوں کی علمی و تحقیقی کاوشوں کی مرہون منت ہیں۔

ابن الہیثم نے بصارت اور علم المناظر کے میدان میں اپنے پیشرو اور ہمعصر سائنسدانوں کے نظریات کو باطل قرار دیکر بصارت اور روشنی کے ٹھوس اور مثبت دلائل پیش کر کے نہ صرف دنیا میں تہلکہ مچا دیا بلکہ وہ کچھ دیا جس سے آج پوری عالمی برادری فیضیاب ہو رہی ہے۔

ابن الہیثم کا شمار ان علماء میں ہوتا ہے جو فلسفہ کے ساتھ ساتھ علم ہیئت و ریاضی اور طب میں بھی ماہر تھے۔ حیرت یہ ہے کہ اس نے روشنی کی ماہیت، انعکاسِ نور اور انعطاف نور کے متعلق دسویں گیارھویں صدی میں جو تصورات پیش کئے تھے اور جو کلیات وضع کئے تھے وہ آج بھی درست ہیں۔

جابر بن حیان وہ پہلا کیمیا دان تھا جس نے مادے کو ارسطو کے "عناصر اربعہ" آگ، ہوا، پانی اور مٹی کے طلسم سے نکال کر اسے گرمی، سردی، خشکی اور تری کے صفات سے متصف کر کے جوہری نظریئے کو جدید بنیادوں پر استوار کیا۔ سولھویں صدی کے یورپی کیمیا دان جابر بن حیان کی تعلیمات سے اتنا متاثر ہوئے کہ "برسٹل" کا نامور انگریز کیمیا دان "ٹامس مارٹن" اپنے آپ کو جابر بن حیان کا باورچی کہلانے میں فخر محسوس کرتا تھا۔ "الزہراوی" اسلامی دنیا کا عظیم ترین (SURGEON) تھا جس کی کتابیں سترھویں صدی عیسوی تک (SURGERY) کے نصاب میں پڑھائی جاتی تھیں۔

طبقات الارض کا عظیم اور نامی گرامی ماہر "البیرونی" وہ پہلا سائنسدان تھا جس نے کہا تھا کہ دریائے سندھ کی وادی کسی قدیم سمندر کا ایسا طاس ہے جو رفتہ رفتہ مٹی سے بھر گیا۔ آج طبقات الارض کے بیشتر ماہرین جدید آلات اور سہولتوں کے حصول کے بعد البیرونی کے اس نظریے کی تائید میں یہ ثابت کرتے ہیں کہ دنیا کے بڑے بڑے ریگستان کبھی زمانے میں سمندر طاس تھے۔

امام محمد غزالی اسلام کے وہ مایہ ناز سپوت ہیں جن کے سامنے ارسطو اور افلاطون بھی طفلِ مکتب نظر آتے ہیں۔ جنہوں نے یونانی فلسفہ کی دھجیاں اڑا کر حقائق پر مبنی اسلامی فلسفہ کی بنیاد رکھی۔

یہ سبھی کچھ ان مشاہیر اسلام نے قرآن کی روشنی سے حاصل کیا۔ کیونکہ صدیوں کی تحقیقات و تجربات اور غور فکر کے بعد جہاں دانشور، فلاسفر، علماء طبیعین اور اور سائنسدان پہنچے ہیں وہ اجمالاً قرآن عظیم نے پہلے ہی بیان کر دیا ہے۔

کرہ ارض

سائنسدانوں کے مطابق ابتداء میں سورج ایک بھڑکتا ہوا شعلہ تھا جس کی حرکت بہت تیز تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی حرکت کم ہوتی گئی اور وہ سکڑتا اور چھوٹا ہوتا گیا اس سبب سے اس کے مادے میں گاڑھا پن آگیا اور حرکت کی تیزی کے سبب اس میں سے چند ٹکڑے ٹوٹ کر دور دور تک چلے گئے اور اسی کے گرد چکر کھانے لگے اس وقت تک ظاہر ہوا ہے کہ آفتاب سے گیارہ ٹکڑے ٹوٹے ہوئے ہیں جن سے ہمارا نظامِ شمسی بنا ہے اور زمین انہیں میں سے ایک ہے۔

کرہ ارض کے متعلق فرمانِ الٰہی ہے "اولم یر الذین کفروا ان السمٰوتِ الارض کانتا رتقاً ففتقنھما۔ "کیا کفر و انکار کرنے والوں نے کبھی غور نہیں کیا کہ آسمان و زمین آپس میں ملے ہوئے تھے پھر ہم نے انہیں الگ الگ کر دیا"

ارشاد ربانی سے واضح ہو گیا کہ زمین و آسمان موجودہ صورت اختیار کرنے سے پہلے ایک دوسرے سے پیوستہ تھے جنہیں خدائے ذوالجلال نے اپنی قدرت سے علیحدہ علیحدہ کر دیا۔ آیت مذکورہ میں "رتق" اور "فتق" کے الفاظ ارشاد ہوئے ہیں جن کا معنی امام راغب اصفہانی نے بالترتیب یوں بیان کیا ہے۔ الرتق۔ الضم والالتحام کسی چیز کا باہم پیوست اور ایک دوسرے سے ملا ہوا ہونا۔ الفتق۔ الفصل بین المتصلین دو جڑی ہوئی چیزوں کا الگ کر دینا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر علماء تفسیر نے آیتِ مذکورہ کا یہی مفہوم بیان کیا ہے "قال ابن عباس و عطاء و قتادۃ کانتا شیأً واحد املترقین ففسر اللہ بیھما بالھواء۔ یعنی زمین و آسمان شے واحد کی مانند تھے اور ان کے اجزاء ایک دوسرے سے جڑے اور چمٹے ہوئے تھے پھر ہوا کے ذریعے انہیں علیحدہ علیحدہ کر دیا گیا۔

تخلیق عالم کا ذکر کرتے ہوئے مولانا آزاد لکھتے ہیں "موجودہ زمانہ میں اجرام سماویہ کی ابتدائی تخلیق اور کرہ ارضی کی ابتدائی نشوونما کے جو نظریے تسلیم کرلئے گئے ہیں یہ اشارات بظاہر ان کی تائید کرتے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو ان بنیادوں پر شرح و تفصیل کی بڑی بڑی عمارتیں اٹھاسکتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنا صحیح نہ ہوگا۔

یہ نظریے کتنے ہی مستند تسلیم کرلئے جائیں لیکن پھر بھی نظریے ہیں۔ اور نظریات جزم و یقین کے ساتھ حقیقت کا فیصلہ نہیں کرسکتے۔ پھر ان سے کیا فائدہ کہ ان کی روشنی میں قرآن کے مجمل اور محتمل اشارات کی تفسیر کی جائے۔ کل کو کیا کریں گے اگر ان نظریوں کی جگہ دوسرے نظریے پیدا ہوگئے۔ صاف بات یہی ہے کہ یہ معاملہ عالم الغیب سے تعلق رکھتا ہے جس کی حقیقت ہم اپنے علم و ادراک کے ذریعے معلوم نہیں کرسکتے اور قرآن کا مقصود ان اشارات سے تخلیق عالم کی شرح و تحقیق نہیں ہے خدا کی حکمت و قدرت کی طرف انسان کی توجہ دلانا ہے۔

رتق وفتق کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے "رتق" سے مراد یہ ہے کہ آسمان کا منہ پہلے بند تھا کوئی بارش نہیں ہوتی تھی اور زمین کا منہ بھی بند تھا کوئی چیز اس میں پیدا نہیں ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آسمان کا منہ بھی کھلا (فتق) اور بارش برسنے لگی۔ زمین کی مہر بھی ٹوٹی اس میں سے ضروریات کی ہر چیز اگنے لگی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

آسمان

آسمانی تخلیق سے متعلق سائنسدانوں کا نظریہ ہے کہ قبل از تخلیق کائنات ایک مادہ دخانی یا سحابی شکل میں منتشر تھا اگرچہ قرآن مجید میں کسی بھی جگہ تخلیق کائنات کا ذکر طبیعات یا ہیئت کے علوم سکھانے کے لئے نہیں کیا گیا بلکہ توحید باری تعالیٰ، قدرت ربانی اور عقائد آخرت پر ایمان لانے کے لئے بیشمار دوسرے آثار کی طرح زمین و آسمان کی پیدائش کو بھی غور و فکر کے لئے پیش فرمایا ہے۔

جو اشارات آفرینش عالم کے متعلق قرآن شریف کے مختلف مقامات پر موجود ہیں سائنس کی تحقیقات بھی مختلف مراحل سے گزر کر اسی طرح آرہی ہے۔ آسمانی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے رب العزت فرماتے ہیں "ثم استویٰ الی السماء وھی دخان فقال لھا وللارض ائتیا طوعاً او کرھاً قالتا اتینا طائعین فقضٰھن سبع سمٰوٰت فی یومین واوحی فی کل سماء امرھا۔ پھر اس (ذات باری) نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی وہ اس وقت محض دھواں تھا پس فرمایا اسے اور زمین کو آجاؤ خوشی سے یا مجبوراً۔ دونوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہیں۔ پس بنا دیا انہیں سات آسمان دو دنوں میں اور ہر آسمان میں اس کے حسب حال وحی فرمائی۔

آیت مذکورہ کی تفسیر میں علامہ سید محمود آلوسی بغدادی قدس سرہٗ لکھتے ان عرشہ تعالیٰ کان قبل خلق السموت والارض علی الماء فاحدث اللہ تعالیٰ فی الماء سخونۃ فارتفع زبد و دخان الخ۔ زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔ اللہ کریم نے اس پانی میں حرارت پیدا کردی اس سے جھاگ اور دھواں بلند ہوا۔ جھاگ پانی کی سطح پر باقی رہی اللہ تعالیٰ نے اس میں خشکی پیدا کردی اور اس سے زمین بنائی اور دھواں اوپر اٹھا۔ بلند ہوا تو اس سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا فرمایا------ سائنس کی جدید تحقیقات بھی اسی نظریہ سے بہت قریب ہیں۔

مزید ارشاد باری ہے الذی خلق سبع سموت طباقاً۔ وہی ذات ہے جس نے اوپر نیچے سات آسمان بنائے۔

بروج

"بروج" برج کی جمع ہے جس کا لغوی معنی ہے "ظاہر کرنا" اسی معنی کی مناسبت سے اس کا اطلاق ان چیزوں پر ہونے لگا جو دور سے نمایا ہوتی ہیں مثلاً قلعہ، محل، شاہراہ وغیرہ اسی لئے وہ بڑے بڑے ستارے جو دور سے نمایاں ہوتے ہیں انہیں بھی اہل عرب "برج" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ المراد بالبروج الکواکب العظام

علماء ہیئت نے جب یہ مشاہدہ کیا کہ سورج تین ماہ تک شمال کی طرف مائل ہوتا ہے پھر تین ماہ تک ہٹتا رہتا ہے بعد ازاں تین ماہ تک جنوب کی طرف مائل ہوتا ہے اور پھر تین ماہ تک ہٹتا رہتا ہے تو انہوں نے سورج کے مدار حرکت کو بارہ حصوں میں تقسیم کرکے ہر حصہ کا نام برج رکھ دیا۔ اور مدار کے ہر حصہ میں جو بڑے بڑے ستارے پائے جاتے ہیں ان کی ایک خیالی شکل اپنے ذہن میں مرتسم کرلی اور اس شکل سے اس برج کا نام رکھ دیا جو یہ ہیں حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت۔

جدید سائنسی تحقیقات نے قرآنی نظریہ تسلیم کرلیا

قرآن عظیم نے متعدد مقامات پر بروج کا تذکرہ کیا ہے یہاں صرف دو آیات پر اکتفا کررہا ہوں۔

فرمان باری ہے:۔

"ولقد جعلنا فی السماء بروجاً وزینٰھا للنٰظرین"

اور بیشک ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور انہیں دیکھنے والوں کے لیے آراستہ کردیا ہے۔

"والسماء ذات البروج"

برجوں والے آسمان کی قسم ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مذکورہ آیات مبارکہ میں بروج سے کیا مراد ہے؟ یہ حقیقت تو آشکار ہے کہ آفتاب کی یہ تقسیم یونانی علماء ہیئت نے کی تھی۔ اگر یہ بات ثابت ہوجائے کہ نزول قرآن سے قبل عرب اس تقسیم کو جانتے تھے اور اسے اپنی زبان میں استعمال کرتے تھے تو پھر ان برجوں سے وہی بارہ برج مراد ہونگے جن کا اوپر ذکر کیا جاچکا ہے۔ اور اگر اس کا قابل اعتماد ثبوت میسر نہ آسکے تو بھی آیات مذکورہ کا مفہوم واضح ہے کہ ان سے مراد وہ سات سیارے یا دیگر بڑے چمکدار ستارے ہونگے جو کروڑوں چمکتے ہوئے ستاروں میں نمایاں تر ہیں۔

اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے بیہقی ثانی حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی مجددی مظہری قدس سرہ فرماتے ہیں عوام نے قدیم فلسفیوں کے نظریات کو مانتے ہوئے آسمان کو بارہ موہوم حصوں میں تقسیم کررکھا ہے۔ ہر حصہ کو برج کہتے ہیں اور ہر برج کے مخصوص ضوابط ہیں اور ان میں سیارات کا بھی نزول ہوتا رہتا ہے۔ انہی وہمی اشکال کے باعث انہوں نے برجوں کے نام مقرر کررکھے ہیں۔ اس کی کچھ حقیقت نہیں۔ اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ آسمان ہمیشہ

متحرک ہوں اور ستارے ان میں گڑے ہوئے ہیں اور یہ سب باطل ہے۔ کیونکہ کتاب و سنت سے یہ ثابت ہے کہ ہر کوکب اپنے فلک میں تیر رہا ہے "المراد بالبروج عظام الکواکب سمیت بروجاً لظهورها كذا قال الحسن ومجاهد وقتادة" بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں جن کی نمایاں چمک کے باعث ان کا نام بروج رکھا گیا ہے ایسا ہی حسن، مجاہد، قتادہ کہتے ہیں۔

جدید سائنسی تحقیقات نے قرآنی نظریہ تسلیم کرلیا اس لیے بروج سے مراد یہاں وہ اصطلاحی بروج نہیں بلکہ وہ بڑے بڑے ستارے مراد ہیں جو اپنی درخشانی کے باعث بہت نمایاں نظر آتے ہیں۔

شہاب ثاقب

"شہاب" چمکنے والی آگ کو کہتے ہیں اور "ثاقب" کا معنی ہے چھیدنے والا۔ اس طرح شہاب ثاقب کا مطلب ہوگا ایسی تیز آگ جو ہر چیز میں سوراخ کرکے گزر جائے۔ اصطلاح میں شہاب ثاقب اسی روشنی کو کہتے ہیں جو فضا میں شام کے بعد لمبی لکیر کی طرح نمودار ہوتی ہے اور پھر آناً فاناً غائب ہوجاتی ہے۔

اس شہاب کی حقیقت کیا ہے؟ جدید علم فلکیات کے ماہرین خود بھی وثوق سے اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے۔ وہ کہتے آج تک ہم اپنی تحقیق سے جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ نظامِ شمسی کا کوئی چھوٹا سا تارا ٹوٹتا ہے جس کے اجزاء جب ہوا کے کرہ میں داخل ہوتے ہیں تو رگڑ سے بھڑک اٹھتے ہیں۔ نظامِ شمسی کا کوئی چھوٹا سا تارا جب ٹوٹتا ہے تو اس ٹوٹنے والے تارے کا بیشتر حصہ ہماری فضا میں پہنچنے سے پہلے یا تو گرد بن جاتا ہے یا بخارات میں تبدیل ہوکر اڑ جاتا ہے اور اقل قلیل ہماری فضا میں پہنچ کر دکھائی دیتا ہے اور اس کے کئی ٹکڑے زمین پر بھی گر جاتے ہیں۔

شہاب ثاقب کے ٹکڑے مختلف عجائب خانوں میں موجود ہیں۔ سب سے بڑے ٹکڑے کا وزن چالیس ٹن ہے یہ ٹکڑا جنوب مغربی افریقہ میں ہے۔ اس سے کم وزنی ایک ٹکڑا جو گرین لینڈ میں گرا اس کا وزن ساڑھے چھتیس ٹن ہے اسے کمانڈر پیری وہاں سے اٹھوا کر نیویارک لے آئے۔

۱ قرآن عظیم کے جنات کے حوالے سے شہاب ثاقب کا یوں تذکرہ فرمایا ہے:۔

"وانا لمسنا السماء فوجدنها ملئت حرساً شديداً وشهباً"

اور بیشک ہم نے آسمان کو ٹٹولنا چاہا تو اسے سخت پہروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا۔

فرمانِ باری ہے:۔

"الا من استرق السمع فاتبعه شهاب مبين"

مگر جو چوری چھپے سنے تو اس کا تعاقب کرتا ہے ایک روشن شعلہ۔

اٹھارھویں صدی میں پیرس کی سائنس اکیڈمی نے شہاب ثاقب کا انکار کر دیا تھا اور وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ یہ سارے نمونے جو مختلف عجائب گھروں میں ہیں سب فرضی ہیں اور جن لوگوں نے ان کے گرنے کی چشم دید شہادتیں دی ہیں۔ انہوں نے جھوٹ بولا ہے لیکن 1803 اٹھارہ سو تین میں پیرس کے قریب ہی تین 3000 ہزار شہاب ثاقب کا مینہ برسا۔ اس طرح قدرت نے ان سائنسدانوں کے غرور کو توڑا اور ان کی کم علمی کا پردہ فاش کردیا۔

جب تک یونانی علم ہیئت کے زیرِ اثر ہم یہ سمجھتے رہے کہ زمین سے خشک بخارات اٹھتے ہیں اور جب وہ کرہ ناری کے قریب پہنچتے ہیں تو جل اٹھتے ہیں۔ انہی جلنے والے بخارات کو شہاب ثاقب کہا جاتا ہے۔ تو ہمیں قرآن کریم کی ان آیات کا مفہوم بیان کرنے میں بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا لیکن جدید تحقیقات سے جب یہ ثابت ہوگیا کہ "شہاب ثاقب" نظام شمسی کے کسی ٹوٹنے والے تارے کا جدا شدہ ٹکڑا ہے تو اب معاملہ بہت حد تک واضح ہوگیا ہے۔

فلک کیا ہے؟ کیا سماء (آسمان) اور فلک دونوں ایک ہی چیز ہیں؟ کیا شمس و قمر اور دوسرے سیارے ان میں اس طرح جڑے ہوئے ہیں جس طرح لکڑی میں کیل؟

فلاسفہ یعنی قدیم علماء طبیعیین کی رائے یہ ہے کہ فلک اور آسمان ایک ہی چیز کے دو نام ہیں انہوں نے فلک کی یہ تعریف کی ہے کہ فلک زندہ ہے۔ عالم ہے اپنے ارادہ سے گول حرکت کرتا ہے۔ پھٹنے اور جڑنے کو قبول نہیں کرتا۔ یونکہ فلاسفہ کے نزدیک فلک میں خرق والتئام ممنوع ہے اس لیے انہوں نے یہ کہا کہ سیارے ان میں گڑے ہوئے ہیں وہ متحرک نہیں بلکہ وہ فلک متحرک ہیں جن میں وہ گڑے ہوئے ہیں کیونکہ حرکتیں مختلف ہیں اس لیے انہوں نے افلاک کو متعدد مانا ہے۔

فلک کی جو تعریف ان فلاسفہ کی ہے علماء اسلام نے علم کلام کی کتابوں میں اس کا بطلان ثابت کیا ہے بلکہ اکثر مفسرین کے نزدیک فلک اور سماء دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں اور "سماء" افلاک سے اوپر ہے۔ علامہ سید محمود آلوسی بغدادی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ قال اکثر المفسرون هو موج مكفوف تحت السماء يجري فيه الشمس والقمر اکثر مفسرین نے فرمایا ہے کہ فلک ایک موج کا نام ہے جسے اس طبقہ میں روک دیا گیا ہے۔ وہ آسمان کے نیچے ہے اور شمس و قمر اسی میں محوِ حرکت ہیں۔

علامہ ابی عبداللہ الانصاری القرطبی فرماتے ہیں والاصح ان السيارة تجري في الفلك الخ یعنی صحیح یہ ہے کہ کواکب سیارہ فلک میں چلتے ہیں اور یہ آسمانوں سے نیچے ہیں۔ چاند سب سے نچلے فلک میں ہے اس سے اوپر عطارد اور پھر بالترتیب زہرہ، سورج، مریخ، مشتری، زحل اوپر ہیں آٹھویں فلک کو فلک البروج اور نویں کو فلک اعظم کہتے ہیں۔ ان سب سے اوپر سبع سموات (سات آسمان) ہیں جو ملائکہ کی جولانگاہ اور اسباب ملکوت کا مخزن ہیں۔

فرمانِ باری ہے:۔

لاالشمس ينبغي لها ان تدرك القمر ولا الليل سابق النهار۔ وكل في فلك يسبحون ٥

نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ چاند کو آ پکڑے اور نہ ہی رات دن سے آگے نکل سکتی ہے اور سبھی (سیارے اپنے اپنے) فلک میں تیر رہے ہیں۔

قرآن کریم کی روشنی میں یہ حقائق جو صدیوں پہلے علماء و مفکرینِ اسلام اپنی حقیقت بین نگاہ اور خداداد عقلِ رسا سے بے نقاب کر چکے ہیں ان کی روشنی میں اگر جدید علماء فلکیات کی تحقیقات کا آپ مطالعہ کریں گے تو آپ کو قرآن مجید کے کتاب الٰہی ہونے کا یقین آجائے گا اور علماء اسلام کی دقتِ نظر اور وسعت علوم کا اقرار و اعتراف کرنا پڑے گا۔ ممکن ہے جس طرح آج کے سائنسدان اپنے پیشروؤں پر تنقید کر رہے ہیں ان کے شاگرد کل اپنے اساتذہ کی غلطیاں نکالنے لگیں اس لیے کسی مومن کو یہ زیبا نہیں کہ قرآن کی صداقت کو تسلیم کرنے کے لیے جدید تحقیقات سے سند تلاش کرتا پھرے بلکہ اس کا پختہ یقین یہ ہونا چاہیے کہ جو قرآن عظیم نے بیان کیا ہے۔ وہی حق ہے اور قدیم تحقیقات و جدید انکشافات کا صرف

وہی حصہ درست ہے جس کی تائید قرآن سے ملتی ہے اور جو قرآن حکیم کی تصریحات کے خلاف ہے وہ غلط ہے آج نہیں تو کل اس کے علمبردار خود اپنی غلطی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

"افلاک" کا دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے اس طرح ذکر کیا ہے۔ وھو الذی خلق الیل وَالنھار والشمس والقمر کل فی فلک یسبحون اور وہی ذات ہے جس نے رات دن سورج اور چاند کو پیدا فرمایا سب اپنے اپنے فلک میں تیر رہے ہیں۔

یہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ "قرآن کریم" کوئی فلسفہ یا ہیئت کی کتاب نہیں جس کا موضوع بحث حقائق کائنات یا آسمانوں اور ستاروں کی ہیئت و حرکات وغیرہ کا بیان ہو۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی کائنات کا ذکر بار بار کرتا ہے۔ اور ان میں غور و فکر کی دعوت بھی دیتا ہے۔ قرآن کریم کی ان تمام آیات میں غور کرنے سے واضح طور پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ قرآن عزیز ان حقائق کونیہ کے متعلق انسان کو صرف دو چیزیں بتلانا چاہتا ہے جن کا تعلق اس کے عقیدے اور نظریئے کی درستی سے ہو یا اس کے دینی و دنیوی منافع ان سے متعلق ہوں۔

مثلاً قرآن مجید نے آسمان و زمین اور ستاروں اور سیاروں کا اور ان کی حرکات اور حرکات سے پیدا ہونے والے آثار کا ذکر بار بار ایک تو اس مقصد سے کیا ہے کہ انسان ان کی عجیب و غریب صنعت اور مافوق العادت آثار کو دیکھ کر یہ یقین کرے کہ یہ چیزیں خود بخود پیدا نہیں ہو گئیں ان کو پیدا کرنے والا کوئی سب سے بڑا حکیم و علیم اور قوی و قادر ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ قرآن پاک نہ ان فلسفی اور سائنسی تحقیقات قدیمہ و جدیدہ کی طرف سے لوگوں کو دعوت دیتا ہے۔ نہ ان سے بحث کرتا ہے اور نہ ان کی مخالفت کرتا ہے۔ بیفائدہ فلسفیانہ بحثوں اور ایسی تحقیقات سے جو عام انسانوں کے بس سے باہر ہیں ایسی باریکیوں میں نہیں الجھاتا۔

علماء اہل حق قدیم و جدید اس پر متفق ہیں کہ ان مسائل کے متعلق جو بات قرآن کریم سے یقینی طور پر کہی ہے اگر کوئی قدیم یا جدید نظریہ اس سے مختلف ہو تو اس کی وجہ سے قرآنی آیات میں کھینچ تان اور تاویل جائز نہیں اس نظریہ ہی کو مغالطہ قرار دیا جائے گا۔ البتہ جن مسائل میں قرآن کریم کی کوئی تصریح موجود نہیں الفاظ قرآنی میں دونوں معنی کی گنجائش ہے وہاں اگر مشاہدات اور تجربے سے کسی ایک نظریہ کو قوت حاصل ہو جائے تو آیت قرآن کو بھی اس معنی میں محمول کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

آج کل جبکہ خلائی تجربات نے یہ ثابت کر دیا کہ ان سیارات تک پہنچا جا سکتا ہے؟ تو اس سے فیثا غورسی نظریہ کی تائید ہو گئی کہ ستارے آسمانوں میں پیوست نہیں کیونکہ قرآن کریم اور احادیث صریحہ کی تصریحات کی رو سے آسمان ایک ایسا حصار ہے جس میں دروازے ہیں اور دروازوں پر فرشتوں کا پہرہ ہے۔ ان میں ہر شخص داخل نہیں ہو سکتا۔ اس مشاہدے اور تجربے کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ کواکب کو فضائے آسمانی میں پیدا کیا گیا ہے اور یہ کوئی تاویل نہیں بلکہ دو مفہوم میں سے ایک کا تعین ہے۔ "سورج" پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ ایک ایسا چراغ ہے جو سارے عالم کو منور کر رہا ہے جو صرف روشن ہی نہیں گرم بھی ہے۔ اس کا قطر زمین کے قطر سے ایک سو نو گنا اور اس کا حجم زمین کے حجم سے تین لاکھ تینتیس ہزار گنا زیادہ بڑا ہے اس کا درجہ حرارت ایک کروڑ چالیس لاکھ ڈگری سنٹی گریڈ ہے۔ زمین سے نو کروڑ تیس لاکھ میل دور ہونے کے باوجود اس کی روشنی کا یہ حال ہے کہ اگر انسان برہنہ آنکھ سے اس کی طرف نظر جمانے کی کوشش کرے تو اپنی بینائی کھو بیٹھے۔

ان تمام معلومات اور خوبیوں کو سامنے رکھ کر کلام الہی کی فصاحت و کمال ملاحظہ کیجئے۔ ارشاد باری ہے وجعلنا سراجاً وھاجا۔ اور ہم نے ہی ایک نہایت روشن اور گرم چراغ بنایا۔

سراج سے مراد یہاں سورج ہے جسے "وھاج" کی صفت سے موصوف کیا گیا ہے اور "وھاج" ہو منبع النور والحرارہ اسے کہتے ہیں جو نور اور حرارت کا منبع ہو۔

روشنی اور حرارت دونوں زندگی کا سرچشمہ ہیں۔ اہل علم سے مخفی نہیں کہ کائنات کی یہ ساری چہل پہل، گلشن ہستی کی یہ حسن آرائیاں اور جمال آفرینیاں نور اور حرارت دونوں کا کرشمہ ہیں۔ اگر اس میں صرف نور ہوتا یا صرف حرارت ہوتی تو زندگی نام کی کوئی چیز یہاں نہ پائی جاتی۔

زمین سے اتنا دور ہونے کے باوجود مناسب مقدار میں روشنی بھی پہنچا رہا ہے جس کے باعث اس کا چپہ چپہ روشن ہے اور مناسب مقدار میں حرارت بھی فراہم کر رہا ہے جس سے انسانی و حیوانی اور نباتاتی زندگی برقرار ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے "الم تروا کیف خلق اللہ سبع سمٰوت طباقاً وجعل القمر فیھن نوراً وجعل الشمس سراجاً۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو کس طرح تہہ بہ تہہ پیدا کیا اور ان میں چاند کو روشنی اور سورج کو درخشاں چراغ بنایا ہے"

سورج کی گرمی کا یہ حال ہے کہ زمین کے بعض حصوں میں اس کی تپش کی وجہ سے درجہ حرارت ایک سو چالیس ڈگری فاہرن ہائٹ تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی حکمت ہے کہ اس نے زمین کو اس سے ٹھیک ایسے فاصلے پر رکھا ہے کہ نہ اس سے بہت قریب ہونے کے باعث یہ بے انتہا گرم ہے اور نہ بہت دور ہونے کا باعث ہے بے انتہا سرد اسی سے ہماری فصلیں پک رہی ہیں اور ہر مخلوق کو غذا بہم پہنچ رہی ہے اسی کی حرارت سمندروں کے پانی کو گرم کر کے وہ بھاپیں اٹھاتی ہے جو ہواؤں کے ذریعہ سے زمین کے مختلف حصوں پر پھیلتی اور بارش کی شکل میں برستی ہیں اس سورج میں اللہ تعالیٰ نے ایسی زبردست بھٹی سلگا رکھی ہے جو اربوں سال سے روشنی، حرارت اور مختلف اقسام کی شعائیں سارے نظام شمسی میں پھینکے چلی جا رہی ہے۔

فرمان باری ہے۔ تبرک الذی جعل فی السماء بروجاً جعل فیھا سراجاً وقمراً منیراً۔ بڑی برکت والی ہے وہ ذات جس نے آسمانوں میں برج بنائے اور ان میں درخشندہ چراغ (آفتاب) اور چمکتا ہوا چاند بنایا۔ (تسخیر قمر)

آج کے اس سائنسی دور میں تسخیر قمر کی باتیں ہو رہی ہیں جو نہ صرف ممکن ہے بلکہ سید کائنات علیہ الصلوا التسلیمات کے مدارج و کمالات کی تصدیق کے لئے منکرین اسلام کی تجرباتی شہادت بھی ہے۔ کیونکہ جو لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی معراج اور معجزہ شق القمر کا انکار کرتے چلے آ رہے تھے آج انہوں نے خلائی سفر، چاند پر اترنے اور وہاں کی تصویریں اور نمونے لانے کا اعلان کر دیا ہے۔

فرمان باری ہے۔ اقتربت الساعۃ وانشق القمر۔ قیامت قریب آ گئی اور چاند شق ہو گیا"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ مشرکین اکٹھے ہو کر حضور پر نور علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہنے

باقی صفحہ 87 پر

قرآن کی عظمت و وسعت

آلِ مصطفےٰ کیٹہاری

قرآن بلاشبہ اسلام کی اساس اور اس کا دستور العمل ہے۔ قرآن عربیت کی پہلی اور عظیم کتاب ہے اسی پر مسلمانوں کے دین و دنیا کا مدار ہے۔ قرآن آخرت کی کامیابیوں کی طرف ان کا راہنما ہے۔ جس کی طرف انہیں لوٹنا ہے اور وہ دنیاوی پیش قدمی اور سعادت کا داعی ہے۔ جو (دنیا) ان کی زندگیوں کا مسکن ہے۔ قرآن کریم علوم و فنون کے ماہرین اور متمدن و مہذب لوگوں کا معلم و مربی ہے۔ اور غیر تہذیب یافتہ اشخاص کے لئے شمع راہ ہے مسلمانوں کے عروج و ارتقاء کا اصل سرچشمہ ہے۔ وہ احکام وہدایات اور عبرت و نصیحت کے گلہائے رنگارنگ سے سجا ہوا ایک حسین و خوبصورت گلدستہ ہے۔ جس کی عطر بیز تربیت دنیا کے تمام ہی معاملات میں کار فرمائی کرتا ہے۔ گوناگوں علوم و فنون کے حقائق و معارف اور ان کے بنیادی قواعد و ضوابط قرآنی تعلیم میں مضمر ہیں۔ قرآن کریم کو انسانی تجربیات و انکشافات پر علمی حقائق و معارف اور بے شمار رازہائے سربستہ کے چہروں کی نقاب کشائی کے سلسلہ میں ساری کتابوں پر سبقت و اولیت حاصل ہے۔ غرضیکہ۔ قرآن پاک مخصوص گروہوں، شعبوں، اور حلقوں ہی کے لئے ہدایت و نور بنکر نازل نہیں ہوا، بلکہ تمام دنیائے بشری کے پیکر بنکر اترا۔ اور یہی اس کے وہ ہمہ گیر اور پاکیزہ مقاصد ہیں جو دنیائے بشریت کو اپنی "عظمت و وسعت" کا لوہا منوانے پر مجبور کرتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ قرآن کلام الٰہی ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی تعلیمات میں اتنی جامعیت رکھتا ہے جو تمام شعبہائے زندگی کو محیط ہیں۔ اور یہی مسلمانوں کے اجتماعی، لسانی اور ادبی وجود کا موجد بھی ہے۔ اور اس میں ان کی تمام انواع کی مشکلوں کا حل بھی ہے۔

امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "قرآن مقدس اللہ تعالیٰ کے گذشتہ ادیان میں نازل شدہ تمام کتابوں کی ہدایات کا جامع ہے" اللہ عزوجل نے قرآن کی عظمت ان لفظوں میں بیان کی ہے۔

"تنزیلاً ممن خلق الارض والسموات العلیٰ"

ترجمہ: اس کا اتارا ہوا جس نے زمین اور اونچے آسمان بنائے۔ (طٰہٰ۔16)

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں غور کیجئے تو قرآن کریم کی عظمت کا ایک زبردست خاکہ آپ کی چشم بصیرت کے سامنے آئے گا۔ یوں تو ہر چیز خداوند کریم ہی کی تخلیق سے معرض وجود میں آئی۔ یہ وسیع و عریض زمین اور بے ستون کا نیلگوں آسمان۔ سب اسی ذات اقدس کی صنعت کار سازی کی جلوہ گری اور تخلیقی شاہکار ہیں۔ تاہم ان مخلوقات میں بعض کو بعض پر فوقیت کا حاصل ہونا بھی ایک مسلم امر ہے۔ جس میں زمین و آسمان کی رفعت ایک ناقابل انکار حقیقت ہے جس سے قرآن کی عظمت اور دوبالا ہو جاتی ہے۔

دوسری جگہ قرآن کریم کی عظمت کا ذکر اس طرح فرمایا۔

افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوفیہ اختلافاً کثیراً (النساء)

ترجمہ: تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں اور اگر وہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں اختلاف پاتے۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمان اسے اپنے روشن عقائد کی ایک غیر معمولی کتاب مانتے ہیں۔ جس کا پہلا باب عقیدہ توحید باری ہے۔ نیز اسے فرائض و عبادت کی ایک جامع کتاب کہتے ہیں۔ کیوں کہ اس میں اس کا بیان بھی ہے۔ ارشاد باری ہے۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم (نحل۔44)

ترجمہ: اور اے محبوب! ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار اتاری کہ تم لوگوں سے بیان کردو جو ان کی طرف اترا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

ولوردوہ الی الرسول اولی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطون منھم

ترجمہ: اور اگر اس میں رسول اور اپنے ولی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لائے تو ضرور ان سے اس کی حقیقت جان لیتے یہ جو بعد میں کاوش کرتے ہیں۔

قرآن کریم مسلمانوں کے نزدیک فضائل و اخلاق کی بھی ایک اعلیٰ کتاب ہے۔ کہ قرآن انہیں ظاہری و باطنی کمالات پیدا کرنے پر برانگیختہ کرتا ہے۔ یونہی قرآن نے حقوق انسانی میں مساوات کی تعلیم دی، اخوت و محبت اور بھائی چارگی کا سبق دیا، رنگ و نسل کے امتیازات کو مٹایا، چنانچہ ارشاد ہے۔

انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم (حجرات۔49)

ترجمہ: مسلمان مسلمان بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادو۔ اسی طرح قرآن نے تہذیب اخلاق اور حسنِ معاشرت کا سلیقہ بتایا۔ اور تفاخر و تعلی اور طعنہ زنی کی شدید ممانعت فرمائی۔ ارشاد ہے

لایسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونو خیراً منہم ولا نساء من نساء عسیٰ ان یکن خیرا منھن۔

ترجمہ: نہ مرد مردوں سے ہنسیں عجب نہیں کہ وہ ان ہنسنے والوں سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں عورتوں سے۔ دور نہیں کہ وہ ان ہنسنے والیوں سے بہتر ہوں۔ (حجرات۔49)

قرآن احکام و شرائع دین کا ایک منظم و مرتب اصول بھی ہے کہ اس میں انفرادی، اجتماعی، سیاسی، اقتصادی اور جنگی امور کا کبھی تذکرہ ملتا ہے۔ مسلمانوں پر قرآن ایک عظیم نعمت الٰہی ہے۔ اور اس کا ایک پختہ عہد نامہ جس پر عمل پیرا ہونے کا ان سے عہد و پیمان بھی ہو چکا ہے۔

ان ھذا القران یھدی للتی ھی اقوم و یبشر المومنین الذین یعلمون الصلحت ان لھم اجراً کبیراً۔

بے شک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے اور خوشی سناتا ہے ایمان والوں کو جو اچھے کام کریں کہ ان کے لئے بڑا ثواب ہے۔ (اسراء۔7)

قرآن لوگوں پر امم سابقہ اور گذشتہ قوموں کے اچھے برے اعمال کی روداد بھی پیش کرتا ہے۔ نیز ان کے اچھے کاموں کا نیک انجام اور برے کاموں کا دردناک انجام بھی دکھاتا ہے۔ قرآن میں ہے۔

لیھلک عمن ھلک عن بینہ ویحیٰ من حی عن بینہ۔

جو ہلاک ہو دلیل سے ہلاک ہو اور جو جئے دلیل سے جئے۔ (انفال۔42)

لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب (یوسف۔11)

بے شک ان کی خبروں سے عقلمندوں کی آنکھیں کھلتی ہیں۔

قرآن کی "عظمت و وسعت" کا کیا کہنا! حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "اگر میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر کر دوں تو ستر اونٹوں کا بوجھ تیار ہو جائے۔

خود قرآن کا ارشاد ہے۔ نزلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شئے۔ (نحل)

ترجمہ: اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

مسلمانو! قرآن کریم کی تلاوت کثرت سے کرنی چاہیے کیونکہ یہی وہ پہلی چیز ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کبریٰ کی تبلیغ و اشاعت میں جس کا سہارا لیا۔ مختلف سمتوں کی طرف بھیجے ہوئے حضور کے داعی لوگوں کو بھی قرآن کی تعلیم و قرأت سے آگاہ کرتے تھے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بن حزم کو یمن کا عامل بنا کر بھیجا تو انہیں ایک کتاب تحریر فرما کر عطا کی جسمیں چند چیزوں کا حکم فرمایا۔ انہیں میں یہ بھی تھا کہ "لوگوں کو قرآن کی تعلیم دو اور اس کا فقیہ بناؤ"

امام بخاری نے برا ابن عذاب سے روایت کی کہ صحابہ کرام میں سب سے پہلے ہمارے پاس مصعب ابن عمر اور ابن ام مکتوم تشریف لائے تو ان دونوں نے پہلے ہمیں قرآن پڑھانا شروع کیا۔ لوگ معصب ابن عمیر کو "مقری" (پڑھانے والا) ہی کہنے لگے جب کوئی مسلمان ہجرت کر کے مدینہ پہونچتا۔ تو پہلے حضورؐ اسے کسی حافظ قرآن کے سپرد کرتے تا کہ وہ اسے قرآن کی تعلیم دے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح فرمایا تو وہاں معاذ بن جبل کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ جو اہل مکہ کو قرآن پڑھاتے اور اس کے معانی و مفاہیم سے روشناس کراتے تھے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے معنی و مفہوم کا علم رکھنے والے کی تعظیم و توقیر کا حکم فرمایا۔ اور انہیں بہت اور اچھے لقب سے پکارا۔ انہیں مقربان بارگاہ ایزدی اور خاصانِ خدا فرمایا۔ نیز فرمایا ہے کہ میری امت کے شریف اور معزز لوگ قرآن سمجھنے والے ہیں۔ مزید ان کی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ:----

افضلکم من تعلمہ القرآن وعلمہ۔ (سنن ابن ماجہ ص 19 باب فضائل۔ ترمذی ص 19 ج2))

تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن سیکھا اور دوسروں کو سکھایا۔

حضور عالم قرآن کو امانت کے لئے منتخب فرماتے۔ صحابہ کرام کو ہدایت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

(ترمذی ص 115 ج2)

قوم میں سب سے زیادہ قرآن سمجھنے والا ان کی امامت کرے اگر اس میں سب برابر ہیں تو وہ شخص امامت کرے جو ان میں فقیہہ ہو۔ اگر سب فقیہہ ہوں تو وہ شخص نماز پڑھائے جو ہجرت میں مقدم ہو۔ اگر اس میں سب برابر ہوں تو عمر میں سب سے بڑا ہو وہ امامت کرے۔

دوسری جگہ ان کی افضلیت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ "میری امت کی بہترین عبادت قرأت قرآن ہے۔"

اللھم اجعل القرآن لنا اماماً و نوراً واعنا علیٰ ذکرک و شکرک و حسن عبادت تک۔

اے اللہ قرآن کریم کو ہمارا اور نور ہدایت بنا اور ہمیں اپنے ذکر اور شکر نعمت اور اچھی عبادت کی توفیق عطا فرما آمین۔

بقیہ :۔ سائنسی تحقیقات

لگے اگر آپ سچے ہیں تو چاند کو دو ٹکڑے کر دکھایئے۔ آپ نے فرمایا "اگر میں ایسا کر دوں تو کیا ایمان لے آؤ گے؟" وہ بولے ضرور۔ اس رات چودھویں تاریخ تھی آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں عرض کیا الٰہی مجھے کفار کا مطالبہ پورا کرنے کی قوت عطا فرما۔ چنانچہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ حضور علیہ السلام نے مشرکین کا نام لے کر فرمایا یافلان اشھدوا اے فلاں دیکھ لو اور گواہ رہنا تمہاری فرمائش پوری ہو گئی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کفار نے جب یہ عظیم معجزہ دیکھا تو ایمان لانے کی بجائے انہوں نے کہا "یہ ابی کبشہ کے بیٹے کی نظر بندی کا اثر ہے اس نے تمہاری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے۔ چند دنوں تک باہر سے قافلے آنے والے ہیں ہم ان سے پوچھیں گے۔ لیکن باہر سے آنے والے قافلوں کی تصدیق کے باوجود بھی انہیں ایمان لانا نصیب نہ ہوا۔

یہ معجزہ ہجرت سے پانچ سال قبل وقوع پذیر ہوا جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام سے مروی ہے جن میں سیدنا علی المرتضےٰ، حضرت انس، ابن مسعود، حذیفہ، جبیر بن مطعم، ابن عمر، ابن عباس رضی اللہ عنھم شامل ہیں علامہ سید محمد محمود آلوسی فرماتے ہیں کہ "شق القمر کے بارے میں صحیح احادیث بکثرت ہیں یہاں تک کہ بعض نے انہیں متواتر بھی کہا ہے شارح موافقت کی بھی یہی رائے ہے۔ امام تاج الدین سبکی ابن حاجب کی "المختصر" کی شرح میں لکھتے ہیں الصحیح عندی ان انشقاق القمر متواتر منصوص علیہ فی القرآن مروی فی الصحیحین وغیرھما من طرق شتی بحیث لامیتریٰ فی تواترہ میرے نزدیک انشقاق قمر متواتر ہے اور قرآن کی نص سے ثابت ہے۔ صحیحین کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں بھی اتنی سندوں سے مروی ہے کہ اس کے تواتر میں شک کی گنجائش نہیں رہتی۔

علامہ سلیمان ندوی نے اپنی کتاب خطبات مدارس میں لکھا ہے کہ ابھی ابھی سنسکرت کی ایک پرانی کتاب ملی ہے جس میں لکھا ہے کہ مالا بار کے راجہ نے اپنی آنکھوں سے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔

بہر کیف اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ یہ تمام نظامِ کائنات اور اجرام فلکی نجوم و سیارات خود بخود نہیں بلکہ کسی عظیم اور غیر محسوس طاقت کے زیرِ فرمان چل رہے ہیں۔

یہی وہ رموز حکمت ہیں جو حضرات انبیاء کرام علیھم السلام نے پہلے قدم پر عام انسانوں کو بیان فرمائے، اور یہی وہ عقیدۂ اسلام ہے جو سیدالمرسلین حضرت محمد مصطفےٰ علیہ افضل التحیتہ والثناء نے اپنی امت کو عطا فرمایا اور قرآن کریم کی بیشمار آیات میں اس کا یقین دلانے کے لئے آسمان و زمین اور نجوم و سیارات وغیرہ کے حالات پر غور و فکر کی تاکید فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآنی مقاصد و تعلیمات پر استقامت و استقلال نصیب فرمائیں آمین ثم آمین بحرمتے سید المرسلین محمد والہ واصحابہ اجمعین۔

قرآن کریم کا ادبی رُخ

محمد محسن ٹونکی

او کظلمت فی بحر لجی یغشہ موج من فوقہ موج من فوقہ سحاب ظلمت بعضھا فوق بعض۔

(النور)

ترجمہ: یا کافر کے اعمال ان ظلمتوں اور اندھیروں کے مشابہ ہیں جو نہایت گہرے سمندر کی تہہ میں ہوں۔ جسے اوپر تلے کی موجوں نے ڈھانپ رکھا ہو۔ پھر اوپر سے بادل چھائے ہوئے ہوں۔ گویا اوپر تلے۔ پے در پے اندھیریاں ہی اندھیریاں ہیں۔

کیسی نادر اور بے نظیر تشبیہ ہے سبحان اللہ!

ظلمت یا اندھیرے کو بیان کرنا تو بہت آسان ہے۔ مگر ظلمت کی کثرت و بہتاب ظلمت کی جسامت و ضخامت، بے حد و حساب اور بے اندازہ ظلمت کو دلکش الفاظ میں بیان کرنا اور اس کی لفظی تصویر کھینچنا انسان کے لیے بہت دشوار اور محال ہے۔ مگر مصوّر حقیقی نے ظلمت کے تسلسل اور اس کی ضخامت کی کیسی نرالی اور لاثانی تصویر کھینچی ہے۔ یہ ظلمت بیانی نہیں نور افشانی ہے۔

لجر لجی مرکب توصیفی ہے۔ لجی اسم صفت ہے۔ سمندر ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یعنی نہایت گہرا سمندر جس کی تہہ تک پہنچنا دشوار ہو۔ سمندروں کی اوسط گہرائی بارہ ہزار پانچ سو فٹ (FT 00321) ہے لیکن بحرالکاہل جیسے بحراعظم میں بعض حصے بتیس ہزار نواسی فٹ (32089) گہرے ہیں۔ اس بحراعظم کے یہ انتہائی گہرے حصے ہیں جو منڈنی ناؤڈیپ (MINDINAO DEEP) چیلنجر ڈیپ (CHALLENGER DEEP) اور ٹسکارورا ڈیپ (TUSCARORA DEEP) وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں اور بحرالکاہل میں جزائر فلپائن اور جزائر جاپان کے درمیان واقع ہیں۔

یغشہ موج من فوقہ موج من فوقہ سحاب

گہرے سمندر کو بیان کرنے کے بعد جس کی گہرائی علماء جغرافیہ کے اندازے کے مطابق تہہ سے سطح تک بتیس ہزار نواسی فٹ یعنی چھ میل سے بھی زیادہ ہے۔ اس کے اوپر کا حال بیان ہو رہا ہے۔ جسے اوپر تلے کی موجوں اور بادلوں نے چھپا رکھا ہے۔ اس گھنی اور گنجان ظلمت کا اندازہ کیجیے۔ ظلمتوں کے طویل سلسلہ کو دیکھیے چھ میل سے زیادہ کی مسافت میں پھیلے ہوئے پانی کا پردہ ہے۔ پھر اوپر تلے موجوں کا پرہ ہے اور پھر بادلوں کا پردہ ہے۔ ظلمتوں کے پردے ہی پردے حائل ہیں۔ چھ میل سے زائد کی ظلمت تو صرف سمندری ظلمت ہے۔ اب اوپر کی ظلمت یعنی موجوں اور بادلوں کے درمیان ظلمت کا تخمینہ لگائیے تو یہ بھی چار پانچ میل سے کم نہیں ہوتا کیونکہ بادل سطح سمندر پر نہیں بنتے۔ کافی بلندی پر بنتے ہیں۔ اب ظلمت کی مجموعی مسافت دس میل ہو گئی۔ دس میل کی مسافت میں پھیلی ہوئی یہ خوفناک تہہ بر تہہ ظلمت ہے۔ جس میں جگنو کا شرر تک بھی نہیں۔

یغشیٰ: غشیٰ، یغشیٰ غشاوۃً سے ماخوذ ہے۔ بمعنیٰ ڈھانک لینا، چھپانا، قرآن میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ جیسے یغشی الناس۔

فلما تغشھا حملت۔ یغشی الیل النھار۔ وعلیٰ ابصارھم غشاوۃٌ وغیرہ فضائے آسمانی سے لے کر سمندر کی تہہ تک ٹھوس اور کثیف ظلمت کو دکھانے والے یہ قرآنی اندازِ بیان کس قدر عجیب اور نرالا ہے۔ انداز گل افشانی گفتار اسی کو کہتے ہیں۔ بے نظیر اسلوب بیان یہی ہے۔ خوبصورت خوشہ انگور کے دردانوں کی آپ تصویر کھینچ سکتے ہیں۔ تہ بہ تہ کیلوں کے خوشہ کی تصویر کھینچ سکتے ہیں۔ سنگترے کی زرد اور رسیلی قاشوں کی تصویر کھینچ سکتے ہیں۔ مگر ظلمت جیسی لطیف اور غیر مرئی شے کی تہ بہ تہ اور پرت بہ پرت کی تصویر کھینچنا آسان نہیں ہے۔ یہاں انسانی فکر اور انسانی تخیل درماندہ ہے۔

یہ ادبی انداز میں قرآن کریم کا پیش کردہ بحری منظر ہے۔ اسی طرز کے اور بھی بحری مناظر مختلف سورتوں میں موجود ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عبرت آموزی کے طور پر کچھ بحری واقعات کا ذکر کیا جائے۔

وہ دیکھیے! افق مشرق پر سورج کے نکلتے ہی فرعون اپنی قوم اپنی رعایا اور تمام لاؤ لشکر کے ہمراہ بڑے طمطراق اور ٹھاٹھ کے ساتھ بنی اسرائیل کو نسیت و نابود کرنے کے ارادے سے نکل کھڑا ہوا ہے۔ اس پر شدت کا جنون سوار ہے۔ اس کی عقل و خرد اور ہوش و حواس بیکار ہو گئے ہیں۔ وہ اپنی سلطنت، ملک، تخت و تاج جاہ و مال سب کچھ چھوڑ رہا ہے۔ معمور خزانے چھوڑ رہا ہے۔ چشمے، نہریں اور بھرے باغات چھوڑ رہا ہے۔ بلند و بالا، بارونق اور پُر شوکت محلات چھوڑ رہا ہے۔ فرعونیوں کی عقل پر بھی ظلمت کے ایسے ہی گہرے پردے پڑ گئے ہیں۔ جیسے ظلمت کے گہرے پردے اس عمیق سمندر پر پڑے ہوئے ہیں۔

ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام راتوں رات بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر بحر قلزم کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ کافروں نے مومنوں کو اور مومنوں نے کافروں کو دیکھ لیا ہے۔ وہ دیکھیے کیا غضب ہو گیا۔ کیسی قیامت ٹوٹ پڑی، بنی اسرائیل کی جان پر بن آئی ہے۔ وہ حواس باختہ ہو گئے ہیں۔ ان کے چہرے زرد اور منہ فق ہیں۔ لرز رہے ہیں کانپ رہے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہہ رہے ہیں اے موسیٰ علیہ السلام بتاؤ کیا کریں۔ ہم تو پھنس گئے۔ آگے سمندر پیچھے فرعون کا ٹڈی دل لشکر4 نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔

ع یہ کیا منظر ہے بڑھتے ہیں نہ ہٹتے ہیں قدم

آپ نے ملاحظہ کیا۔ بنی اسرائیل کیسی عمدہ ایکٹنگ کر رہے ہیں۔ بحر قلزم کا کنارہ ان کے لیے اسٹیج بن گیا ہے۔ بنی اسرائیل اس کی بیتابی، اضطراب اور گھبراہٹ کو قرآن کریم نے ادیبانہ انداز میں بڑی جامعیت اور بلاغت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:-

انا لمدرکون (شعرا)

ترجمہ: 1۔ ہم پھنس گئے، ہم پکڑ لیے گئے۔

2۔ ہم اوور ٹیک (OVERTAKE) کر لیے گئے۔

3۔ فرعون ہمارے سر پر آ پہنچا۔

مدرک: اسم فاعل ہے اس کے معنیٰ ہیں کسی کا تعاقب کرتے کرتے اس کے پاس پہنچ جانے والا کسی مسئلہ یا معاملہ کی گہرائی تک پہنچنے والا۔ ذکی، ذہین اور فہیم وغیرہ۔

مدرک: یہ اسم معفول ہے اور کے معنیٰ اسم فاعل کے معانی کے بالکل برعکس ہیں۔

اس مصدر کے مشتقات قرآن کریم میں بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً

1۔ ادرکہ الغرق فرعون کو غرقابی نے گھیر لیا۔

2۔ یدرکم الموت تمہیں موت آ دبوچے گی۔

3۔ ھو یدرک الابصار وہ نگاہوں کا پہچان لیتا ہے۔

4- ان تدرک القمر — یہ کہ چاند تک پہنچ جائے۔
5- وما ادراک ما القارعة — آپ کو کیا معلوم قارعہ کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے بھی اسی فاعل کا حامل ہے۔

من شرار الناس من تدرکھم الساعة وھم احیاء

(بخاری)

ترجمہ: بد ترین لوگ قیامت کے قریب زندہ رہیں گے اور وہ انہیں پر ٹوٹ پڑے گی۔

انا لمدرکون: کے مختصر جملہ کی جامعیت یہ ہے کہ اس میں بنی اسرائیل کے کردار اور رویہ کی تصویر بھی ہے اور ان کے جذبات و احساسات کی تصویر بھی ہے۔ یعنی بدحواسی، بیتابی و بیقراری، غضبناکی، زہرافشانی خوف و ہراس وغیرہ۔ اور اس کی بلاغت یہ ہے کہ اس ہنگامی اور نازک صورتِ حال پر بنی اسرائیل جو کچھ مظاہرہ کر رہے ہیں موقع و محل اسی کا متقاضی ہے۔

نبی اور غیر نبی کا ایمان یکساں نہیں ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پورے یقین و اطمینان کے ساتھ بنی اسرائیل کو تسلی دے رہے ہیں کہ گھبراؤ نہیں تمہیں کوئی ایذا نہیں پہنچ سکتی۔ اس پریشانی کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا مانگی:

المکون لکل شئی والکائن بعد کل شئی۔ اجعل لنا فرجاً

(ابن ابی حاتم)

اور دیکھیے! وحی الٰہی آگئی۔ موسیٰ علیہ السلام دریا پر عصا مار رہے ہیں پانی پھٹ گیا ہے اور سمٹ کر دائیں بائیں جانب پہاڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا ہے بیچ میں صاف اور ہموار راستہ بحکم خدا نکل آیا ہے۔ بنی اسرائیل ---- پیش قدمی کر رہے ہیں اور فرعون تعاقب میں ہے۔ دونوں جماعتیں قطار اندر قطار سمندر میں رواں دواں ہیں۔ کیسا عجیب کرشمہ قدرت ہے، کیسا حیرت انگیز معجزہ الٰہی ہے۔ مگر فرعون کی آنکھیں اب بھی نہیں کھلیں۔ بنی اسرائیل کا آخری شخص سمندر سے نکل رہا ہے اور آخری قبطی سمندر میں داخل ہو رہا ہے۔ وہ دیکھیے! چشم زدن میں یہ کیا انقلاب آگیا۔ بحر قلزم کی وہی پہلی جیسی شکل ہو گئی۔ اب نہ وہ راستہ ہے نہ بر دو جانب پانی کے بلند پہاڑ، فرعونی غرقاب ہیں۔ بحری مخلوق کے لیے بحر قلزم سفرہ عام بن گیا ہے۔ مگر مچھ اور خوفناک شکاری مچھلیوں کے کام و دہن فرعونیوں کے لقمہ تر سے لذت یاب ہیں۔ زمین فرعونیوں کا ماتم کر رہی ہے نہ آسمان ان پر اشکبار ہے۔ مجبوری و بے بسی کا عجب عالم ہے۔ فرعون جاں کنی کی حالت میں چیخ کر کہہ رہا ہے۔

آمنت بالله الذی آمنت بہ بنوا اسرائیلہ

(قرآن)

وہ دیکھیے! بنی اسرائیل بنسیاں اور ڈوریں ہاتھوں میں لیے جال کندھوں پر ڈالے ساحل بحر پر مچھلیاں پکڑنے جا رہے ہیں صبح سے شام ہو جاتی ہے۔ کوئی مچھلی ہفتہ کے علاوہ دنوں میں پھنستی ہی نہیں اور اگر پھنستی بھی ہے تو سخت کوشش کے بعد۔ مچھلیوں کا انتظار محبوب کے انتظار سے کم نہیں ہے۔ مچھلیوں نے جال میں پھنسنے کا وعدہ فردا کیا ہے اور بنی اسرائیل نے اس وعدے پر یقین تمام کر لیا ہے۔ اب بنی اسرائیل اور انتظار کی بے چین راتیں ہیں بستی سے دور سمندر کے کنارے پر بیٹھے ہیں۔ تپش آفتاب سے دماغ کھول رہا ہے۔ بھوک سے آنتیں سوکھ رہی ہیں۔ پیاس کی شدت سے زبانیں نکل رہی ہیں۔ وہ دیکھیے! خواہش آب میں موجوں ہی کی زبانیں نکل رہی ہیں تو بے چارے بنی اسرائیل اپنی تشنگی کا مداوا کیونکر کر سکتے ہیں۔ بہت پریشان ہیں۔

ع — جس قدر ہم ہیں پریشان ترے گیسو بھی نہیں

وہ دیکھیے! آج ہفتہ کا دن ہے دریا، چشمے، نہریں، جھیلیں، مچھلیوں سے پٹی پڑی ہیں۔ بڑی بڑی لحیم و جسیم، فربہ، عمدہ اور تر و تازہ مچھلیاں پانی میں کھیلتی، کودتی، پھاندتی چلی آرہی ہیں۔ فوج در فوج، انبوہ در انبوہ اور قطار اندر قطار مچھلیاں پانی کی سطح پر ظاہر ہو ہو کر سامنے آرہی ہیں۔

اسی بات کو قرآن کریم میں بہترین اور بہانہ طرزِ ادا اور بے نظیر گلفشاں انداز کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

ملاحظہ کیجیے:

اذ تاتیھم حیتانھم یوم سبتھم شرعاً

(اعراف)

جملہ میں حیتان اور شرع کے الفاظ ہی سے تصویر کشی اور منظر نمائی کا انداز ظاہر ہو رہا ہے اور جملہ پڑھتے ہی ہم تخیلی طور لکھ دیتے ہیں کہ سمندر میں ہر طرف ہلچل مچی ہوئی ہے اور بڑی بڑی مچھلیاں پانی کی سطح پر نمودار ہو کر اچھل کود کر رہی ہیں۔ شرع کا منتخب لفظ ہی محاکاتی حسن و جمال کا آئینہ دار اور ادبی شان و شوکت کا مظہر ہے۔ یہ شارع کی جمع ہے اور مچھلیوں کے لیے مخصوص ہے۔ اس کے معنیٰ ہیں سطح پر نمودار ہوتے ہوئے۔ سرِ بام دعوت نظارہ دیتے بے نقاب رخ اٹھاتے ہوئے۔ وغیرہ اسی طرح حیتان بھی "حوت" کی جمع ہے۔ بمعنی بڑی مچھلیاں، شرع اور حیتان دونوں کو ہم نحوی اعتبار سے بالترتیب صفت و موصوف بھی کہہ سکتے ہیں اور حال و ذوالحال بھی۔ جب مچھلیاں سطح آب پر آئیں گے تو کھیلنا، کودنا، اچھلنا، پھاندنا سب کچھ کریں گی۔ لہٰذا شرع کے لفظ میں مچھلیوں کی یہ تمام ادائیں بھی پوشیدہ ہیں۔ شرع کا لفظ جملہ کی جان ہے۔ یہ تصویر بھی کھینچتا ہے۔ رنگینی و رعنائی بھی پیدا کرتا اور مصور حقیقی کی قادر الکلامی پر بھی دلالت کرتا ہے۔

معترضین اور خصوصاً مستشرقین کلام الٰہی کے اس ادبی اندازِ بیان کی گلفشانی پر غور کریں اور دیکھیں کہ یہ تصویر یہ کس قدر ناطق، دلکش اور جاذبِ نظر ہے۔

الغرض ہفتہ کا روز ہے مچھلیاں آزادی کے ساتھ چڑھی چلی آرہی ہیں اور پانی میں پھیل رہی ہیں۔ بنی اسرائیل کے دل للچا رہے ہیں۔ شیطان بھی ان کے اعمال کو مزین کر رہا ہے۔ یہ وسوسہ ڈال رہا ہے کہ ممانعت تو ہفتہ کے دن مچھلیاں کھانے کی ہے۔ پکڑنے کی نہیں۔ تم شنبہ کے دن پکڑ سکتے ہو اور شب یکشنبہ میں کھا سکتے ہو۔ ایک جماعت اس قسم کے حیلے بہانے تراش کر، چور دروازے سے گھس کر قانون سبت کی عظمت کو پامال کر رہی ہے۔ ممنوع کا ارتکاب کر رہی ہے۔ دوسری جماعت انہیں منع کر رہی ہے۔ زجر و توبیخ کر رہی ہے۔ عذاب الٰہی سے ڈرا رہی ہے۔ مگر یہ نصیحت و ممانعت بے سود ثابت ہو رہی ہے۔ وہ دیکھیے آخر کار راتوں رات اس سرکش جماعت پر عذاب الٰہی کا کوڑا پڑ ہی گیا۔ اس کی صورتیں مسخ ہیں اور وہ حقیر و ذلیل بندروں کی متشکل ہے --- نعوذ باللہ

یہ تمام بحری واقعات ہیں اس لیے بیان کیے گئے کہ زیر بحث آیت کریمہ کے ساتھ مربوط اور مسلسل ہو جائیں اور اس لیے بھی کہ یہ حقیقت بخوبی ذہن نشین ہو جائے کہ انسان کا اصل دین یہی ہے۔ باقی جتنے مذاہب دنیا میں بنے ہیں وہ محض گمراہ انسانوں کے پیدا کردہ تفرقے ہیں۔ یہ لوگ اس دین کو قبول کریں گے وہی اللہ تعالیٰ کے حضور سرخرو ہوں گے اور زمین کے وارث ہونگے اور جو لوگ اسے رد کر دیں گے وہ بد ترین انجام سے دوچار ہوں گے۔ جس طرح فرعون ---- بنی اسرائیل اور دوسری سرکش قومیں دوچار ہوئیں۔

ادبی رُخ:

آیت کریمہ میں تشبیہ کا گوہر نمایاں ہے۔ کفار کے اعمال کو گہرے سمندر کی اوپر تلے کی ظلمتوں سے تشبیہ دی جا رہی ہے۔ "اعمال" مشتبہ ہیں۔ "ظلمت" مشبہ بہ ہیں اور (کاف) صرف تشبیہ ہے۔ دیکھیئے مشتبہ یہ کے مابین یعنی اعمال اور ظلمت کے درمیان کیسا کامل تطابق یہ کامل تطابق ہ تشبیہ کی بلاغت پر حجت ہے۔ جس طرح گہرے سمندر پرتہ برتہ ظلمتوں کے پردے ہیں۔ یعنی گہرائی کے پردے ہیں۔ موجوں کے پردے ہیں اور بادلوں کے پردے ہیں۔ اسی طرح کفار کے دلوں پر عقلوں پر کانوں پر اور انکھوں پر بھی پردے ہوتے ہیں۔ ان کے اعمال میں کوئی حسن اور نورانیت نہیں۔ وہ محبوب حقیقی ہی کے منکر ہیں۔ ان کی تو ساری زندگی شب ہجر اور شام فراق سے عبارت ہے۔ مہجور زندگی کیونکر درخشاں ہو سکتی ہے۔ وہ تو سراسر معصیت ہی معصیت ہے۔

ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے:۔

یوں زندگی گزار رہا ہوں ترے بغیر
جیسے کوئی گناہ کیے جا رہا ہوں میں

شعراء کی شب ہجر اور کفار کی شب میں ادنیٰ درجہ کی مشابہت نہیں۔ یہ شب ہجر سحر آشنا ہے۔ وہ سحر آشنا نہیں۔ یہ خدا کے سودائی ہیں اور وہ ماسوا کے سودائی، ان کی شب ہجر میں تو سحر وصل بھی طلوع ہو جاتی ہے۔ غم خانہ میں چراغ بھی روشن ہو جاتے ہیں اور جگنو بھی شرر فشاں ہو جاتا ہے۔ مگر کفار کی شب ہجر کو چراغاں کرنے والا کون ہے۔ نور السموٰت والارض سے ہماری دعا ہے کہ وہ ہمارے دلوں میں نور پیدا کردے۔ ہمارے دائیں بائیں۔ اوپر، نیچے اور آگے پیچھے بھی نور عطا فرمائے۔ ہمارے نور کو بڑھا دے اور اسے بہت بڑا کردے۔ آمین

تشبیہ میں حیرت، حسرت، مایوسی، تاریکی، خوف ہراس، خسران وغیرہ وجہ شبہ ہیں۔ تشبیہ کے علاوہ اس میں دوسرا ادبی حسن وہ ہے جو ادبی اصطلاح میں "محاکات" کہلاتا ہے۔ یعنی کسی واقعہ کو اس انداز سے بیان کرنا کہ گویا وہ آنکھوں کے سامنے واقع ہو رہا ہے اور اس کی تصویر کھنچتی چلی جا رہی ہے۔ زیر بحث آیت کریمہ میں اور دوسری بنی اسرائیل سے متعلق آیات مں محاکات ہی کار فرما ہے۔

الغرض اس ادنیٰ ادبی تشریح میں ان مخالفین کے دعوت فکر ہے جو قرآن کے انداز بیان پر اعتراض کرتے اور اسے بے تکلف بے کیف بے ربط اور غیر مسلسل بتاتے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

اعرابِ قرآن

مرسلہ: محمد قدرت اللہ بیگ میر پور خاص۔

خطِ عربی میں پہلے حرکات، سکون، تشدید اور نقطوں کا وجود نہ تھا۔ اس لئے شکلیں یکساں ہوتیں۔ مگر یہ عرب کی قدرت زبان اور ان کے فہم کلام کا کرشمہ تھا۔ کہ وہ ان سب کے بغیر اصلی حرف و حرکت کی تعیین کر لیتے اور صحیح پڑھتے، مصحفِ عثمانی کی تدوین کے بعد بھی قریباً پچاس سال تک لوگ اس طرح پڑھتے رہے۔ جب مملکت اسلامیہ کے حدود وسیع ہوئے اور عرب و عجم کا اختلاط ہوا تو اکثر عجم اور بعض عرب سے بھی قرأت میں بہ سی غلطیاں ہونے لگیں۔ جس کے پیش نظر حجاج بن یوسف نے حکم دیا کہ ہمشکل حروف میں امتیاز کرنے کے لئے علامات مقرر کی جائیں چنانچہ حضرت نصر بن عاصم لیثی نے نقطے ایجاد کیئے۔ جس سے ہم شکل حروف میں اشتباہ جاتا رہا۔ سب سے پہلے بآ اور تآ پر نقطے لگائے گئے جسے دیکھ کر لوگ خوش ہوئے اور کہا اس میں کوئی حرج نہیں یہ نقطے تو حروف کیلئے نور اور رونق ہیں۔ انہوں نے اس وقت اختتام آیت کی علامت بھی اولاً نقطے ہی سے مقرر کی۔ پھر موجودہ علامات ایجاد کیں۔

اعراب کی سب سے پہلے ایجاد کرنے والے ابو الاسود دئلی تابعی بصری ہیں۔ جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طریقہ آغاز پر علم نحو کی ایجاد و تکمیل کی۔ انہوں نے ایک شخص کو ان اللہ بری من المشرکین ورسولہ (بکسرہ لام) پڑھتے سنا۔ (جس کا معنی یہ ہو جاتا ہے کہ "بے شک اللہ مشرکوں سے بری ہے اور اپنے رسول سے) یہ غلطی بہت بڑی تھی انہوں نے فرمایا۔ "معاذ وجہ اللہ ان یبری من رسولہ" (خدا کی پناہ اس سے کہ وہ اپنے رسول سے بری ہو)۔ انہیں اعراب کی ضرورت کا شدت سے احساس ہوا۔ جس کے بعد انہوں نے اعراب وضع کئے۔ مگر اس وقت زبر۔ زیر۔ پیش وغیرہ کی یہ شکلیں نہ تھیں۔ جو آج ہیں۔ انہوں نے نقطوں ہی سے اعراب کا کام لیا۔

فرق یہ تھا کہ اعرابی نقطوں کے لئے اس رنگ کی روشنائی استعمال نہ ہوتی جس رنگ سے قرآن لکھا ہوتا۔ بلکہ اس کے لئے مخالف رنگ کی روشنائی استعمال کرتے زبر کے لئے حرف کے اوپر ایک نقطہ، زیر کے لئے حرف کے نیچے ایک نقطہ ضمہ کے لئے حرف کے اندر ایک نقطہ، اور تشدید کے لئے دو نقطے مقرر کئے۔

پھر خلیل بن احمد فراہیدی نے تشدید، مد، ہمزہ، جزم، وصل اور حرکات کی علامتیں ایجاد کیں۔ اور کسرہ، فتحہ، ضمہ، (زیر، زبر، پیش) کی وہ صورتیں وضع کیں جو آج ہیں۔

پاروں کی تقسیم حجاج ہی کے زمانے میں ہوئی اور مصحف میں منزلوں کے نشانات بھی اس نے حسن اور یحییٰ بن یعمر سے لگوائے۔ دس آیات کے اختتام پر ایک علامت (ے) لگی ہوتی ہے۔ اس کی ایجاد مامون عباسی کے زمانے میں ہوئی۔ رکوع کی علامت بھی اسی زمانے میں مقرر ہوئی۔ اس طرح کہ نمازِ تراویح میں جتنی مقدار پڑھ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رکوع کیا کرتے اس کے اختتام پر کنارے پہ یہ علامت (ع) لگا دی گئی۔

(بحوالہ: تدوینِ قرآن ص 135۔ از مولانا محمد احمد مصباحی)

قرآنِ پاک کا اعجاز

پروفیسر محمد سرور شفقت

قرآن --- احکام الٰہی --- آفتاب نبوت کا ظہور --- غارِ حرا --- قرآن من جانب اللہ --- جبرائیل کے ذریعے --- رمضان المبارک میں نزول --- قرآن کی صداقت --- بے مثل و بے مثال --- بے عدیل و بے نظیر --- اعجاز قرآن --- محیط بے کنار --- گوہر تابدار --- قرآن کیا ہے --- بے شک

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

صراطِ مستقیم کا پاسبان --- علم و حکمت کا خزینہ --- ہدایت کا سفینہ --- کائنات میں منفرد --- مخلوق کے حق میں سراپا رحمت --- ازلی و ابدی مبصر --- عالم غیب اور دنیائے شہادت کا مفسر --- معنوی خزائن کا کشاف --- نوجوانوں کے لیے صور اسرافیل --- شکستہ حوصلوں کو جولانیاں نصیب کرنے والا --- دل کی دنیا بدل دینے والا --- ذلت کو عزت --- شکست کو فتح --- بدحالی کو خوشحالی --- انتشار کو وحدت --- کمزوری کو قوت میں تبدیل کرنا چاہتے ہو تو قرآن پاک کی تعلیمات پر خلوص دل اور پختہ عزم سے عمل کرنا ہوگا۔ قرآن پاک سراپا اعجاز ہے۔ نور و عرفان، ایمان و ایقان اور علم و حکمت کی چند معجز نما جہتوں کو بیان کرنے کی لازوال سعادت حاصل کر رہی ہے۔

قرآن پاک کا چیلنج:

قرآن پاک علوم اولین و آخرین کا سرچشمہ ہے۔ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے متعلق بہترین لائحہ عمل پیش کرتا ہے۔ فرد کی زندگی سے لے کر بین الاقوامی سیاست تک ہر نظام کے بہترین اصول موجود ہیں۔ قرآن نے انسان کو ذلت کی پست گہرائیوں سے نکال کر حقیقی معنوں میں انسان بنا دیا۔

ٹامس کارلائل اپنی کتاب "لیکچر آن ہیروز" میں لکھتا ہے:۔

"اسلام قوم عرب کے حق میں گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا۔ عرب کا ملک اسی کی روشنی سے زندہ ہوا۔

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کے مقالہ نگار نے لکھا ہے:

" ITSELF IS A MIRACLE AND CANDNOT BE IMITATED BY MAN
THEQURAN "

قرآن بجائے خود ایک معجزہ ہے۔ انسان اس کی مثل نہیں لاسکتا۔

قرآن مجید اپنی لفظی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے محیر العقول کلام ہے۔ نزول قرآن کے وقت عرب کے حالات کو دیکھیئے کہ عرب کے باشندوں کو اللہ تعالیٰ نے محض قدرتی اور پیدائشی طور پر فصاحت و باغت کا ایک فن ضرور دے دیا تھا۔ جس سے وہ ساری دنیا میں فائق و ممتاز تھے۔ وہ نظم و نثر میں ایسے سحر البیان اور قادر الکلام تھے کہ جب بولتے تھے تو رعد کی طرح کڑکتے تھے اور بادل کی طرح برستے تھے لیکن وہ سب کے سب قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کے سامنے اپنے آپ کو پست اور عاجز سمجھتے تھے۔

جارج ای پٹنم اپنی کتاب "ورلڈز پراگس" میں لکھتے ہیں:

"یہ کتاب (قرآن) جو الہامات و اعتقدات محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہے۔ مسلمہ طور پر عربی زبان کا معیار حقیقی پیش کرتی ہے۔"

قرآن مجید ہر لحاظ سے بے مثل بے نظیر اور بے عدیل ہے۔ اس لیے قرآن پاک نے ساری دنیا کو چیلنج دیا کہ کسی کو اس کے کلام الٰہی ہونے میں شبہہ ہو تو اس کا مثل بنا لائے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

"اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے (اس خاص) بندے پر اتارا ہے تو اس جیسی ایک سورۃ لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے حمایتیوں کو بلالو اگر تم سچے ہو۔"

(البقرہ۔۔23)

جارج سیل لکھتا ہے:

"قرآن کریم بلاشبہ عربی زبان کی سب سے مستند کتاب ہے کسی انسان کا قلم ایسی معجزانہ کتاب نہیں لکھ سکتا اور یہ مردوں کو زندہ کرنے سے بڑا معجزہ ہے۔"

قرآنی پیش گوئیاں:

قرآن پاک میں مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کی طرف سے اشارے کیے گئے ہیں اور بعد میں وہ واقعات بعینہ وقوع پذیر ہوئے مثلاً قرآن پاک نے خبر دی:

"رومی مغلوب ہوئے پاس کی زمین میں اور اپنی مغلوبی کے بعد عنقریب غالب ہونگے۔ چند برس میں حکم اللہ ہی کا ہے آگے اور پیچھے اور اس دن ایمان والے خوش ہونگے اللہ کی مدد سے مدد کرتا ہے جس کی چاہے اور وہی عزت والا مہربان۔"

(روم 2-5)

جب کسریٰ پرویز نے رومیوں پر حملہ کیا تو عرب سے ملحقہ زمین میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا اور فارس روم پر غالب آئے۔ جب یہ خبر مکہ معظمہ پہنچی تو مشرکین خوش ہوئے اور مسلمان سے کہنے لگے تم اور نصاریٰ اہلِ کتاب ہو اور ہم اور فارس بے کتاب ہیں۔ جس طرح ہمارے بھائی تمہارے بھائیوں پر غالب آگئے ہم بھی تم پر غالب آجائیں گے۔ مسلمانوں کو یہ امر نہایت ناگوار گزرا۔ پس اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں مذکور ہے کہ چند سال اندر روم فارس پر غالب آجائیں گے۔ چنانچہ نو سال بعد یہ پیش گوئی پوری ہو گئی۔ اس طرح امور غیبیہ کے متعلق قرآن مجید میں دی گئی خبروں کی صداقت اظہر من الشمس ہو گئی۔

اور بھی کئی پیش گوئیاں ہیں و حرف بحرف پوری ہوئیں جنہیں طوالت کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا ہے۔

تاریخی صداقتوں کا امین:

کلامِ مجید میں گذشتہ امم کی تاریخ اور ان کی شریعت کا ایسا تذکرہ ملتا ہے کہ اس زمانے کے بڑے بڑے علمائے یہود و نصاریٰ جو پہلی کتابوں کے ماہر سمجھے جاتے تھے وہ بھی ان حقائق کا ادراک نہیں رکھتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہ تو کسی مکتب میں قدم رکھا نہ کسی عالم کی صحبت اٹھائی پھر ابتدائے آفرنیش سے بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسل تک اقوام عالم کے تاریخی حالات اور ان کی شریعتوں کا بیان ظاہر کرتا ہے کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہی یہ خبریں آپ کو دی ہیں۔

پروفیسر ڈی۔ ایس۔ مارگولیتھ اپنی کتاب "محمڈن ازم" میں لکھتا ہے:

"قرآن دیگر مذہبی صحائف کی نسبت جو براہِ راست تاریخی معاملات پر بحث کرتی ہے۔ مختلف حیثیت رکھتا ہے جہاں تک قرآن کا تعلق ہے وہ تاریخ کو صرف

اخلاقیات کی نشر و نفاذ کے لیے پیش کرتا ہے۔ حتیٰ کہ قرآن مجید میں جہاں تک واقعات حاضرہ بیان کیا گیا ہے۔ وہاں بھی یہی مقصود پیش نظر ہے۔ اس کو کسی حکایات یا واقعات کا بیان مقصود نہیں ہوتا بلکہ یہ مقصود ہوتا ہے کہ سننے والے کو تنبیہہ ہو جائے۔"

تلاوت کی تاثیر:

قرآن پاک کی تلاوت کار ثواب، اس کا پیغام آنکھوں کا نور، فکر و نظر کی شادابی، روح کا چین اور دل کا سرور ہے۔ قرآن پاک کا سمجھنا موجبِ خیر و برکت اور اس پر عمل کرنا ذریعہ نجات ہے۔ قرآن کے سننے سے ہر خاص و عام اور مومن و کافر پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی ہے۔

ولید بن مغیرہ بڑا دولت مند آدمی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند آیات تلاوت فرمایں تو بے خود ہو کر بولا:

" خدا کی قسم اس کلام میں کچھ اور ہی شیرینی اور تازگی ہے۔ اس نخل کی شاخوں کا پھل اور اس کا تنا بھاری ہے۔ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہو سکتا۔"

یہ وہی کتاب ہے جس نے عمر کو امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ بنا دیا۔

مسٹر ایچ پی فلشر "اسلامک ایویو" میں لکھتے ہیں:

" میں نے قرآن پاک کی ایک جلد خریدی۔ اس کا مطالعہ شروع کیا۔ اپنے عرب دوستوں کے ساتھ گفتگو کی۔ اس طرح میں نے اسلام کی زبردست طاقت و عظمت کو محسوس کیا اور مسلمان ہو گیا۔"

بار بار پڑھی جانے والی کتاب

قرآن مجید، فرقانِ حمید دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ اسے جتنا زیادہ پڑھا جاتا ہے شمع شوق کا نور اور زیادہ فروزاں ہوتا ہے۔ ہر بار پڑھنے سے نیا لطف اور کیف محسوس ہوتا ہے۔ مطالب و مفاہیم کی مزید تہیں سامنے آتی ہیں۔ دنیا کی بہتر سے بہتر اور مرغوب کتاب لے لیں اس کو دو چار مرتبہ پڑھا جائے تو طبیعت اکتا جاتی ہے۔ یہ صرف قرآن پاک ہی کا خاصہ ہے کہ جتنا کوئی اسے زیادہ پڑھتا ہے۔ اتنا ہی اس کا شوق اور ذوق بڑھتا جاتا ہے یہ قرآن پاک کے کلام الٰہی ہونے کا اثر ہے۔

کارلائل نے جب قرآن کا مطالعہ کیا تو اسے مجبوراً کہنا پڑا:

" جب تم ایک دفعہ قرآن کریم کو بغور پڑھ چکو تو اس کی خصوصیتیں منکشف ہونے لگتیں ہیں۔"

علمِ غیب کا خزانہ:

قرآن مجید نے غیبی امور کی نشاندہی کی ہے یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ کتاب ایسی ہستی کی طرف سے نازل کی گئی ہے جو علیم و خبیر ہے۔ اس میں ماضی اور مستقبل کی ایسی خبریں ہیں جنہیں جاننے کا کوئی دوسرا ذریعہ نہ تھا۔ اسی طرح فرعون کی لاش کے بارے میں کسی کو گمان نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ سورہ یونس میں ارشاد ہے:

"آج ہم تیری لاش کو اُڑا دیں گے کہ تو اپنے پچھلوں کے لیے نشانی ہو اور بے شک لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں۔"

(یونس-93)

محفوظ و مامون کتاب:

اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کا خود ضامن ہے۔ یہ الہامی کتاب قیامت تک بغیر تغیر و ترمیم کے باقی رہے گی۔ قرآن مجید الفاظ کے لحاظ سے طرزِ تلفظ، لہجہ، قرأت، مطالب غرض ہر لحاظ سے محفوظ ہے۔ یہ اعزاز اور کسی کتاب کو حاصل نہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

: بے شک ہم نے اتارا ہے قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔
"

(حجر (9)

قرآن پاک کی تدوین جس احتیاط سے عمل میں آئی ہے تاریخ عالم کی کوئی دینی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ جرمن کے عیسائی پادریوں نے سوچا کہ انجیل مقدس آرامی زبان میں نازل ہوئی ہے جو اب دنیا میں موجود نہیں۔ اس وقت قدیم

قرآن صراطِ مستقیم کا پاسبان، علم و حکمت کا خزینہ، ہدایت کا سفینہ ہے

ترین انجیل یونانی زبان میں ہے۔ انہوں نے یونانی مخطوطوں کو جمع کیا تاکہ ان کا آپس میں موازنہ کیا جائے۔ یونانی زبان میں انجیل کے تمام نسخوں کو جمع کیا گیا اور ان کے ایک ایک لفظ کا مقابلہ اور موازنہ کیا گیا۔ اس کی جو روئیداد شائع ہوئی اس کے الفاظ یہ ہیں:

"کوئی دو لاکھ اختلافی روایات ہیں اس کے بعد یہ جملہ ملتا ہے۔ ان میں 1/7 اہم ہیں۔"

اس کے بعد میونخ یونیورسٹی میں قرآن مجید کی تحقیقات کا ادارہ قائم کیا گیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ساری دنیا سے قرآن مجید کے قدیم ترین دستیاب نسخے خرید کر فوٹو لے کر جس طرح بھی ممکن ہو جمع کیے جائیں۔ جمع کرنے کا یہ سلسلہ تین نسلوں تک جاری رہا۔ 1933ء تک بیالیس ہزار (42000) نسخوں کے فوٹو جمع کیے گئے۔

دوسری جنگ عظیم شروع ہونے سے پہلے ایک عارضی رپورٹ شائع ہوئی جس میں بتایا گیا کہ ان تمام نسخوں میں اختلاف روایت ایک بھی نہیں۔

مسٹر ڈبلیو۔ جی پکرڈ جنہوں نے مطالعہ قرآن کے بعد اسلام قبول کیا لکھتے ہیں:

" قرآن آج بھی ویسا ہی موجود ہے۔ کسی نے اس میں تحریف نہیں کی وہ محفوظ ہے اس میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔"

قرآن پاک علوم و معارف کا خزانہ ہے۔ کلام پاک کے مختصر حجم اور محدود کلمات میں اتنے علوم فنون جمع ہیں جو تمام کائنات میں دائمی ضروریات کو حاوی اور زندگی کے ہر شعبہ اور ہر حال سے متعلق اور کامل نظام پیش کرتے ہیں۔ عائلی زندگی سے لے کر قبائلی اور شہری زندگی تک اور عمرانیات سیاسیات تک، غرض ہر شعبہ، ہر دور اور ہر علاقے کے لوگوں کے لیے رشد و ہدایت کا سامان موجود ہے۔

مسٹر ان ڈیون رپورٹ اپنی کتاب "دی گریٹ ٹیچر" میں لکھتے ہیں:

" قرآن پاک ایک آسان اور عام فہم مذہبی قانون ہے۔ جس میں انسانی زندگی کی اصلاح کے لیے سب کچھ موجود ہے۔ اس کی ایک امتیازی شان یہ ہے کہ

اس کی تعلیمات انسانی فطرت کے مطابق ہیں۔ ہم انصاف سے کہہ سکتے ہیں کہ قرآن پاک سے بڑھ کر کوئی اور دستور العمل انسان کو عملاً نیکی کیطرف راغب کرنے اور برائیوں سے بچانے کے لیے راہنما نہیں ہو سکتا۔"

قرآن مجید اور سائنس:

سائنس کے محققین نے کائنات کے جن اسرار و رموز سے پردہ اٹھایا ہے۔ ذرا غور کیا جائے تو ان کا منبع و سرچشمہ قرآن حکیم ہے۔ مثال کے طور پر نباتات، جمادات، حیاتیات کی ظہور پذیری، سورج کی روشنی، چاند اور ستاروں کے راستے ان سب کی اپنے مدار پر گردش، سمندروں سے بادلوں کا انخلاء پھر بارش کا برسنا، زلزلے اور سمندری راستوں کی نقاب کشائی، آلاتِ حرب میں لوہے کا استعمال، علم الانسان و علم الابدان میں راہنمائی، بہتر اور افضل اشیاء کا خوراک میں استعمال اور مضر اشیاء کے استعمال سے گریز تمام انکشافات جن سے انسان بہرہ ور ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے یہ سب قرآن پاک کی بصیرت افروز تعلیمات ہیں۔

ونڈوڈا پنی تالیف "انسان کی شہادت" میں لکھتے ہیں:

قُرآنِ پاک علوم

اوّلین و آخرین

کا سرچشمہ ہے

" جس زمانہ میں یورپ بے علمی اور جہالت میں ڈوبا ہوا تھا اسلامی ہسپانیہ میں علم و فضل کا دورہ تھا اور وہاں کیمیائی تجربے کیے جا رہے تھے اور یہ ذہنی انقلاب تمام تر کتابِ اسلام (قرآن مجید) کی بدولت ظہور میں آیا۔"

دوامی معجزہ:

قرآن پاک میں پہلی ہی آیت اس امر کی مصدقہ دلیل ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ جاوداں اور دوامی ہے۔

دور جدید کے ایک ماہر شماریات راشد الخلیفہ، مصری قرآن مجید کے اعداد و شمار کی روشنی میں لکھتے ہیں کہ قرآن پاک میں عدد 19 کا جلوہ نظر آتا ہے۔ ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کا شمار کیا جائے تو 19 حروف بنتے ہیں۔ اس کے تمام الفاظ قرآن حکیم میں جتنی مرتبہ آئے ہیں۔ وہ 19 کا ہی حاصل ضرب قرار پاتے ہیں۔ اس آیت کے ہر لفظ کا استعمال قرآن مجید میں اس ترتیب سے ہوا ہے کہ ان کا شمار 19 ہی کا مرکب مضاعف بنتا ہے۔ آپ اس طرح سمجھ لیجیے کہ اس آیت کا پہلا لفظ " اسم " ہے۔ اس کا استعمال قرآن مجید میں 19 مرتبہ ہوا ہے۔ دوسرا لفظ " اللہ " ہے۔ یہ قرآن میں 2698 مرتبہ آیا ہے جو کہ 19 ہی کا حاصل ضرب ہے۔ 194124 ، 2698 تیسرا لفظ " الرحمن " ہے۔ اس کے علاوہ " الرحیم " آخری لفظ ہے جو کہ قران پاک میں 114 مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ یہ بھی 19 سے 6 کا حاصل ضرب ہے۔

سورہ قلم کی ابتدا "ن" سے ہوئی ہے۔ اگر اس سورہ میں "ن" کی تعداد شمار کی



جائے تو 133 بنتی ہے۔ یہ تعداد 19 ہی کا حاصل ضرب ہے۔ یعنی 133 = 7 × 19۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ حرف " ص " قرآن کی سورتوں (الاعراف، المریم، سورہ ص) کے ابتدائی حروف ہیں۔ اگر " ص " کا شمار ان متذکرہ سورتوں میں کیا جائے تو 152 بنتا ہے۔ یعنی 152 = 8 × 19 جو کہ 19 کا ہی حاصل ضرب ہے۔ اسی طرح حروف مقطعات 14 ہیں۔ یہ حروف 29 سورتوں کی بتداء میں 24 سیٹ بناتے ہیں۔ اگر ان اعداد کو جمع کریں (14+29+44 = 57 یعنی 57 = 3 × 19 جو کہ 19 کا ہی حاصل ضرب ہے۔ اسی طرح " ق " دو سورتوں (سورۃ ق اور سورۃ شوریٰ) میں حرف ابتدائیہ کی حیثیت سے آیا ہے۔ یہ حرف سورہ " ق " میں 57 مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ کیا اس ترکیب استعمال کو حادثاتی یا اتفاقی کہیں گے؟ ایک اور دلنشین عجوبہ دیکھیے اگر ہم دونوں سورتوں میں مشتمل " ق " کے حروف کو جمع کریں۔ 57 + 57 = 114 بنتے ہیں جو کہ 19 کا ہی حاصل ضرب ہے۔

معلوم ہے یہ کیا ہندسہ ہے؟ یہ تمام قرآنی سورتوں کا حاصل جمع ہے یعنی قرآن پاک میں 114 سورتیں ہیں۔ ایک اور طرح سے محیّر العقول اور روح پرور معاملہ پر غور کریں کہ حرف " ق " قرآن کا پہلا حرف ہے۔ پس " ق " سے جو سورتیں بنتی ہیں ان میں " ق " سے قرآن بنتا ہے۔ اس وجہ سے " ق " کی تعداد کی کھلی دلیل ہے۔ کہیے کیا اس عجوبہ ہم آہنگی کو بھی آپ اتفاق پر محمول کریں گے؟

قرآن حکیم کس طرح بھی بشری تحریر نہیں بلکہ صحیفہ آسمانی ہے اور ہر صورت میں دائمی و دوامی معجزہ ہے۔ جو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب ذوالجلال نے عطا فرمایا اور اس میں آج تک کسی حالات میں قطع برید نہیں ہوئی نہ ہونے کا امکان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کا خود محافظ ہے۔

قرآن اور اصحابِ رسول

مفتی گل احمد عتیقی

جو افراد سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستہ ہو گئے یا جو چیزیں آپ سے مس ہو گئیں وہ ذرہ ناچیز سے آفتاب ہو گئیں اسی لئے علماء و فقہا السنت کا یہ نظریہ اور عقیدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کے اندر کی وہ خاک پاک جو آپ کے مقدس جسم سے مس ہے اس کا رقبہ اور مرتبہ و مقام عرش عظیم سے بھی بلند و بالا ہے تو جب آپ سے تعلق کی وجہ سے ادنی سی سٹی عظیم المرتبت ہو گئی واضح ہے کہ جن لوگوں نے ایمان کی دولت کے ساتھ آپ کی زیارت کی یا آپ کی مجلس اختیار کی اور آپ کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے اور ان کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوا ہو ان کا مرتبہ و مقام ہمارے فہم و ادارک سے ماورا ہے انہی قدسی صفات، نامور اور جلیل القدر شخصیات کو اصحاب رسول کہا جاتا ہے جو شرف صحابیت سے مشرف ہیں آسان الفاظ اور انداز میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ نبوت کے بعد سب سے بلند رتبہ صحابیت ہی کا ہے اور جس طرح سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم افضل الرسل والانبیاء ہیں اس طرح آپ کے اصحاب افاضل اصحابہ ہیں لہذا انبیاء کے بعد آج تک نہ کوئی ہوا اور نہ ہی قیامت تک کوئی ہو گا لہذا ان سے عقیدت و محبت اور ان کے نشان راہ پر چلنا اکمل الایمان ہونے کی علامت ہے ان کے مرتبہ و مقام سے انکار، ان سے بغض و حسد اور عداوت درحقیقت قرآن و حدیث کی تصریحات کا انکار ہے اسی لئے وہ امور جن کی قرآن و حدیث میں وضاحت نہیں ان میں اصحاب رسول کی بات واجب الاتباع ہے۔

اصحاب رسول کے باہم مراتب ہیں اور یہاں ان کی تفصیل مقصود نہیں تاہم مراتب کے لحاظ سے اصحاب رسول کے بڑے بڑے تین گروہ ہیں (1) مہاجرین اولیں (2) انصار اولیں (3) جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے قرآن پاک نے ان تمام کی تعریف و تحسین فرماتے ہوئے انہیں کامیاب قرار دیا لہذا اس کی وضاحت کے لئے چند ارشادات خداوندی کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

تمام صحابہ کرام کامیاب ہیں۔

اور میری رحمت ہر شی کو شامل ہے تو عنقریب میں نعمتوں کو ان کے لئے لکھ دونگا جو ڈرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور وہ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں وہ جو اتباع کرینگے ایسے امی رسول نبی کی جسے لکھا ہوا پائینگے اپنے پاس تورات اور انجیل میں وہ رسول انہیں نیکی کا حکم دیگا اور برائی سے روکے گا اور پاکیزہ چیزیں ان کے لئے حلال کریگا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور اتاریگا ان سے وہ بوجھ اور پھندے جو ان پر تھے تو وہ اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا وہ وہی بامراد ہوئے۔

اس ارشاد ربانی میں نبی آخر زماں صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و منصب کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بتایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لا کر آپ کی تعظیم و توقیر اور مدد کرتے ہوئے قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوئے نیز اس ارشاد باری تعالیٰ میں بعد والے مسلمانوں کے لئے دعوت عمل ہے کہ اصحاب رسول کا راستہ ہی کامیابی کا راستہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ

تمام صحابہ عظیم المرتبت

اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی سچے ایمان والے ہیں ان کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی اور جو بعد کو ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا وہ بھی تم سے ہیں۔

ہجر کے لحاظ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے متعدد طبقے ہیں بعض وہ صحابہ ہیں جنہوں نے پہلی مرتبہ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی انہیں مہاجرین اولین کہا جاتا ہے اور بعض وہ ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی انہیں اصحاب ہجرت ثانیہ کہا جاتا ہے اور بعض وہ ہیں جنہوں نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور بعد میں مدینہ منورہ کی طرف انہیں اصحاب الہجرتین کہا جاتا ہے۔

پہلی آیت میں مہاجرین اولین اور دوسری آیت میں دیگر مہاجرین صحابہ کے عظمت مقام کو بیان کیا گیا ہے

تمام صحابہ جنتی اور بڑے کامیاب ہیں

ارشاد باری تعالیٰ لیکن رسول اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا اور انہیں کے لئے بھلائیاں ہیں اور یہی مراد کو پہنچے اللہ نے ان کے لئے بہشتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ہمیشہ ان میں رہینگے یہی بڑی کامیابی ہے۔

پہلی آیہ مبارکہ میں یہ بتایا کہ صحابہ کرام اللہ کی بارگاہ میں اپنی جان و مال کا نذرانہ پیش کرتے ہیں لہذا وہی فیع خیرات اور کامیاب ہیں اور دوسری آیہ میں یہ بھی بتایا گیا کہ صحابہ کرام کو اپنی خدمات کا بڑا صلہ ملا ہے وہ دائمی جنتی اور بڑے کامیاب ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ کی رضا کے لئے سب کچھ لٹا کر اپنے رب کو راضی کر لیا اور یہی مقصد زندگی اور بڑی کامیابی ہے۔

صحابہ کے انفاق فی سبیل اللہ اور خلوص کو خراج تحسین

ارشاد باری تعالیٰ اور کچھ گاؤں والے وہ ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو خرچ کریں۔ اسے اللہ کی نزدیکیوں اور رسول سے دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھیں خبردار یہی ان کے لئے باعث قرب ہے اللہ جلد انہیں اپنی رحمت میں داخل کریگا یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ارشاد باری میں صحابہ کرام کے انفاق کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے بتایا گیا کہ انفاق سے ان کا مقصد قرب الہی اور حضور علیہ اسلام کی دعائیں لینا ہے

اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی

ارشاد باری تعالیٰ اور سب اگلے پچھلے مہاجر و انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور ان کے لئے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں ہیں ہمیشہ ان میں رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے۔

اس آیہ میں صحابہ کرام کے تین گروہوں کا تذکرہ کیا گیا (1) مہاجرین اولیں (2) انصار اولیں (3) اور جو ان دونوں کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں اور ان تینوں کے بارے میں دو ٹوک الفاظ میں اعلان کیا گیا کہ یہ تمام کے تمام جنتی ہیں حضرت محمد بن کعب قرظی سے کسی نے پوچھا کہ حضور کے صحابہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے تو آپ نے فرمایا کہ بلا استثناء تمام کے تمام صحابہ جنتی ہیں اور بطور دلیل مذکورہ الصدر آیہ کو پیش کیا۔

صحابہ کرام کا اجر جزیل ہے

ارشاد باری تعالیٰ اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے جان و مال سے اللہ کی راہ

میں لڑے اللہ کے ہاں ان کا بڑا درجہ ہے اور وہی کامیاب ہیں ان کا رب ان کو خوشخبری سناتا ہے اپنی رحمت اور اپنی رضا کی اور ان باغوں کی جن میں انہیں دائمی نعمت ہے ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے یقیناً اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔ (3)

آیت بالا میں صحابہ کرام کے جانی ومالی ایثار کو بڑی اہمیت دیتے ہوئے اس ایثار کی وجہ سے انہیں عظیم المرتبت قرار دیتے ہوئے انہیں اپنی رحمت و رضا اور ہمیشہ جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہونے کی خوشخبری دی گئی۔

اللہ صحابہ پر بہت مہربان ہے

ارشاد باری تعالیٰ یقیناً اللہ کی نعمتیں متوجہ ہوئیں نبی پر اور ان مہاجرین و انصار پر جنہوں نے مشکل گھڑی میں اس نبی کا ساتھ دیا اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ان میں کچھ لوگوں کے دل پھر جائیں پھر ان پر رحمت سے متوجہ ہوا یقیناً وہ ان پر نہایت مہربان رحم والا ہے (4) اس آیت میں صحابہ کرام کی جرات وبہادری کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا گیا کہ اللہ ان پر بہت مہربان ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ: اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے گھر بار چھوڑے مظلوم ہو کر ہم دنیا میں انہیں اچھی جگہ دینگے اور یقیناً آخرت کا ثواب بہت بڑا ہے کس طرح لوگ جانتے ہیں اور وہ جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔

ان آیات میں بتایا گیا کہ صحابہ کرام جو صابر و متوکل ہیں انہیں اسلام لانے کی وجہ سے ظلماً اپنے گھر بار سے نکالا گیا دنیا و آخرت میں ان کا بہترین ٹھکانہ اور آخرت میں بھی ان کے لئے بہت بڑا ثواب ہے۔

صحابہ کرام نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں

ارشاد باری تعالیٰ

وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں قدرت دیں تو وہ نماز قائم رکھیں اور زکوۃ دیں اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں

اس سے ماقبل والی آیات میں بتایا گیا کہ صحابہ کرام چونکہ انتہائی مظلوم ہیں اس لئے انہیں کافروں کے ساتھ جہاد کی اجازت و حکم دیا جارہا ہے نیز یہ بھی بتایا گیا کہ ان مظلوموں کو ناحق اپنے گھر بار سے نکالا گیا ہے اور آیت مذکورہ بالا میں خلفاء راشدین کی خلافت کی خوشخبری دیتے ہوئے ان کے اقتدار میں آنے ،کاروبار حکومت چلانے اور کارگزاری سے پہلے ان کے خلوص اور حسن نیت کی وجہ سے ان کے کاموں پر انہیں خراج تحسین دی جارہی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ: صحابہ فاتح اور خوف سے مامون ہونگے۔

اللہ نے وعدہ دیا ان کو تو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ ضرور انہیں زمین پر خلافت دیگا جیسی ان سے پہلوں کو دی اور ضرور ان کے لئے پختہ کر دے گا ان کا وہ دین جو ان کے لئے پسند فرمایا اور ضرور ان کے اگلے خوف کو امن سے بدل دے گا وہ میری عبادت کریں میرا شریک کسی کو نہ ٹھہرائیں (3) ہجرت مدینہ کے بعد بھی کفار و مشرکین مسلمانوں کو ستاتے اکا دکا مسلمانوں کو بلاوجہ شہید کر ڈالتے ان کے مویشی بھی پکڑ کر لے جاتے تو ایک مرتبہ ظلم و ستم سے ستائے ہوئے کسی صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں یہ عرض کی کہ یا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ کبھی ہمیں ایسا وقت بھی میسر آئے گا کہ ہم ہتھیار اتار کر امن کے ساتھ رہیں تو آپ نے صحابہ کو تسلی دی تو اسی پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام سے تین وعدے فرمائے کہ آپ کے جان نثاروں کو زمین کے خلفاء بنا دیا جائے گا اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین اسلام کو غالب کیا جائے گا اور مسلمانوں کو اتنی طاقت رعب و دبدبہ دیا جائے گا کہ انہیں دشمنوں کا کوئی خوف نہیں رہے گا تو اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ اس طرح پورا فرمایا کہ حضور نبی کریم کے مبارک عہد میں ہی مکہ مکرمہ خیبر، بحرین، پورا جزیرہ عرب اور سارا یمن فتح ہوا مصر کے مجوسیوں اور شام کے بعض اطراف سے آپ نے جزیہ وصول فرمایا نیز شاہ روم ہرقل، شاہ مصر و اسکندریہ مقوقس، شاہان عمان اور شاہ حبشہ نجاشی نے آپ کی تعظیم و تکریم کرتے ہوئے آپ کی بارگاہ میں تحائف بھیجے پھر خلیفہ اول سید نا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اندرونی فتنوں کو دبانے کے بعد فارس، شام اور مصر کی طرف اسلامی لشکر روانہ کئے بصری و دمشق کے علاوہ بعض دیگر ممالک کے بعض حصے آپ کے دور خلافت میں مفتوح ہوئے پھر عہد فاروقی میں ملک شام مکمل تمام مصر اور ملک فارس کا بھی اکثر حصہ فتح ہوا اور قیصر و کسریٰ کا خاتمہ بھی آپ کے ہی دور خلافت میں ہوا اور پھر عہد عثمانی میں اسلامی فتوحات کا دائرہ مزید وسیع ہوا بلاد مغرب میں اندلس اور قبرص تک اور مشرق میں چین تک نیز عراق خراسان اور اہواز وغیرہ کے علاقے خلافت عثمانی میں ہی فتح ہوئے کتب تفاسیر میں ہے کہ نبی کریم کی یہ پیشن گوئی کہ مجھے تمام زمین کے مشارق و مغارب سمیٹ کر دکھائے گئے ہیں، عہد عثمانی میں ہی پوری ہوئی اور اسی طرح حضرت علی کے دور خلافت میں بھی فتوحات کا سلسلہ

صحابہ کرام کا تذکرہ
پہلی کتابوں میں
بھی موجود تھا

جاری رہا لہذا یہ آیہ مبارک حضور کی نبوت کی دلیل بھی ہے کیونکہ آیت میں درج پیشین گوئی بحرف بحرف پوری ہوئی۔

ارشاد باری تعالیٰ

صحابہ کا شوق شہادت اور ولولہ جہاد

اور مسلمانوں نے کافروں کے لشکر دیکھے تو پکار اٹھے یہ وہ ہیں جو ہمیں وعدہ دیا تھا اللہ اور اس کے رسول نے اور اس سے انہیں بڑھا مگر ایمان اور اللہ کی رضا پر راضی ہونا مسلمانوں میں کچھ وہ ہیں جنہوں نے سچ کر دیا جو عہد اللہ سے کیا تھا تو ان میں سے کوئی اپنی مدت پوری کر چکا اور کوئی راہ دیکھ رہا ہے اور ذرا بھر نہ بدلے۔

کچھ صحابہ کرام کو جنگ بدر میں شریک نہ ہوسکنے کا بڑا افسوس تھا اور انہوں نے جنگ احد میں شرکت فرما کر اپنے شوق شہادت کو پورا کر دکھایا آیات بالا میں ان کے شوق شہادت کو سراہا گیا ہے اور جنہیں شہادت نصیب نہ ہوئی وہ بڑے مایوس واپس لوٹے اس آیہ میں ان کے اس جذبہ کی داد دی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا کہ غزوہ احزاب میں دشمنوں کے بڑے بڑے لشکروں کو دیکھ کر بھی صحابہ بالکل نہیں گھبرائے اور عزم جہاد سے سرشار ہے۔

صلح حدیبیہ میں شامل صحابہ کی شان اور ان کا انعام

ارشاد باری تعالیٰ یقیناً اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ درخت کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے تو اللہ نے جانا جو ان کے دلوں میں ہے تو ان پر اطمینان اتارا اور انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا۔

اس آیہ میں اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ میں شریک صحابہ کرام کے جذبہ ایمان کی داد دیتے ہوئے انہیں مطمئن کیا اور انہیں مستقبل میں فتح کا مژدہ جانفزا

سنایا۔

ارشاد باری تعالیٰ

صحابہ کے لئے ایمان لازم قرار دے دیا گیا

تو اللہ نے اپنا اطمینان اپنے رسول اور مومنوں پر اتارا اور پرہیز گاری کا کلمہ ان پر لازم فرمایا اور وہ اس کے زیادہ حق دار اور اس کے زیادہ اہل ہیں اور اللہ سب کچھ جانتا ہے

اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان نثار صحابہ پر اللہ تعالی نے اطمینان اتارتے ہوئے پرہیز گاری اور ایمان کو ان کے لئے ضروری اور لازم قرار دیا ہے جس کا واضح مطلب ہے کہ ایمان صحابہ سے کسی حالت میں جدا نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی صحابہ کرام کلمہ ایمان کے حق دار اور اہل ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ

لیکن اللہ نے تمہارے لئے ایمان پیارا کر دیا اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا اور کفر اور حکم عدولی اور نافرمانی تمہارے لئے ناگوار کر دی ایسے ہی راہ پر ہیں (یہ سب کچھ) محض اللہ کا فضل واحسان ہے اور اللہ علم وحکمت والا ہے۔

اس ارشاد میں یہ بتایا گیا ہے کہ صحابہ کرام کے دلوں میں ایمان کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا ہے اور ایمان ان کے دلوں میں آراستہ اور مزین کر کے رکھ دیا گیا ہے ۔ حکم عدولی اور نافرنی کو ان کے قریب بھی نہیں بھٹکنے دیا کیونکہ وہ راشد ہیں اور رشد ایسی ثابت قدمی کو کہتے ہیں جس میں ایسی پختگی ہو کہ اس میں تذبذب کا شائبہ تک نہ ہو تو اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام ایسے راہ حق پر ہیں جس میں ذرا بھر شک وشبہ نہیں کیا جا سکتا۔

توریت وانجیل میں بھی صحابہ کے تذکرے وچرچے ہیں

ارشاد باری تعالیٰ:۔

محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل تو انہیں دیکھے رکوع کرتے سجدے میں گرتے اللہ کا فضل و رضا چاہتے ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے تو ان کی یہ صفت توریت میں ہے اور انجیل میں جیسے ایک کھیتی اس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے طاقت دی پھر موٹی ہوئی پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی کسانوں کو بھلی لگتی ہے تاکہ اس سے کافروں کے دل جلیں اس آیہ مبارکہ میں صحابہ کرام کی متعدد صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کافروں کے مقابلہ میں شیر دل ہو کر ان پر ٹوٹ پڑنے مسلمانوں کے ساتھ رحمت ودرفت سے پیش آنے اور شب وروز راکع و ساجد رہنے کا مقصد اللہ کے فضل ورضا کے لئے متلاشی رہنا ہے ان کے زہد وتقوی ایمان یہ چرچے صرف قرآن پاک تک ہی محدود نہیں؟ بلکہ توریت انجیل میں بھی ان کی عظیم الشان صفات کے تذکرے وچرچے موجود ہیں اور پھر ان اصحاب رسول کی مثال کھیتی کے پٹھے کی طرح ہے کہ جیسے پہلے کھیتی کا کمزور سا پٹھا اگتا ہے پھر اسے تقویت دیکر مضبوط کر دیا جاتا ہے حتی کہ وہ اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے اس طرح صحابہ کرام بھی ابتداً بے سروسامان تھے پھر ہجرت مدینہ کے بعد انکی قوت مجتمع ہو کر انہیں قوت ملی اور وہ بفضل اللہ طاقتور بن گئے اور فتح مکہ کے بعد اپنی طاقت کا لوہا منوا کر اپنی ننھی منی ریاست کا دفاع کرتے ہوئے اسے ایک عظیم طاقتور ملک میں بدل دیا اللہ تعالیٰ آج بھی مسلمانوں کو ان سا جذبہ عنایت کرے مسلمانوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عنایت کرے

○

عظمتِ انسان کا قرآنی تصوّر

سیّد محمد اقبال شاہ گیلانی

یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر ایک انسان پر کسی چیز کی عظمت وقدر آشکارا نہ ہو تو وہ کتنی گرانقدر اور عظیم المرتبت کیوں نہ ہو وہ اسے راستے پر بکھرے ہوئے خس وخوشاک جیسی وقعت واہمیت نہیں دیتا۔ جیسے ایک مجنون شخص کو آپ چمکتے دمکتے موتیوں کی مالا پیش کریں۔ تو وہ اسے توڑ کر ضائع کر دے گا۔ کیونکہ اس کی نظر میں ان کی کوئی قیمت وقدر نہیں ہے۔ یہی کیفیت انسان کی اپنی زندگی اور لمحات زندگی کے متعلق ہے۔ کچھ لوگ تو اپنی زندگی مستعار کو قدر وقیمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اپنے شب روز کے لمحے لمحے کو غنیمت سمجھتے ہیں اور متاعِ زیست کا کوئی لمحہ ضائع نہیں کرتے، مگر جو افراد اس احساس زیاں سے محروم ہوتے ہیں وہ اپنی زندگی کے ایام غفلت ولاپرواہی میں گزارے ہیں، نہ اپنی ذات کے لئے نفع بخش ہوتے ہیں اور نہ قوم وملت کے لئے نفع مند، بلکہ اپنے معاشرہ قوم کے لئے باعث شرمندگی وندامت ہوتے ہیں۔ شاید اس کی اصل وجہ ان کی جہالت ہو یا ان کی غفلت وعدم توجہی۔ ہم اس مختصر سے مضمون میں قرآن ،صاحب قرآن اور مفکرین اسلام کے ارشادات کی روشن میں انسان کی عظمت کا تصور پیش کریں گے۔

بہت سے فلاسفر ومفکرین اور ماہرین نفسیات نے انسان کے متعلق اپنے اپنے انداز میں نکتہ ہائے نظر پیش کئے ہیں۔ کسی نے اسے معاشرتی حیوان کہا اور کسی نے ایک دوسری چیز کی ارتقاء شکل کہا ہے مگر بقول حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری انسانی عظمت کا جو تصور قرآن کریم نے پیش کیا ہے دنیا کا کوئی فلسفی، نفسیات کا کوئی ماہر، عمرانیات کا کوئی استاد، طبیعات کا کوئی معلم اس کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا، قرآن نے عظمت انسان کا جو نظریہ پیش کیا ہے جس اس کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو باقی سب مدعیانِ دانش نادان بچوں کی طرح ٹامک ٹوئیاں مارتے نظر آتے ہیں۔"

عظمت انسان کا قرآنی تصور

قرآن حکیم میں ارشاد ہے

والتین والزیتون وطور سینین وھذا البلد الامین۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ ثم رددنہ اسفل سافلین۔ الاالذین اٰمنوو عملوا لصلحت فلھم اجر۔ غیر ممنون۔

ترجمہ:۔ قسم ہے انجیر اور زیتون کی اور قسم ہے طور سینا کی اور اس امن والے شہر (مکہ مکرمہ) کی بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے عقل وشکل کے اعتبار سے بہترین اعتدال پر۔ پھر ہم نے لوٹا دیا اس کو پست ترین حالت کی طرف بجزان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو ان کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔

جب انسان اپنی ہر ہر ادا اور ہر ہر حرکت کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری اور اس کے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں دے دیتا ہے تو اس کی ہر قوت اور ہر حس کو نئی جلا و روشنی ملتی ہے۔ اس کی فکر کا طائر مشکوٰۃ نبوت سے فیض حاصل کر کے رفعت سمٰوٰت سے بھی کہیں بلند محوِ پرواز ہوتا ہے اور نورِ الٰہی کی برکت سے اس کے دل کی نگاہیں روشن و منور ہوتی ہیں۔ پھر اس کے سامنے آسمان کی بلندی، زمین کا قرب و بعد، زمانے کی رفتار کوئی رکاوٹ نہیں رہتی، جیسے حدیث شریف میں ہے ایک دفعہ حضرت حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آقائے نامدار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

"اے حارثہ صبح کیسے کی، عرض کی حضورؐ! یقیناً اللہ تعالیٰ پر ایمان کامل کے ساتھ صبح کی۔ آپؐ نے پوچھا حارثہ سوچو کیا کہہ رہے ہو، ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے آپ کے ایمان کی حقیقت کی کیا دلیل ہے۔ عرض کی آقاؐ میں نے دنیا سے منہ موڑ کر اپنے آپ کو پہچانا ہے۔ پس میرے نزدیک دنیا کے پتھر، سونا، چاندی اور

صاحبِ قرآن نے
زندگی کے ہر شعبہ میں
خُدائی قانون کی
بالادستی قایم کی

مٹی کے ڈھیلے برابر ہیں۔ میں نے رات بیداری میں گزاری، دن پیاس کے ساتھ بسر کیا۔ یہاں تک کہ مجھے محسوس ہوا کہ میں اپنے رب کریم کا عرش دیکھ رہا ہوں نیز یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ اہلِ بہشت ایک دوسرے سے مل رہے ہیں اور اہلِ جہنم ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا "عرفت فالزم قالھا ثلاثا۔ اے حارثہ! تو نے پہچان لیا اس کو لازم پکڑ (یہی حقیقت ہے) آپؐ نے یہ الفاظ تین مرتبہ فرمائے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: عبدٌ نور اللہ قلبہ بالایمان۔ یہ ایسا بندہ ہے جس کا دل اللہ نے نورِ ایمان سے منور کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے میرے دوست سے دشمنی کی اس کے ساتھ میرا اعلانِ جنگ ہے۔ میرا بندہ جن اعمال سے زیادہ قرب حاصل کرتا ہے وہ اس پر میرے فرض کردہ احکامات میں، بندہ میرا قرب نوافل کے ذریعے حاصل کرتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جن کے ساتھ وہ سنتا ہے۔ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جن کے ساتھ وہ دیکھتا ہے اور میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن کے ساتھ وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن کے ساتھ وہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے کوئی سوال کرے گا تو میں ضرور اسے عطا کروں گا اور اگر وہ مجھ سے کسی مشکل میں پناہ مانگے گا تو اسے ضرور پناہ عطا کروں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں انسانی عظمت

قرآن کریم کی آیات بینات میں انسانی تخلیق کا ذکر بڑے دلنشین اور موثر انداز میں فرمایا گیا ہے کہ اشیاء کے موجد ہم ہیں۔ تمام چیزیں ہماری تخلیق ہیں مگر انسان ہماری تخلیق کا شاہکار ہے بلکہ شاہکارِ عظیم ہے جیسے ہم نے صورت کے اعتبار سے بھی اپنی تمام مخلوق سے ممتاز کیا ہے اور گوناگوں ممکنات و خصوصیات جو ہم نے اس کے باطن میں ودیعت کی ہیں ان کے لحاظ سے بھی اسے ایک بے مثل و بے مثال گوہر تابدار بنایا ہے۔

تفسیر ضیاء القرآن میں بحوالہ تفسیر قرطبی حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی سے احسن تقویم کا مفہوم یوں منقول ہے۔

"لیس للہ تعالیٰ خلق احسن من الانسان فان اللہ خلقہ حیاً عالماً قادراً مریداً متکلماً سمیعاً بصیراً مدبراً حکیماً۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان سے زیادہ خوبصورت کوئی چیز پیدا ہی نہیں کی، اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور ان عظیم صفات سے متصف فرمایا۔ حی، عالم، بااختیار، باارادہ، متکلم، شنوا، بینا، مدبر اور حکیم۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا۔ خلقتہ بیدی میں نے حضرت انسان کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا ہے یعنی میری تمام مخلوق میرے لفظ کن کی کرشمہ سازی ہے یعنی عرشی و فرشی، بحری و بری تمام مخلوق کو میں نے کن کہہ کر پیدا کیا ہے مگر حضرت انسان کو ہی میں نے یہ عزت و کرامت بخشی ہے کہ اسے اپنی قدرت کے دونوں ہاتھوں سے پیدا فرمایا ہے اس کا نورانی چہرہ میں نے خود سنوارا۔ اس کی عنبریں زلفیں خود سجائیں اور قد و قامت میں نے خود معتدل بنائی۔ مزید اسے فکری بلند، قلبی بصیرت اور روحانی طاقت میں نے خود اپنی مہربانی سے عطا فرمائی ہے۔ مطلب و خلاصہ یہ کہ کائنات کی جملہ رعنائیاں اور زیبائیاں اس کے پیکر دلربا میں سمیٹ کر رکھ دی ہیں۔

حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام قرآن کی نظر میں

علامہ سید شبیر احمد ہاشمی

یہ مئی 1983ء کا ذکر ہے کہ پتوکی ضلع قصور میں ایک شیعہ نوجوان قادیانی ہو گیا اس واقعہ سے خاصا اضطراب پھیلا پتوکی میں قادیانیوں کا لیڈر ایک شخص بشیر الحق نامی زرگر ہے۔ اس نے اس واقعہ کے بعد اپنی تبلیغی مہم تیز کر دی۔ گلیوں، بازاروں اور دوکانوں پر جا کر اپنے عقیدۂ باطلہ کی تبلیغ کرنے کا اس شخص کو حوصلہ ہو گیا چونکہ شیعہ نوجوان قادیانی ہوا تھا۔ اس لے شیعہ لوگوں میں قادیانیوں کے خلاف جذبات تیز ہو گئے۔ مگر یہ ایک عجیب واقعہ ہے کہ پتوکی میں شیعہ صاحبان نے دیو بندی حضرات سے اتحاد کر لیا اور کافر کافر شیعہ کافر کا نعرہ لگانے والے دیوبندی خطیب یعنی مولوی محمد منظور چنیوٹی شیعہ ذاکر محمد حسین ڈھکو کے ساتھ پتوکی میں ایک مشترکہ سٹیج پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میرے پاس بھی دونوں گروپوں کے اکابرین آئے اور اس مشترکہ کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی مگر میں نے اپنے دوستوں حاجی تنویر احمد ہاشمی، چوہدری محمد ارشد، صوفی محمد لطیف اور عزیز نوجوانوں مشتاق احمد علوی، غلام محمد ترنم اور سجاد فاروق اظہر سلمہم اللہ سے مشورہ کے بعد اس کھچڑی میں شامل ہونے سے انکار کر دیا اور جماعت اہلسنت کے مقامی صدر ان دنوں چوہدری محمد ارشد تھے ان کی صدارت میں پتوکی بلکہ عالم اسلام کی تاریخ میں پہلی مرتبہ قادیانیوں کے خلاف ایک انوکھے موضوع یعنی "حیات عیسیٰ علیہ السلام کانفرس" کا انعقاد کیا کیونکہ ان دنوں قادیانی اپنے اس خاص موضوع پر عوام کو گمراہ کر رہے تھے اس کانفرنس کا عنوان حیات مسیح کانفرنس تھا۔ اس میں مولانا عبدالستار خان نیازی، ملک محمد اکبر ساقی اور صاحبزادہ افتخار الحسن فیصل آبادی تشریف لائے میں نے بھی اس موضوع پر تیاری کی تھی اور ایک تقریر اس کانفرنس میں بھی کی۔ بعد میں بھی کئی جگہ اس موضوع پر گفتگو کا موقع ملتا رہا۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام پر تیاری کی زیادہ ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ قادیانی فتنہ کے خلاف اور بے شمار موضوعات موجود ہیں۔ خود قادیانی انجہانی کی زندگی اس کی شعبدہ بازیاں اور دیومالائی کہانیاں ہی اتنی ہیں کہ اس موضوع پر جانے کی ضرورت ہی نہیں رہتی مگر قادیانی مکاروں کا دام تذویر یہ بھی ہے کہ وہ مسلمان مبلغین کو قادیانی انجہانی کے بخیے ادھیڑنے سے ہٹانے کے لیے اس موضوع کو چھیڑ دیتے ہیں حالانکہ مسلمانوں اور قادیانیوں کا اولین اختلاف اس مسئلہ پر پیدا نہیں ہوا بلکہ مرزا غلام احمد قادیانی انجہانی کی جعلی نبوت انبیاء کو منہ بھر کر گالی دینے، طرح طرح کے کفر بکنے سے آغاز ہوا اس لیے وہ اصل موضوع سے بحث کا رخ بدلنے کے لیے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے رفع شریف کا مسئلہ چھیڑ دیتے ہیں۔ اس لیے میں نے بھی اس موضوع پر تیاری کی اور کئی جگہ اس کے بعد بھی علماء سے گفتگو کا موقع ملا ان دنوں چونکہ غزالی زماں امام اہلسنت حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی، نور اللہ مرقدہ اپنی ظاہری حیات میں جلوہ گر تھے۔ میں نے اس موضوع پر تیاری کے لیے آپ کے فیوض علمی سے بھی استفادہ کیا۔ مسئلہ اصل یہ ہے کہ انجہانی قادیانی نے مسئلہ یہ بیان کیا ہے کہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر موت طاری ہو گئی اور ان کی قبر معاذ اللہ کشمیر میں ہے اور اس نے یہ بھی کہا کہ عقلی طور پر عیسیٰ علیہ السلام کا جسم مبارک سمیت آسمانوں پر جانا عقلی اعتبار سے بھی ممکن نہیں۔ چنانچہ مرزا قادیانی کا کہنا ہے کہ

"کسی جسد عنصری کا آسمان پر جانا سراسر محال ہے اس لیے کہ ایک جسم عنصری طبقہ ناریہ اور کرہ زمہریہ سے کس طرح سالم گذر سکتا ہے۔ (ازالتہ للاوھام ص 7)"

اس واہی اور تخیلاتی بنیاد پر قادیانی نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کا انکار کیا ہے جبکہ قادیانی انجہانی کے اس باطل خیال کا رد تو سائنس اور فلسفہ نے بھی کر دیا ہے اور خود دین متین اور قرآن مبین نے ایسی کئی نظریں بیان کی ہیں مثلاً حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی دعا پر آسمان سے مائدہ اترنے کا واقعہ موجود ہے۔ سیدنا آدم علیہ السلام کا زمین پر اترنا بھی انہیں کروں سے ہوا ہے مگر قادیانی کی عقل پر پتھر پڑ گئے اس نے اس کی قدرت اور نبی علیہ السلام کے معجزے کا انکار کیا ہے جبکہ فلاسفہ جدید نے بھی اس کی عقل کا ماتم یہ تحقیق کر کے کر دیا ہے کہ "نور" کی قوت یہ ہے کہ ایک منٹ میں ایک کروڑ بیس لاکھ میل کی مسافت طے کرتا ہے۔ بجلی ایک منٹ میں پوری زمین کے گرد پانچ سو مرتبہ گھوم سکتی ہے۔ فلاسفر نے یہ بھی لکھا ہے کہ زمین کی سطح -20363636 فرسخ ہے اور اک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے۔ یوں زمین کی پیمائش اگر میلوں میں کی جائے تو زمین 61090908 یعنی چھ کروڑ دس لاکھ نوے ہزار نو سو آٹھ میل بنتی ہے اور اتنی لمبی چوڑی سطح کو بجلی ایک منٹ میں پانچ سو مرتبہ ماپ سکتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس اپنی معمول مخلوق کو اتنی قوت عطا فرما سکتی ہے کہ وہی ذات سب کی مالک کل اور مختار کل ہے تو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو کیوں نہیں آسمانوں پر لیجا سکتی۔ قادیانی کی عقل کا ماتم تو امریکہ کے نو پیدا ہوائی جہاز جو منٹوں سیکنڈوں کہاں سے کہاں جانے کے دعوے دار ہیں وہ بھی کر رہے ہیں۔ مگر اس کی بدبخت امت آج کے اس ترقی یافتہ اور شعور و خرد کے دور میں بھی اس کی عقل فاسد پر لعنت بھیجنے پر تیار نہیں ہے۔ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی پر مندرجہ بالا عقلی دلائل کے علاوہ ہمارا دینی ذخیرہ بھی بھرا پڑا ہے۔ قادیانی کی زندگی کے دو حصے ہیں وہ 1840ء میں پیدا ہوا مگر 1890ء جب اسے نام نہاد مسیح بننے کا ہیضہ ہوا اس وقت تک وہ بھی یہی عقیدہ بیان کرتا رہا ہے۔ اس کی تفصیل اور مستند حوالہ جات حضرت پروفیسر الیاس برنی مرحوم مغفور نے اپنی قادیانی شکن کتاب "قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ" میں بیان فرماتے ہیں جس کا جواب آج تک قادیانی امت نہیں دے سکی حضرت پروفیسر الیاس برنی مرحوم کے بارے میں اتنا سن لیں کہ وہ دکن حیدر آباد میں معاشیات کے پروفیسر تھے۔ امیرِ ملت پیر سید جماعت علی شاہ قدس سرہ سے نیازمندی تھی انہوں نے ایک محفل میلاد میں قادیانی امت کے خلاف ایک تقریر فرمائی تھی۔ اس کا جواب قادیانیوں نے شائع کیا تو جناب پروفیسر مرحوم نے قادیانی لٹریچر کا خوب مطالعہ فرما کر ایسی کتاب لکھ دی کہ آج تک اس امت ملعونہ سے اس کا جواب نہیں بن پڑا۔ حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی قدس سرہ سے میں نے عرض کیا تھا کہ قادیانیوں کے خلاف کتاب لکھیں تو حضرت نے فرمایا کہ پروفیسر لیاس برنی کی کتاب کے بعد اس موضوع پر کسی کتاب کی ضرورت نہیں۔ ان کے عاجزانہ الفاظ کچھ یوں تھے کہ میں اس سے اچھی کتاب نہیں لکھ سکتا غرضیکہ قادیانی انجہانی علیہ ما علیہ خود اس عقید کا علمبردار رہا ہے کہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمانوں پر اٹھا لے گئے ہیں مگر جب سامراج نے اس کو نام نہاد

مسیح بنادیا تواس نے اس متفقہ عقیدہ کا انکار کر دیا اس مسئلہ کو قرآن کی نظر میں دیکھنے سے قبل پوری امت کا عقیدہ ملاحظہ فرمالیں جو ہماری مستند کتب میں مرقوم ہے۔

بخاری کے مشہور و معروف شارح حضرت علامہ حافظ عسقلانی کا ارشاد ہے:۔

امارفع عیسیٰ تتفق اصحاب الاخبار والتفسیر علی رفعہ ببدنہ حیاً تلخیص الجبیر (ص۔ 319)

یعنی تمام مفسرین و محدثین کا متفقہ عقید ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بدن مبارک سمیت زندہ اٹھا لیے گئے۔ صاحب تفسیر بحرالمحیط کا ارشاد ہے۔

قال ابن عطیۃ واجمعیت لامۃ علی تضمینہ الحدیث المتواتر من ان عیسیٰ فی اسماء حی واللہ ینزل فی آخر الزمان

(ص۔473 ج2)

یعنی جس طرح کہ احادیث متواترہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں اور آخر زمانہ میں دنیا پر تشریف لائیں گے اس پر پوری امت کا اجتماع ہو گیا ہے۔ ایک اور جگہ ہے کہ

والاجماع علی انہ حی فی السماء ینزل ویقتل الرجا ویوید الدین

(تفسیر جامع البیان ص۔52)

یعنی اس پر اجماع ہے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں تشریف لائیں گے دجال کو قتل کریں نگے دین کی تاید فرمائیں گے امام ابوالحسن اشعر قدس سرہ کا ارشاد ہے کہ

واجمعت الامۃ علی ان اللہ عزوجل رفع عیسیٰ الی السماء

یعنی امت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ عز و جل نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی جانب اٹھالیا۔

الابانۃ عن اصول الاسیانیۃ

(ص۔46)

شیخ التوحید سیدنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی فیصلہ فرماتے ہیں کہ

لاخلاف فی انہ ینزل فی آخرالزمان

یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے آخر زمانہ میں اترنے میں کوئی اختلاف نہیں۔

(فتوحات مکیہ باب نمبر73)

عقائد کی معتبر ترین کتاب عقیدہ سفارینہ میں ہے کہ

فقد اجتمعت الامۃ علی نزولہ ولم یخالف فیہ احد من اہل الشریعۃ وانما انکر ذالک الفلاسفۃ والملاحدۃ ممن لایعتد بخلافہ وقد انعقد اجماع لامۃ علی انہ۔ ینزل ویحکم بھذہ الشریعۃ المحمدیہ ولیس ینزل بشریعۃ مستقلہ عند نزولہ من السماء ان کان النبوۃ قائمۃ بہ وھو متصف بھا۔

یعنی اس مسئلہ میں صرف بے دین اور ملحد فلاسفہ کے سوا کسی کو انکار نہیں کہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام شریعت محمدیہ کے ساتھ نازل ہونگے۔ اپنی مستقل شریعت ساتھ نہیں لائیں گے حالانکہ صفت نبوت ان کے ساتھ ہی ہوگی ایسے لادین لوگوں کے انکار کی کوئی اہمیت نہیں جبکہ اس مسئلہ پر پوری امت کا اجماع ہے۔

(شرح عقیدہ سفارانیہ ج2، ص90)

امت کے اس متفقہ مسئلہ پر قادیانی نے بھی ملاحدہ کی طرح انکار کیا اور بزعم خویش اپنے انکا۔ کو قرآنی دلائل سے پیش کرنے کی کوشش کی مگر اس میں بھی اس کی جہالت پھوٹ پڑتی ہے کہ اتنی امت کا متفقہ عقیدہ کیا قرآن کے خلاف ہوسکتا ہے

اور کیا پوری امت فہم قرآن سے خالی ہے اور صرف قادیان کا جاہل قرآن کا عالم ہے فاالی المشتکی قادیانی نے اپنے اس نظریہ باطلہ اور عقیدۂ فاسدہ کی حمایت میں قرآن پاک کی آیت کریمہ

اذقال اللہ یعیسے انی متوفیک ورافعک الی

(سورہ ال عمران پ-3، آیت54)

پیش کی ہے اور اس آیت مقدسہ سے لفظ متوفیک اس کی اصل بنیاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "اے عیسیٰ علیہ السلام میں تجھے موت دینے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔"

اس آیت میں اس لفظ سے موت کا معنیٰ قادیانی کی جاہل اور خسیس طبیعت نے اپنی طرف سے پیدا کیا ہے پورا قرآن اس کی تائد نہیں کرتا عربی زبان و دبیان قادیانی کے ساتھ نہیں ہے قرآن پاک کی تفسیر کے لیے تمام علوم معانی و بیان صرف و نحو لغت تفسیر و حدیث کا جاننا ضروری ہے۔ امت کے اکابر علماء صحابہ کے بعد تابعین تبع تابعین میں محدثین و مفسرین علیہم الرضوان نے قادیانی کے عقیدہ و فاسدہ کے خلاف قرآن کی تفسیر فرمائی ہے۔ مندرجہ بالا سطور میں ہی آپ

قادیانی کے تمام دلائل بودے اور تارِ عنکبوت ہیں

نے پوری امت کا عقیدہ ملاحظہ فرمایا ہے۔ ذیل میں آپ کی خدمت اس لفظ متوفی کی تفسیر پیش کرنے کی کوشش کرونگا تاکہ امت کی معتبر کتب سے اس آیت شریفہ کی حقیقی تفسیر سے آپ آگاہ ہو سکیں۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اہلِ نحو اور صرف اس بات پر متفق ہیں کہ عربی زبان میں ہر لفظ کا مادہ جس معنیٰ کے لیے موضوع ہوا ہے وہ لفظ ہی چلایا جاتا ہے۔ اس میں صیغوں کا بدلنا مجرد سے [illegible] یدفیہ بن جاتا اس کی اصلی معنوی بنیاد کے خلاف نہیں ہوتا۔ مثلاً لفظ محراب ہے یہ ظرمکان ہے اس کا معنیٰ ہے لڑنے کی جگہ اس کا مادہ ہے "حرب" مگر یہ لفظ اب مسجد کی ایک جگہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اس میں بھی اس لفظ کا حقیقی معنیٰ میں لڑائی کا لفظ موجود ہے کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں امام صاحب کھڑے ہو کر شیطان سے لڑائی کرتے ہیں بدی سے لڑائی اور نفس امارہ سے لڑائی کی جاتی ہے۔

گویا یہ لفظ اپنی حقیقی معنوی صورت میں موجود ہے اس طرح یہ لفظ متوفی، ہے اس کا مادہ وفا ہے جس کا معنیٰ موت نہیں ہے بلکہ پورا کرنا جیسا کہ قرآن پاک میں ہے کہ "اوفو بعھدی اوف بعھدکم" تم میرا وعدہ پورا کرو میں تمہارا وعدہ پورا کرونگا دوسری جگہ ہے "اوفوا الکیل اذا کلتم" یعنی جب ماپ کرو تو پورا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ نیک بندوں کی شان بتاوی ہے کہ وہو یوفون بالنذر "اپنی منت پوری کرتے ہیں ایک جگہ اور ہے کہ "اوفو باالعقود" کہ اپنے پیمان پورے کرو۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ "انما توفون اجورکم" یعنی قیامت کو تمہارے اجرر پورے کر دیئے جائینگے اس لیے یہ لفظ موت کے معنیٰ میں نہیں ہے حقیقی طور پر اس کو پورے

کرنے کے لیے معنیٰ کے لیے موضوع کیا گیا ہے۔ جہاں کہیں موت کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے وہاں کنایہ کے طور پر یا مجازی طور پر استعمال ہوا ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فوت ہو گیا مگر اس کے معنیٰ بھی یہی ہیں کہ اس کی عمر پوری ہو گئی۔ چنانچہ علماء لغت کا ارشاد ہے:

توفی المیت استیفاء مدتہ التی وفیت لہ۔ یعنی اس کی مدت حیات پوری ہو گئی۔ (لسان العرب ج-20، ص 280)

لغت عرب میں اس کا حقیقی معنیٰ موت کسی نے نہیں کیا چنانچہ علامہ زمخشری اساس البلاغۃ (-2، ص-304) علامہ زبیدی نے تاج العروس شرح قاموس (ج-10، ص 394) میں یہی لکھا ہے کہ موت کے معنی میں جہاں کہیں یہ لفظ آیا ہے مجازی ہے دیکھیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا۔

یعنی جب کی موت آ گئی اللہ تعالیٰ ان کی جان بھی کھینچ لیتا ہے اور جن کی موت نہیں آتی ان کی جان نیند کے وقت کھینچ لیتا ہے۔ (سورہ زمر آیت نمبر 24)

عیسیٰ علیہ السلام ازروئے قرآن و حدیث
اجماع صحابہ آسمانوں پر زندہ ہیں

اس آیت شریفہ میں موت اور نیند کا الگ الگ ذکر فرمایا گیا ہے اور نیند اور موت کو یتوفی الانفس سے ذکر کیا ہے یعنی یہاں بھی حقیقی معنیٰ پورا کرنا ہی ہے یعنی نیند کے وقت عارضی طور پر زندگی پوری ہوتی ہے اور موت پر حقیقی طور پر گویا توفی کا معنیٰ وہی ہوا استیفا اور استعمال ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ

وھو الذی یتوفکم باللیل۔

یعنی وہی ہے جو تمہیں رات کو پورا کر دیتا ہے یعنی تمہیں سلا دیتا ہے۔ (سورہ الانعام آیت-40)

قرآن پاک میں ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ

"حتیٰ یتوفھن الموت"

یہاں موت او وفات کو الگ الگ بیان فرمایا پورے قرآن پاک میں کہیں بھی موت اور فوت کو ہم معنیٰ یا نیند اور موت کو متضاد معنیٰ میں بیان نہیں کیا گیا۔ موت کا متضاد حیات ہے نہ کہ نیند اور نیند کا متضاد بیداری ہے نہ زندگی۔ توفی کا معنیٰ بھی نیند کا آتا ہے کبھی مجازی طور پر موت کا اس لیے آنجہانی مرزا قادیانی کا یہ کہنا کہ آیت مقدسہ انی متوفیک سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت مراد ہے اس کی جہالت ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جب ملعون یہودیوں نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کا پروگرام بنایا تو اس کو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے بھی محسوس فرمالیا جس کو قرآن نے

"فلما احس عیسیٰ منھم الکفر"

کے مبارک الفاظ سے بیان فرمایا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ سیدنا روح اللہ علیہ السلام سے پانچ وعدے فرماتے ہیں:

1- توفی 2- رفع الی السماء 3- کفار سے تطہیر 4- آپ کے خدام منکرین پر غالب آئیں گے 5- اختلافات کا فیصلہ کریں گے

پہلے وعدہ کا جہاں تک تعلق ہے یعنی توفی کا اس کا معنی موت صحابہ تابعین سلف و خلف یہ کیا ہے کہ آپ کی زندگی بھی باقی ہے جتنی زندگی آپ نے زمین پر گزارنی ہے اس سے چالیس سال باقی ہیں اس لیے وہ سرکار عیسیٰ علیہ السلام دنیا پر تشریف لائیں گے اور اپنی بقیہ عمر پوری فرمائیں گے اور اس کے بعد آپ کی موت واقع ہو گی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسم فاعل کا صیغہ استعمال فرمایا ہے کہ

"انی متوفیک"

یعنی آپ کی زندگی پوری کرنے والا ہوں اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے اس لیے کمی نہیں آ سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے وعدہ پورا نہ کرنا بھی عیب ہے اگر یہ معنی کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ اب اپنا یہ وعدہ پورا نہیں کرے گا تو یہ اللہ کی بے عیب ذات میں عیب نکالنے والی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی بد باطنی کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ

ومکروا ومکر اللہ

یعنی یہودیوں نے مکر کیا کہ حضرت سیدنا عیسیٰ کو شہید کریں۔ اللہ تعالیٰ نے مکر کا جواب دیا کہ آپ کو آسمانوں پر اٹھا لیا۔ اس آیت کی تفسیر میں امت کے نامور مفسرین نے یہی ارشاد فرمایا ہے چنانچہ اسی آیت کے تحت تفسیر کبیر (ج-2، ص-463)، ابن کثیر (ج-2، ص-229)، ابو السعود (ج-5، ص-135)، جلالین (ص-50)، درمنثور (ج-20، ص-11)، بیضاوی (ج-2، ص-11)، بحر المحیط (ج-7، ص-427)، السراج المنیر (ج-5، ص-215) وغیرھم میں یہی تفسیر کی گئی ہے مقصود باری اس میں یہ ہے کہ یہودیوں کی سازش اللہ تعالیٰ نے ناکام بنا دی اور اپنی قدرت سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھا لیا۔ ایک واقع قرآن میں اور بیان کیا گیا ہے وہ ہے سیدنا صالح علیہ السلام کی قوم کا واقعہ کہ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ صالح علیہ السلام اور ان کے خدام کو قتل کر دیں بعد میں ان کے ورثاء سے کہیں گے کہ ہم اس موقع پر موجود نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی صالح علیہ السلام کو بچانے کی تدبیر کی کہ ان پر ایک پتھر لڑھکتا ہوا آیا اس میں دب کر تمام دشمنان رسول علیہ السلام مر گئے۔ یہاں کی اللہ تعالیٰ کے الفاظ یہی یعنی "مکروا مکرا ومکرنا وھم لایشعرون" کے ہیں۔

زمین کی کُل لمبائی چھ کروڑ دس لاکھ نوّے ہزار نو صد آٹھ میل ہے اور بجلی ایک منٹ میں پانچ مرتبہ گھوم جاتی ہے

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے دوسرا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ "رافعک الی" یعنی آپ کو اپنی طرف اٹھا لوں گا اس میں ضمیر خطاب "ک" ہے۔ اس سے مراد آپ کو روح اور جسم دونوں کا اٹھانا ہے نہ کہ صرف روح کا اگر صرف روح کا اٹھانا مقصود ہوتا تو اللہ جل جلالہ ارشاد فرمایا تاکہ "رافع روحک" یعنی میں تیری روح کو اٹھاتا اور پھر روح تو ہر ایک کی اٹھتی ہے اس میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت کیا ہے باقی رہی۔ بلندی درجات کی بات تو وہ بھی ہر شی کی ہے پھر اس خاص ارشاد فرمانے کا کوئی محل نہیں رہتا۔ اس آیت شریفہ کی تفسیر میں مفسرین نے حضرت

باقی صـ105 پر

تاریخ تفسیر قرآن

شیخ الحدیث مولانا فیض احمد اویسی

بسم الرحمن الرحیم ○ الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

لغوی معنی

لفظ تفسیر باب تفصیل کا مصدر سر سے ماخوذ و مشتق ہے جس کے معنی بیان اور کشف کے ہیں۔ قیل ھو مقلوب السفر یقال السفر الصبح اذا اضاء وقیل ماخوذ من التفسیرۃ وھی اسم لما یصرن بہ الطبیب المرض۔ (لقمان 172/2)

بعض نے کہا کہ یہ السفر کا مقلوب سے کہا جاتا ہے اسفر الصبح صبح روشن ہو گئی بعض نے کہا یہ التفسرۃ ہے ماخوذ وہ الہ جس سے طبیب (ڈاکٹر) مرض معلوم کرے۔

اصطلاحی معنی:

امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ الاتقان میں لکھتے ہیں کہ

"علامہ اصبہانی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تفسیر اصطلاح علماء میں قرآن کریم کے معنی اور اس کی مراد واضح اور بیان کرنے کو کہتے ہیں خواہ باعتبار حل الفاظ حل مشکلہ ہو یا غیر مشکلہ ہو باعتبار معنی ظاہر ہو یا باعتبار معنی خفی اور تادیل کلام تمام اور جملوں کے مفہوم کے تعین کو کہتے ہیں۔

اقسام التفسیر:

مفسرین کرام نے تفسیر کو چار قسم پر منقسم فرمایا ہے:

1۔ تفسیر القرآن بالقرآن

2۔ تفسیر القرآن بالحدیث

3۔ تفسیر باقوال الصحابہ

4۔ تفسیر القرآن بالغتہ والقواعد لعربیہ ان کے درجات میں الاول فالاول کا اعتبار ہے۔

تاریخ التفسیر:

اصل شارح قرآن اور مفسر وحی الہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے ان کے بعد طبقات مفسرین میں سب سے اعلیٰ طبقہ حضرات صحابہ کا ہے اس لیے کہ امت میں یہی حضرات قران کریم کے سب سے پہلے مخاطب ہیں۔ ان کے سامنے جبریل امین تازہ بتازہ کلام الہی لے کر اترتے تھے اور انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان حضرات کو پڑھاتے اور اس کے مقاصد مطالب سمجھاتے تو ظاہر ہے کہ ان سے زیادہ مضامین قرآن کا جاننے اور سمجھنے والا کون ہو سکتا ہے۔ ہر کلام کی حقیقی اور کامل مراد متکلم اور پھر مخاطب ہی سمجھا کرتا ہے۔ اس لیے بالعموم تمام صحابہ اس طبقہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض صحبت سے ان کے قلوب منور تھے اور یہ استعداد قابلیت پیدا ہو گئی تھی کہ امور غامصنہ اور قرآن کے اسرار و لطائف سمجھ سکیں اور سمجھا سکیں گر اس صف میں مشترک ہونے کے بعد باہم حضراتِ صحابہ کے اذہان اور قابلیتیں متفاوت اور گوناگوں تھیں۔ اس بنا پر تلاش اور تتبع سے یہ بات ظاہر ہے کہ طبقۂ صحابہ میں دس حضرات تمام صحابہ پر اس شان اور وصف تفسیر میں ممتاز نمایاں اور دوسروں سے فائق تھے۔

خلفاء اربعہ ابو بکر صدیقؓ، عمر بن الخطابؓ، عثمانؓ بن عفان، علیؓ بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، ابو موسی الاشعریؓ، عبداللہ بن الزبیرؓ، خلفاء راشدین میں تفسیری روایات حضرت علیؓ سے کثرت کے ساتھ منقول ہیں۔ دوسرے حضرات ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ سے روایاتِ تفسیر بہ نسبت حضرت علیؓ کے کم منقول ہیں۔

خلفاء راشدین کے بعد ان دس حضرات میں سب سے فائق ترجمان القرآن حبر الامہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ان کو فائق ہونا ہی چاہیے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا پر آپ کے حق میں "اللھم علمہ الکتاب والحکمتہ التاویل" علوم قرآن کے فہم میں سب سے فائق ہونے کی ایک کھلی ہوئی شہادت اور ضمانت ہے۔ خود ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے ہی ارشاد فرمایا" نعم ترجمان القرآن انت"

اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں" لوضاع لی عقال بعیر لوجدتہ فی القرآن" ان کے تفصیلی فضائل اتقان میں دیکھیے۔

ابن عباسؓ کی طرف تفسیر کے متعدد مجموعے منسوب ہیں۔ تمام اسانید میں زائد معتبر سند تفاسیر ابن عباس کے لیے علی بن ابی طلحتہ الہاشی کی ہے۔ احمد بن حنبل سے منقول ہے کہ ان کی سند سے ایک صحیفہ مصر میں موجود تھا۔ حافظ ابن حجر بیان کرتے ہیں کہ نسخہ مصر میں ابو صالح کاتب الیث محدث کے پاس تھا جس کو حضرت ابن عباسؓ کی تفاسیر کا مجموعہ ابو طاہر بن یعقوب فیروز آبادی شافعی متوفی 817 ھ کی تنویر المقیاس میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بعد مفسرین صحابہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کا درجہ ہے۔ ابنِ مسعودؓ کے شرف فضل کے لیے یہ صرف کافی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چار حضراتِ صحابہ سے علوم قرآن سیکھنے کے لیے ارشاد فرمایا ان میں سب سے مقدم ابن مسعود ہیں۔ تفسیری روایات کا عدد حضرت علیؓ کی روایات سے بھی زائد ہے۔ ان کے بعد ابی بن کعبؓ، زید بن ثابت، ابو موسی، شعری اور عبداللہ بن الزبیرؓ کا درجہ ہے۔ شیخ سیوطی فرماتے ہیں۔ ابی بن کعبؓ سے تفسیر میں ایک بڑا مجموعہ سند صحیح سے ثابت ہے جس کو ابو جعفر الرازی بروایت ربیع بن انس ابو العالیہ سے نقل کرتے ہیں۔ ابن جریر اور ابن ابی حات نے اس میں بہت سا ذخیرہ روایت کیا ہے اور اسی طرح حاکم نے مستدرک میں اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں بھی ابی بن کعبؓ کی روایات تحریر کی ہیں۔

ان حضرات صحابہؓ کے علاوہ دوسرے صحابہؓ سے بھی روایات تفسیر منقول ہیں لیکن ان کی تعداد نہایت قلیل ہے۔ جیسے انس بن مالک و ابو ہریرہ، جابر، عبداللہ عمرو بن عبداللہ عمرؓ۔

ابن مسعود اور ان کے تلامذہ

کوفہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کی کثیر جماعت تھی اور اہل مدینہ میں بھی ایک جماعت حضرات صحابہ کے شاگردوں میں سے مفسرین کی تھی جیسے زید بن اسلم جن سے ان کے بیٹے عبدالرحمن بن زید اور انس بن مالک روایات کرتے ہیں۔ حسن بصری، عطاء بن ابی سلمہ خراسانی، محمد بن کعب قرظی، ابو العالیہ ضحاک بن مزاحم، عطیتہ عوفی اور قتادہ یہ تمام حضرات علم تفسیر کے امام تھے اور جو کچھ کہتے

تھے وہ حضرات صحابہ سے سنا ہوا تھا۔ اور ان تمام ائمہ کے درمیان سب سے فائق فن تفسیر میں مجاہد ہیں۔ فضل بن میمون سے منقول ہے کہ میں نے مجاہد کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ابن عباس کے روبرو قرآن کریم کو تیس بار پیش کیا جس میں ہر آیت کی مراد اس کا شان نزول اور یہ کہ وہ کب نازل ہوئی دریافت کرتا تھا۔

دور تبع تابعین صدی نمبر 3

الاتقان فی علوم القرآن میں ہے کہ اس طبقہ میں باضابطہ کتب تفسیر کی تصنیف کا دور شروع ہوا اور اس طبقہ کے مفسرین نے متقدمین، تابعین اور صحابہ کے اقوال اور روایات جمع کرکے قرآن کریم کی تفسیروں کی تصنیف شروع کی اور اس دور میں بکثرت تفسیریں لکھی گئیں۔

مثلاً تفسیر سفیان بن عینیہ، تفسیر وکیع بن الجراح، تفسیر شعبہ بن الحجاج، تفسیر یزید بن ہارون، تفسیر عبدالرزاق، تفسیر آدم بن ابی ایاس، تفسیر اسحاق بن راہویہ، تفسیر روح بن عبادہ، تفسیر عبد بن حمید، تفسیر سعید، تفسیر ابو بکر بن ابی شعبہ، اسی طبقہ میں ابن جریج، سدی ابن قیتبہ اور ابو محمد عبداللہ بن مسلم دینوری صاحب مشکل القرآن وغریب القرآن ہیں۔

چوتھی صدی

گذشتہ میں بعض روایات ضعیفہ و منکرہ علم التفسیر میں درج ہو گئیں۔ اسی لیے صدی چہارم کے مصنفین نے تنقیح و تنقید کے درپے ہوئے اور احکام و مسائل کا استنباط بھی کیا لیکن ان سب کو وہ معیار حاصل نہ ہو سکا جو امام بخاری و امام مسلم نے اپنی صحیحین کے لیے اختیار فرمایا:

ام التفاسیر

اسی صدی میں امام طبری المتوفی 310ھ کی تفسیر ابن جریر معرض وجود میں آئی اور ایسی جامع کہ اس نے ام التفاسیر کا لقب پایا۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تفسیر کی بہت تعریف فرمائی ہے۔ ہر دور اور ہر طبقہ کے ائمہ مفسرین نے ابن جریر کی (تفسیر) کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابنِ جریر کی کتاب تفسیر میں ایسی بے مثال ہے کہ کسی نے ایسی کتاب نہیں تصنیف کی۔ روایات تفسیر کا پورے طور پر استیعاب کیا ہے۔

ازالۂ وہم

ابن جریر طبری نامی ایک اور شخص گزرا ہے جو فرقہ کرامیہ اور شیعہ سے تعلق رکھتا تھا۔ نام کے اشتراک سے شعبہ دھوکہ دیتے ہیں۔ اسی طبقہ میں ابن ابی حاتم، ابن ماجہ، حاکم، ابن حبان، ابن مردویہ، ابوالشیخ، ابن المنذر اور احمد بن داؤد نحوی دینوری ہیں۔ اور ان اماموں نے تفسیر میں متعدد مجموعے تصنیف کیے۔ مثلاً شفاء الصدور کتاب الاشارات لابن ابی حاتم متوفی 305ھ اور تفسیر ابواب القرآن بھی اسی دور کی تصنیف ہے۔

پانچویں صدی

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ الاتقان میں لکھتے ہیں کہ اس صدی میں بہت سے مفسرین گذرے ہیں جنھوں نے اپنی تفاسیر میں اسناد حذف کرکے صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہ کی طرف اقوال تفسیری منسوب فرمائے ہیں۔

امام جوینی رحمۃ اللہ علیہ 438ھ اور امام قشیری المتوفی 465ھ ابوالحسن واحدی المتوفی 468ھ اس میں نمایاں ہیں اس دور میں بعض غیر معتبر تفاسیر معرض میں آئیں۔

چھٹی صدی

اس صدی سے پہلے کے مفسرین متقدمین اور اس صدی اور اس کے بعد کے مفسرین کو متاخرین کہا جاتا ہے۔ اس صدی میں تفسیر کا سن وار مرتب ہوا متقدمین نے اپنی تصانیف میں روایات و آثار ہی کو جمع کرنے کا زائد لحاظ رکھا تھا۔ ان کے بعد چھٹے طبقہ کے ائمہ نے مختلف حیثیات کے پیش نظر تفسیر قرآن کی جانب توجہ کی۔ کسی نے اپنا مطمع نظر علوم صرف و نحو اور قواعد عربیہ کو بنا کر تفسیر کی جیسے شیخ نورالدین، ابوالحسن علی بن علی باقولی متوفی 543ھ۔ انھوں نے کتاب الکشف تصنیف کی۔ کسی فقہی مسائل اور احکام کے استنباط اور ان کی تائید و توثیق کے مد نظر رکھتے ہوئے تفسیر کی۔ کسی نے متکلمانہ اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے فلاسفہ کے مسائل کا رد کیا۔ عارفین و صوفیہ کے سلوک و تصوف کے نکات ولطائف ہی کو مقصد ٹھہرایا۔ کسی نے مفردات قرآن کی تحقیق کو اپنی تصنیف کا مقصد قرار دیا۔ جیسے امام راغب اصفہانی کی کتاب مفردات اور کسی نے فصاحت و بلاغت کے قواعد کے ماتحت اعجاز قرآن اور اس کے متعلق لطائف کو اپنی تفسیر میں جمع کیا۔ جیسے امام ابوالقاسم محمد بن عمر زمخشری متوفی 538ھ کی تفسیر کشاف انھی کو جار اللہ زمخشری بھی کہتے ہیں۔ اصول عربیہ میں یہ تفسی[ر] تمام متاخرین کے لیے بنیاد ہے۔ سب انہیں کا اتباع کرتے ہیں۔ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں خصوصیت کے ساتھ لطائف عربیہ اور نات بلاغت تفسیر کشاف ہی سے لیتے ہیں۔ علامہ زمخشری حنفی المسلک لیکن اعتزال کی جانب مائل تھے۔ اس وجہ سے بہت سی باتیں ان کی تفسیر میں مسلک اعتزال میں آگئیں۔ اس طبقہ میں امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 505ھ ہیں۔ جواہر القرآن اور یاقوت التاویل امام رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں ہیں۔

حنفی تفاسیر:

احناف نے بھی فن تفسیر میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اس طبقہ تک بکثرت احناف کی تفاسیر کے اسماء آتے ہیں۔ فقیر نے اپنی تصنیف "الاسعاف فی تفسیر الاحناف" میں درج کیا ہے یاد رہے تفسیر معالم التنزیل امام بغوی شافعی کی تفسیر اس دور کی تصیف مشہور و معروف ہے (البیان)

ساتویں صدی:

اس صدی میں سیدنا غریب نواز معین الدین اجمیری چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معاصر امام فخر الدین رحمۃ اللہ علی رازی ہیں۔ جن کی تفسیر "مفاتیح الغیب" معروف بہ تفسیر کبیر" علوم عقلیہ و معارف و حلم کا ایک عظیم الشان ذخیرہ اور بہترین خزانہ ہے۔ لطائف و اسرار کلام اللہ اور اصول دین کی تحقیق ہیں۔ ایسی تفسر امت میں شاید کسی نے تصنیف نہ کی ہو۔ فلاسفہ اور ملحدین کا رد دلائل عقلیہ اور اصول کلام سے خوب کیا ہے۔ اثبات ربوبیت والوہیت کے نادر اور گراں قدر مباحث ہیں کہ ان کی برتری اور اظہار عظمت کے لیے بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ امام رحمۃ اللہ علیہ کا امت مسلمہ پر یہ ایک ایسا احسان ہے کہ جس کا بدلہ صرف حق تعالیٰ کی رحمتیں ہی ادا کر سکتی ہیں۔

فلاسفہ کے رد میں بعض ضمنی مسائل اور مباحث سے لوگوں کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ امور تفسیر سے خارج ہیں اس لیے اس طرز پر نکتہ چینی اور کتاب کی عظمت پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ فیہ کل شئی الا التفسیر یعنی تفسیر کبیر میں سب چیز ہے

سوائے تفسیر کلام اللہ کے یہ اعتراض نفی ہے اسے اس کے بلند ترین مرتبہ سے گرانا ہے۔ حق یہ ہے کہ اسلام میں اس جیسی بہترین تفسیر کالعنقاء ہے۔

اسی طبقہ میں امام محمد بن ابی بکر رازی متوفی 706ھ بھی ہیں۔ جن کی تفسیر لغات قرآن کے موضوع پر ہے۔ قاضی ناصر الدین بیضاوی متوفی 685ھ اس طبقہ کے بے نظیر امام اور محقق ہیں۔ ان کی تفسیر انوار التنزیل و اسرار التاویل، جو بالعموم تفسیر بیضاوی کے نام سے معروف ہے نہایت نافع اور جامع تفسیر ہے۔ اس کے فوائد اولطائف احاطۂ بیان سے خارج ہیں۔ عنوان کے اعتبار سے بظاہر ایک کتاب ہے لیکن درحقیقت یہ بہت سی عظیم الشان تفسیر کا لباب اور جوہر ہے۔ اس کی تیس سے زائد شروع و حواشی لگے گئے۔ درس نظامی اور فاضل عربی کے کورس میں شامل کورس میں شمولیت کے بعد ان گنت حواشی سے محشی ہوئی اور ہو رہی ہے۔

آٹھویں صدی:

امام ابوالبکات عبداللہ بن احمد محمود نسفی 710ھ جو حنفی المسلک تھے۔ اور اصول فقہ میں اس دور کے یکتا امام اور محقق شمار ہوتے تھے۔ ان کی تفسیر "مدارک" ہے۔ اگرچہ مختصر ہے لیکن نہایت مفید اور عمدہ تفسیر ہے۔ اسی طبقہ میں ابوالفداء عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ ہیں جو ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے عنوان سے علماء کے درمیان مشہور و معروف ہے۔ شافعی المسلک لیکن ابن ضمیمہ کے شاگردوں اور مقلدوں میں سے ہے۔ ان کی تفسیر ابن جریر کی تفسیر کا خلاصہ ہے۔ عوام کو دھوکہ دے کر یہ تفسیر اہلِ سنت کی تفسیر ظاہر کر کے دیوبندی، وہابی وغیرہ اپنا مقصد پورا کر لیتے ہیں۔

امام شرف الدین حسن بن محمد جو علامہ طیبی کے عنوان سے مشہور ہیں۔ اسی طبقہ کے علماء میں سے ہیں۔ ان کی ایک تفسیر "فتوح الغیب عن قناع الریب" نہایت عمدہ اور نافع تفسیر ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کا کشاف پر چھ جلدوں میں ایک حاشیہ ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح کی بے مثال شرح بھی انہی کی ہے۔ صاحب مشکوٰۃ شیخ ولی الدین عراقی کے استاد شیخ ہیں۔ اس دور کے آخری علماء میں علامہ سعد الدین تفتازانی مشہور و معروف امام ہیں۔

نویں صدی:

نویں صدی اور اس کے بعد کے ائمہ اور مفسرین ہیں جن میں خصوصیت کے ساتھ شیخ جلال الدین محلی شافی متوفی 864ھ اپنے فضل و کمال کے باعث ممتاز اور فائق ہیں۔ جلالین شریف کے آخری حصہ سورۂ اسراء سے ختم قرآن تک انہی کا ہے۔ عمر نے وفا نہ کی اس لیے تکمیل نہ فرما سکے جس کی تکمیل امام سیوطی نے کی۔ اس طبقہ میں ملا مخدوم مہائمی متوفی 835ھ ہیں جن کی تفسیر تبصیر الرحمٰن نہایت ہی عجیب و غریب ہے۔ نہایت ہی لطیف انداز میں ربط آیات و سورہ کا التزام کیا ہے اور صوفیانہ معارف و لطائف بھی بکثرت ہیں۔ قرآن کریم کی معجزانہ شان کے لیے ایک آئینہ ہے۔ مشہور ہے کہ انہوں نے روحانی طور پر حضرت خضر علیہ السلام سے علوم حاصل کیے جو اسرار تکوینیہ کی تفہیم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے معلم بنائے گئے تھے۔ شیخ محلی کے بعد شیخ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ نے اسی طرز پر حصہ اول کی تفسیر کر کے تفسیرِ قرآن مکمل کر دی۔ اسی وجہ سے یہ کتاب تفسیر جلالین کے نام سے مشہور ہے۔ نہایت اختصار بلکہ چند الفاظ اور کلمات ہی سے آیات کی تفسیر کی گئی۔ اپنے اس طرز میں یہ کتاب بے نظیر تفسیر ہے۔

اسی طبقہ میں شیخ عبدالرحمٰن ابن عمر بلقینی اور ابوالسعود محمد بن عمادی حنفی متوفی 982ھ ہیں جن کی تفسیر اپنی شانِ افادیت میں تفسیر کشاف اور بیضاوی کے قریب اور ہم پلہ شمار ہوتی ہے۔

اور ملا حسین واعظ کاشفی صاحب تفسیر حسینی و جواہر القرآن متوفی 910ھ اور عصام الدین ابراہیم بن عرب شاہ اسفرائینی منسوب بہ اسفرائن ایک شہر ہے۔ نیشاپور کے حدود میں متوفی 943ھ اور ملا فتح اللہ شیرازی صاحب تفسیر مشہور بتکلیف عادل شاہ شیراز سے دکن آئے وہاں سے اکبر بادشاہ کی خواہش پر فتح پور سیکری میں مقیم ہوئے۔ عبدالرحیم خانخاناں اور حکیم ابوالفتح نے استقبال کیا اور اکبر بادشہ کے دربار میں لائے گئے۔ منصب صدارت پر فائز ہوئے۔ کوہِ سلیمان واقع کشمیر 997ھ میں وفات پائی۔ شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی محشی بیضادی از اولاد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ گجرات دکن میں سکونت پذیر تھے۔ المتوفی 998ھ اسی طبقہ کے ہیں۔ ملا گجراتی کے شاگرد اور داماد قاضی ضیاء الدین نیوتنبی تھے۔ ان کے شاگرد سید جمال اولیاء تھے اور سید جمال اولیاء کے شاگرد لالطف اللہ تھے۔

دسویں صدی:

اس صدی میں تفسیری خدمات امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی ہیں۔ حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی 911ھ کی فن تفسیر میں متعدد تصانیف ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ الدار المنثور فی التفسیر بالماثور 2۔ التفسیر المسند الموسوم بہ ترجمان القرآن، یہ پانچ جلدوں میں ہے۔ 3۔ الاتقان فی علوم القران 4۔ الاکلیل فی استباط التنزیل 5۔ لباب النقول فی اسباب النزول 6۔ الناسخ والمنسوخ فی القرآن 7۔ مضمات القرآن فی مبہمات القرآن 8۔ اسرار التنزیل الموسوم بہ قطف الازہار فی کشف الاسرار یہ حرف آخر سورہ اسراء تک ہے۔ 9۔ تناسخ الدار فی تناسب السور۔ 10۔ نواہد الابکار و شواد و الافکار یہ تفیر بیضادی کی شرح ہے پانچ جلدوں میں ہے۔ 11۔ التجیر فی علوم التفسیر۔ 12۔ معترک القرآن فی مشترک القرآن۔ 13۔ المہذب فی ماوقع عن القرآن من المعرب 14۔ خمائل الزہر فی فضائل السور، 15۔ مراصد المطالع فی تناسب المطالع والمقاطع۔ 16۔ متران المعدلہ فی شان البسملہ۔ 17۔ شرح الاستغاذہ و البسملہ۔ 18۔ الازہار الفائحہ علی الفاتحہ۔ 19۔ متشابہ القرآن۔ 20۔ فتح الجلیل لعبد الذلیل فی قولہ تعالیٰ، اللہ ولی الذین آمنو یخرجھم من الظلمات الی النور۔ (الایتہ) امیں فن بدیع کی ایک سو بیس 120 انواع کا بیان ہے۔ 21۔ البید البسطی فی تعیین الصلوٰۃ الوسطیٰ 22۔ المعانی الاقیقہ فی ادراک الحقیقیہ۔ یہ یت و علّم آد الاسماء تشریح و تفسیر ہے۔ 23۔ دفع التعسف عن اخوۃ یوسف 24۔ اتمام النعمتہ فی اختصاص الاسلام بہذہ الامتہ 25۔ الحبلالوثیق فی بفرۃ بصدیق یہ آیت واسبع علیک نعمتہ ظاہرۃ و باطنتہ کی تفسیر ہے۔ 26۔ المحرفی قولہ تعالیٰ لیغفر لک اللہ ما تقدم وما تأخر 27۔ مفاتح الغیب یہ شروع سے آخر قرآن تک کی تفسیر ہے۔ 28۔ میدان الفرسان فی شواہد القرآن یہ بھی مکمل نہیں ہو سکی۔ 29۔ مجاز الفرسان فی مجاز القرآن یہ شیخ عزیز الدین بن عبدالسلام کی کتاب والایجاز، کی تلخیص ہے لیکن نا مکمل۔ 30۔ شرح الشاطبیہ 31۔ الدار النشیر فی قرآۃ ابن کثیر 32۔ منتقی من تفسیر الفریانی 33۔ منتقی من تفسیر ابن ابی حاتم 34۔ القول الفصیح فی تعیین الذبیح 35۔ الکلام علی اوّل سورۃ الفتح یہ ایک مقدمہ ہے۔ 36۔ المتوکلی (شرح عجالہ نافعتہ 165/166)

گیارھویں صدی:

شیخ ابو الفیض فیضی بن ملا مبارک ناگوری المتوفی 1004ھ نے تفسیر سواطع الالہام، عربی غیر منقوط لکھی۔ اس کے صلہ میں اکبر بادشاہ نے دو ہزار روپیہ دیا۔ (تذکرہ علماء ص 77) اس کے مقابلہ میں منقوط تفسیر فیض بنی خوب ہے ایشیخ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی قدس سرہ المتوفی 1069ھ کی تفسیر، عنایہ القاضی و کفایۃ الراضی، حاشیہ تفسیر بیضاوی، عمدہ تفسیر ہے۔ ایک قبیلہ کی طرف منسوب ہے۔ عوام بالضم پڑھتے ہیں۔ (شرح عجالہ نافعہ)

بارہویں صدی:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1197ھ نے ایک مختصر اور نئی تفسیر تالیف کی۔ الموسوم فتح الخبیر بمالابد من حفظہ علم التفسیر، اس مختصر تفسیر میں حل الفاظ اور تشریح کلام اللہ بالخصوص حضرت عبداللہ بن عباس کے آثار و روایات سے کی ہے۔ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، اصول تفسیر میں نہایت محققانہ اور جامع تصنیف ہے۔ شاہ صاحب موصوف نے قرآن پاک کا فارسی ترجمہ بھی لکھا ہے الموسوم، فتح الرحمن، سفرِ حجاز کے بعد آ کر لکھا۔ اسی کے ترجمہ سے بعض مقامات کی بنا پر آپ پر وہابیت کا شبہ کیا گیا۔ جس سے در حقیقیت آپ بالکل بری تھے اس کی پوری تفصیل فقیر کے رسالہ "التحقیق الجلی فی المسلک شاہ ولی" میں دیکھیئے۔

ملا علی اصغر قنوجی صاحب تفسیر ثواقب التنزیل متوفی 1140ھ و ملا رستم علی قنوجی بن علی اصغر قنوجی متوفی 1178ھ اکسیر میں ہے۔ کہ "تفسیر در تفہیم کلام الٰہی تفوق بر جلالین دارد۔"

ملا جیون احمد امیٹھوی المتوفی 1130ھ نے احکام کی آیات پر تفسیر لکھی۔ الموسوم بہ تفسیر احمدی۔

تیرھویں صدی:

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی المتوفی 1227ھ نے فارسی میں تفسیر فتح العزیز المعروف و تفسیر عزیزی، لکھی جو ناتمام رہی۔ پہلا حصہ سورہ فاتحہ سے آیت "وان تصوموخیر لکم" تک ہے اور دوسرا حصہ تبارک الذی بیدہ الخرپ 29 سے ختم قرآن کے اختتام تک نہایت ہی محققانہ مباحث اور کلام اللہ کے لطائف معارف وضاحت و تفصیل کے ساتھ فرما دیئے ہیں۔ یہ تفسیر اگرچہ بہت ہی مختصر حصہ ہے لیکن اس کے مضامین تمام قرآن کے لیے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ فہم قرآن میں بڑی بصیرت اور اصولی معرفت پیدا کرتے ہیں اور قرآن کریم کے حقیقی مقاصد کے ساتھ قلوب وابستہ کرنے میں نہایت ہی موثر ہیں۔ اس کی تکمیل کے لیے ہیں جن کی تفسیر عربی زبان میں تفسیر مظہری کے نام سے معروف ہے۔ مضامین قرآن کی بڑی عجیب و غریب تفسیر ہے۔ مذاہب فقیہہ کی تحقیق تفصیل اور ان کے دلائل کے لیے بے نظیر تفسیر ہے۔ یہ صاحب تفسیر مظہری حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے براہِ راست شاگرد وا حضرت مظہر جانجاناں قدس سرہ کے مرید ہیں۔ وافسوس کہ ان کی تصانیف اور تفسیر مظہری میں بھی یار لوگوں نے ترمیم و اضافہ (وہابیت) میں بہت کچھ کیا ہے۔ (انا للہ وان الیہ راجعون) لیکن باوجود اس کے اہلسنت کی تائیدات سے بھی بھرپور ہے۔

شاہ رؤف احمد نقشبندی المتوفی 1303ھ نے اردو، تفسیر رؤفی، لکھی جس کا آغاز 1239ھ کو ہوا اور 1448ھ میں اختتام ہوا۔ (تذکرۃ علماء ہند 118)

مولوی عبدالباسط مولوی رستم علی قنوجی تفسیر ذوالفقار خانی لکھ رہے تھے کہ 1223ھ میں انتقال ہو گیا۔ ان کا دوسرا رسالہ عجیب البیان فی علوم القرآن ہے (تذکرہ علماء ہند 272)

حضرت مولانا نقی علی خان المتوفی 1297ھ اعلیٰ حضرت شاہ رضا خان صاحب قدس سرہ کے والد ماجد الکلام اللاوضح فی تفسیر سورہ الم نشرح لکھی۔ ایک ضخیم جلد ہے۔ تذکرہ علمائے ہند۔

موضح القرآن مع ترجمہ شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی رحمۃ اللہ کی طرف منسوب ہیں بالکل غلط ہے۔ انہوں نے کوئی ترجمہ نہیں لکھا یہ دراصل عبدالحی دہلوی اور اسماعیل دہلوی کا کارنامہ ہے۔ اسی طرح حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کوئی ترجمہ نہیں لکھا۔ اس کی پوری تفصیل فقیر کے رسالہ التحقیق الجلی، میں دیکھیئے۔

چودھویں صدی:

اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہ کا ترجمہ مجید الموسوم و کنز الایمان، نہایت بہترین ترجمہ ہے۔ بفضلہ تعالیٰ یہ محققین مفسرین کی تفاسیر کا مغز ہے۔

اگرچہ اس کے سوا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے مفصل طور پر تفسیر کے لیے قلم نہیں اٹھایا لیکن کا کچھ اجزاء یا حواشی عربی بر تفاسیر بھی ہیں لیکن مستقل تفسیر کوئی نہیں ہاں آپ کی تصانیف کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو قرآن مجید کے اکثر حصہ کی تفسیر دستیاب ہو سکتی ہے۔ فقیر اویسی غفرلہ نے ایک عرصہ سے آغاز کیا ہوا ہے۔ عدیم الفرصتی سے تکمیل نہیں ہو رہی ہے لیکن بفضلہ تعالیٰ اکثر آیات کی تفسیر معرض تحریر میں آ گئی ہے۔ انشاء اللہ ایک عرصہ بعد اگر زندگی نے وفا کی تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی پوری تفسیر اہلِ حق کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جائے گی۔ جس کا نام "تفسیر امام احمد رضا" ابھی سے تعین کیا گیا۔

صدر الافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ کی تفسیر خزائن العرفان، لاجواب تفسیر ہے۔ حاشیہ کے طور کنز الایمان کے ساتھ بار بار چھپی ہے۔

حضرت مولانا ابو الحسنات رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر الحسنات جو کہ آپ نے تحریک ختم نبوت کے دور میں اکثر حصہ جیل میں لکھا۔ مکمل شائع ہو چکی ہے۔

حضرت مولانا مفتی احمد یار خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر نعیمی نہایت ہی اعلیٰ تفسیر ہے۔ افسوس کہ وہ گیارہواں پارہ لکھتے لکھتے وصال فرما گئے۔ موصوف کا دوسر رسالہ "علم القرآن" اصولِ تفسیر میں ہے۔ بہترین اصطلاحات تحریر فرمائی ہیں۔

حضرت مولانا عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی الاکلیل، عربی میں ایک بہترین تصنیف ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے علماء کرام نے اس زمانے میں تفسیریں عربی، فارسی، اردو میں لکھی ہیں۔

مولانا ابو محمد عبدالحق حقانی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر فتح المنان جو تفسیر حقانی کے نام سے مشہور ہے۔ اردو زبان میں بے نظیر تفسیر ہے جس میں حل لغات اعراب، فصاحت و بلاغت کے نکات مطالب قرآن اور ان کی تشریح معترضین و مخالفین سے اعتراضات کے جواب کا خص اہتمام ہے۔ گویا متقدمین کے علوم کو اس تفسیر میں بڑی خوبی کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ زیادہ تفسیر کا ماخذ تفسیر امام

رازی، تفسیر قاضی بیضاوی اور کشاف ہے۔ ان خوبیوں کے علاوہ اس تفسیر کی امتیازی شان یہ ہے کہ اس زمانہ کے فلسفہ اور یورپ کے مستشرقین کے مقابلہ میں اصول اسلام کا ایک مدلل مجموعہ ہے۔

حضرت مولانا پیر کرم شاہ صاحب کی تفسیر ضیاء القرآن (شائع ہو چکی ہے)۔
حضرت مولانا عبدالمصطفیٰ ازہری کی تفسیر زہری کے پہلے پانچ پارے چھپ گئے ہیں۔

مولانا غلام رسول سعیدی کی تاب، توضیح البیان، چند قرآنی مسائل کی تحقیق میں لاجواب تفسیر شائع ہوئی ہے۔ اُویسی فقیر پر تقصیر بھی ایک عرصہ سے خدمت فن تفسیر میں کام کر رہا ہے۔ چند ایک تصانیف شائع ہو چکی ہیں ان میں زیادہ مشہور "فیوض الرحمن ترجمہ تفسیر روح البیان ہے۔

بقیہ:- حیاتِ عیسیٰ

حسن بصری کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کے ناپاک مقامات سے بالا فرمایا اور خالص پاک جگہ یعنی آسمان پر اٹھا لیا۔ مرزا قادیانی آنجہانی نے لکھا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر لٹکایا گیا بعد میں آپ رہا ہو کر کشمیر پہنچے اور وہیں وفات پائی حالانکہ اللہ تعالیٰ تو ارشاد فرما رہا ہے کہ میں تجھے پاکیزہ جگہ لے جاؤنگا۔ مگر کشمیر تو اس وقت بت پرستی کا مرکز تھا اور بت پرست مشرکوں کو اللہ تعالیٰ نجس فرماتا ہے گویا مرزا قادیانی نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو معاذ اللہ غلط ہی کہا ہے کہ میں آپ کو پاکیزہ جگہ پہنچا دوں گا۔ قرآن پاک نے بڑی وضاحت سے بیان کر دیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے جسد مبارک سمیت اٹھا لیا اور یہودی آپ کی جان لینا چاہتے تھے ان سے بچا کر اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار فرما دیا۔ اب تک ہم نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ اس آیت شریفہ "انی متوفیک" میں وفات کا معنی موت ہے نہیں بلکہ کنایتہً موت بھی معنیٰ ہو سکتا ہے اگر اس آیت میں متوفی کا معنی نیند کیا جائے تو اب ترجمہ یہ ہو گا کہ میں آپ کو سلا دونگا اور اٹھا لونگا یہ معنیٰ بھی قادیانی امت کو فائدہ نہیں دیتا اگر اس کا معنیٰ موت ہی کر لیا جائے تو پھر بھی نفی میں ہو گا میں آپ کو عمر پوری دونگا اور موت دے دونگا جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حیات ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے چنانچہ مفسرین فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام بغیر موت اور بغیر نیند کے آسمانوں پر اٹھا لیا (روح المعانی) ایک اور جگہ ہے کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کا عرصہ 19 سو سال پر پھیلا ہوا ہے عیسیٰ علیہ السلام جس وقت آسمان پر اٹھائے گئے ان کی عمر شریف صرف 32 سال اور چھ مہینہ تھی۔ زمانہ نبوت تیس ماہ کا تھا۔ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ حالت میں جسم مبارک سمیت اٹھا لیا۔ یقیناً وہ دوبارہ تشریف لائیں گے حکمران ہونگے اور دوسرے لوگوں کی طرح وصال فرمائیں گے۔ طبقات کبریٰ (ج-1، ص-26) ان شواہد عدل سے قرآن کا مفہوم واضح ہو گیا کہ سیدنا عیسیٰ علیٰ ضنین نبینا علیہ السلام آج بھی بفضلہ تعالیٰ زندہ ہیں۔ وہ حضرت مجدد صاحب ارشاد کے مطابق دنیا پر جب تشریف لائیں گے تو فقہ حنفی پر فیصلہ فرمائیں گے۔

فصحائے عرب قرآن کریم کا معارضہ کرنے سے عاجز آ گئے

مولانا محمد شریف

حب حضور پر نور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن حکیم کا نزول شروع ہوا اور قریش مکہ کے کانوں میں یہ صدائے دلنواز پہنچی تو اس کی معجز بیانی پر حیران ہونے لگے کبھی کہتے کہ یہ سحر ہے کبھی کہتے یہ شعر ہے اور کبھی کہتے یہ کہانت ہے غرضیکہ طرح طرح کے حیلے بہانوں سے اس کا انکار کرتے۔ یہانتک کہ قرآن کریم کے نازل فرمانے والے قادر و قدیر نے تحدی کے ساتھ موجود اور آئندہ قیامت تک کے عرب و عجم کے تمام کفار و مشرکین کو یہ چیلنج کیا کہ اگر تمہیں میرے محبوب بندے صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیے ہوئے (قرآن) میں شک ہے تو پھر اس کی مثل صرف ایک سورت ہی بنا کر لے آؤ اور اپنے تمام حمایتیوں کو بھی بلا لو۔ مگر ہم تمہیں کہے دیتے ہیں کہ ایسا نہ کر سکتے ہو اور نہ ہی قیامت تک کر سکو گے پس اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔

بہر حال اس چیلنج کے بعد معارضہ تو نہ کر سکے لیکن وہ خاموش بھی نہ بیٹھے اور انہوں نے ایک اور اعتراض کر دیا وہ اس طرح کہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ اے محمدؐ! آپ کے قرآن میں چند ایک الفاظ ایسے ہیں جو کہ ہماری لغت میں نہیں ہیں۔ غرض ان کی اس سے یہ تھی کہ یہ کتاب من جانب اللہ نہیں ہے۔ بلکہ آپ کو کوئی پڑھاتا ہے اس وجہ سے اس میں یہ اجنبی الفاظ آ گئے ہیں سرکارؐ نے فرمایا وہ کون سے الفاظ ہیں؟ کہنے لگے یہ ہیں:-

قسورہ، ہضروا، کبارا، عجاک

آپؐ نے فرمایا کہ میرے سامنے کوئی پرانا دیہاتی بوڑھا لاؤ جس نے کبھی شہر نہ دیکھا ہو۔ مطلب سرکار کا یہ تھا کہ اصل ملکی زبان صرف دیہات میں ہی محفوظ ہوتی ہے کیونکہ شہر میں کھچڑی مچی ہوتی ہے۔ قصہ کوتاہ وہ ایک دیہاتی بوڑھے فرتوت کو پکڑ لائے اور وہ بوڑھا آپ کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ صاحب جوامع الکلم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بوڑھے سے اس طرح مخاطب ہو کر فرمایا کہ "قم یا شیخ" یعنی بابا جی اٹھو۔ وہ کھڑا ہو گیا پھر فرمایا کہ "اجلس یا شیخ" یعنی بابا جی بیٹھو۔ وہ بیٹھ گیا۔ پھر فرمایا کہ "قم یا شیخ" وہ طوعاً او کرھاً پھر کھڑا ہو گیا۔ پھر فرمایا کہ "اجلس یا شیخ" وہ پھر بیٹھ گیا۔ پھر تیسری بار فرمایا کہ "قم یا شیخ" یعنی اٹھو اب کی بار تو بابا جی آپے سے باہر ہو گئے۔ یا ابن القسورہ، اتسخرنی ہزوا، انا شیخ کبارا، وھذا شیئ عجاب، یعنی اے شیر کے بچے کیا تو مجھ سے مذاق کرتا ہے میں ایک بہت بوڑھا آدمی ہوں اور یہ عجیب بات ہے بابا جی نے ایک ہی جملے میں ان کے تمام اعتراضات کے جواب باصواب دے دیئے۔ یہ سن کر منکرین خائب و خاسر ہو کر واپس لوٹ گئے گویا بقولِ اعلیحضرت

تیرے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زبان نہیں نہیں بلکہ جسم میں جان نہیں

اور برجستہ کہنے لگے۔

قرآن کریم قول فیصل

اور محسنین کیلئے مژدہ ہے

سید رفاقت حسین شاہ قادری

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

نقشِ قرآن تا دریں عالم نشت
نقشہائے کاہن و پاپا شکست
از ہم وزیرِ حیات آگہ شوی
ہم ز تقدیرِ حیات آگہ شوی

یہ کتاب مقدس ہر لحاظ سے سراپا اعجاز ہے اس کا ہر پہلو اتنا دلربا ہے کہ اپنے پڑھنے والے کو مسحور کر دیتا ہے۔

لفظ قرآن:

لفظ قرآن یا توقرء سے بنا ہے یا قراءۃ سے یا قرن سے (تفسیر کبیر پارہ نمبر2) قرۃ کے معنی جمع کرنے کے ہیں اب قرآن کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ یہ بھی سارے اولین و آخرین کے علموں کا مجموعہ ہے۔ (تفسیر کبیر روح البیان پارہ نمبر2) دین دنیا کا کوئی ایسا علم نہیں جو قرآن میں نہ ہو ارشاد ربانی ہے نزلنا علیک الکتب تبیانا لکل شی نیز یہ سورتوں اور آیتوں کا مجموعہ ہے۔ یہ تمام بکھروں کو جمع کرنے والا ہے۔

اگر یہ قراۃ سے بنا ہے تو اس کے معنی ہیں پڑھی ہوئی چیز تو اب اس کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ انبیاء کرام کو کتابیں یا صحیفے حق تعالیٰ کی طرف سے لکھے ہوئے عطا فرمائے گئے لیکن قرآن کریم پڑھا ہوا اترا قرآن پاک کی شان ہے کہ سارے عالم کی طرف آیا اور ساری خدائی میں پہنچا سب نے پڑھا بار بار پڑھا اور دل نہ بھرا۔

اگر یہ قرن سے بنا ہے تو قرن کے معنی ہیں ملنا اور ساتھ رہنا اب اس کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ حق اور ہدایت اس کے ساتھ ہے نیز اس کی سورتیں اور آیتیں ہر ایک بعض بعض کے ساتھ ہیں کوئی کسی کے مخالف نہیں نیز اس میں عقائد اور اعمال اور اعمال میں اخلاق و سیاسیات، عبادات، معاملات تمام ایک ساتھ جمع ہیں۔ اس بحر بے پیدا کنار میں غواصی کرنے والوں نے غواص کا حق ادا کیا پر ہر ایک نے اپنی ہمت کے مطابق انمول موتیوں سے اپنی جھولیاں بھریں لیکن اس کے ہر معارف کے خزینے بھرے کے بھرے ہی رہے اس کے اسرار و رموز کے گنجینوں میں کمی نہ ہوئی۔ جنہوں نے اس گلستان معنی میں گل چینی کرتے کرتے عمریں گزار دیں انہوں نے بھی یہ تو نہیں کہا کہ ہم نے سب پھول چن لئے ہیں بلکہ سب نے بے تامل یہ اعتراف کیا۔

داماںِ نگاہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار
گل چینِ نواز تنگیٔ داماں گلہ دارو

فاران کی وادیوں سے قرآن کا چشمہ فیض کیا پھوٹا کہ اس سے علوم و فنون کے دریا بہہ نکلے جنہوں نے جزیرہ عرب کے پیاسے ریگزاروں کو سیراب کیا اور انہیں حکمت و دانش کی جلوہ گاہ بنا دیا اس ایک کتاب مجید نے جہاں پہلے علوم و حیاتِ نو بخشی وہاں اس نے بے شمار جدید علوم کی تشکیل کا سامان فراہم کر دیا علوم تفسیر۔ لغت و فقہ اللغتہ، فقہ و اصولِ فقہ، معانی و بلاغت و بدیع، صرف و نحو، قرأت تجوید، وعظ و خطابت، قصص و اخبار، امثال و حکایات ان کے علاوہ اور کئی علوم ہیں جنہوں نے قرآن کریم کے سایہ عاطفت میں جنم لیا اور اسی کے آغوش تربیت میں پروان چڑھے اس طرح قرآن حکیم کے فیض سے دنیا کی سب سے زیادہ جاہل قوم علم و حکمت کے عظیم خزانوں کی مالک بلکہ خالق بن گئی۔

سائنس قرآن کا مرہونِ منت ہے۔

ماہرین حیاتیات کا خیال ہے کہ جب تک کسی جاندار (ORGNISM LIVING) کا جسم اس خاص حیاتیاتی قوت کا حامل ہوتا ہے۔ وہ زندہ رہتا ہے اور جب یہ قوت ختم ہو جاتی ہے تو مر جاتا ہے یہ نظریہ آج سے تقریباً 23 صدیاں قبل عظیم فلاسفر بابائے بائیالوجی ارسطو نے دیا تھا اور اسے (VITALISM) کہا جاتا ہے یہ خاص حیاتیاتی قوت (SPEACIL VITAL FORCE) جسے سچ کہا جاتا ہے کیا ہے؟ سائنس اس کا جواب دینے سے قاصر ہے لیکن قرآن پاک نے آج سے کئی

قرآن پر عمل کرنے والے سرخرو اور
اس سے روگردانی کرنیوالے
ذلیل و خوار ہوں گے

صدیاں قبل اس کا جواب ان الفاظ میں دیا
قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً (بنی اسرائیل۔85)
ترجمہ: فرما دو روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا۔

یہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب تھا جو آپ نے کفار مکہ کے ایک سوال پر دیا جب انہوں نے روح کی حقیقت پوچھی اس آیت میں یہ بھی بتا دیا گیا کہ تھوڑا علم رکھنے والے غیر مسلم سائنسدان کبھی روح کی حقیقت کو سمجھ نہیں سکتے یہی وجہ ہے کہ آج تک وہ (PSYCHE) کے بارے میں کوئی ایسا تجربہ نہیں کر سکے جس سے اس کی حقیقت ان پر واضح ہو سکے۔ اسی طرح ایک اور اہم مسئلہ زمین پر زندگی کس طرح معرضِ وجود میں آ سکتی ہے اس کے متعلق دو نظریات بہت مشہور ہیں۔

(1) حیات از حیات (BIOGENESIS) اس نظریئے کے مطابق جاندار صرف جاندار اجسام سے ہی پیدا ہوتے ہیں وہ کسی بے جان مادے سے نہیں پیدا ہو سکتے۔

(2) حیات از بے جان (ABIOGNESIS) اس نظریے کے مطابق زندہ اشیاء بے جان مادے سے بھی پیدا ہو سکتی ہیں۔ عظیم فلاسفر سکندر اعظم کا استاد اور

باقی صـ 108 پر

قرآنی تراجم، قرآن کہاں کہاں پہنچا

محسن ملت
پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

فارس وایران اور پاک وہند میں اسلام کی اشاعت کے ساتھ تراجم وتفاسیر کی ضرورت محسوس کی گئی چنانچہ قرآن حکیم کے فارسی اور ہندی تراجم کی روایتیں بھی ملتی ہیں۔ چنانچہ اولین تراجم وتفاسیر میں حضرت سلمان فارسی کا سورہ فاتحہ کا فارسی زبان میں ترجمہ ہے جو انہوں نے نو مسلم ایرانیوں کے لیے کیا تھا اور تفاسیر میں حضرت ابی بن کعب کی تفسیر کا بڑا حصہ ثابت ہے نیز حضرت ابن عباس کی تفسیر ہے جو ابی ابن طلحہ الھاشمی نے حضرت سعید بن جبیر اور مجاہد سے سن کر لکھی ہے۔

تیسری صدی ہجری کی یہ روایت ملتی ہے کہ کشمیر کے راجہ مہروک کے لیے سندھ کے ایک عراقی النسل عالم عبداللہ بن عمر نے قرآن حکیم کا زبان ہندیہ میں ترجمہ کیا اور جب یہ ترجمہ اس کو پڑھ کر سنایا تو زار وقطار رونے لگا زمین پر سر رکھ دیا اور چہرہ خاک آلودہ ہوگیا، اس کے بعد دل سے مسلمان ہوگیا چھپ چھپ کر عبادت کرتا تھا، محل میں ایک خلوت خانہ بنا لیا تھا۔

قرآن حکیم کے تراجم وتفاسیر کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے عرصہ ہوا اپنی کتاب القرآن فی کل لسان میں مختلف زبانوں میں قرآن حکیم کے تراجم کا جائزہ لیا تھا اس کے بعد مزید تحقیق فرمائی اور 1966ء میں استنبول میں انکشاف فرمایا کہ ایک 100 سو زبانوں میں قرآن حکیم کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ اس انکشاف کو اب 18 سال گزر چکے ہیں اس عرصے میں نہ معلوم کتنے تراجم کا اور اضافہ ہو چکا ہوگا ------- اور تفاسیر قرآن کا تو اتنا عظیم سرمایہ ہے جس کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔

مندرجہ ذیل زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں ----- ایک زبان میں کئی تراجم ہیں پھر نئے نئے تراجم ہوتے جاتے ہیں:-

فارسی، اردو، سندھی، پنجابی، پشتو، ہندی، کشمیری، بنگالی، برمی، براہوی، گجراتی، مرہٹی، لیالم، کناری، تلگو، عبرانی، روسی، لاطینی، انگریزی، فرانسیسی، جرمنی، یونانی، پوش، اطالوی، پرتگالی، ہسپانوی، ڈچ، البانوی، عبرانی، بلغاری، رومانی، ہنگری، جاپانی، چینی، جاوی، ترکی، ڈینش، انڈونیشی، ملائی، ارگونی، اسرائیلی، سواحلی، یوگنڈمی، ترکی، انڈوچائنا، فلپائنی، حبشی، تامل، مکاسرن، ارگونین، اسٹرین، بوہیمیا، ارمنی وغیرہ وغیرہ

انٹرنیشنل ریسرچ سینٹر، استنبول (ترکی) میں قرآن حکیم کے تراجم سے متعلق ایک جامع کیٹلاگ تیار کیا جارہا ہے جس میں مختلف زبانوں میں مطبوعہ تراجم کی تفصیلات مہیا کی جائینگی۔ ایک نہایت عظیم اور صبر آزما کام ہے ----- اس کا اندازہ اسے لگایا جاسکتا ہے راقم نے صرف اردو تراجم وتفاسیر کی تحقیق پر آٹھ سال صرف کیے اور 750 صفحات پر مشتمل ایک مفصل مقالہ قلم بند کیا ----- جب ایک زبان پر تحقیق کا یہ عالم ہے تو جملہ زبانوں میں تراجم کی تفصیلات مہیا کرنا جوئے شیر لانا ہے۔

الغرض علم ودانش کے پھیلاؤ کے ساتھ معانی قرآن بھی پھیلتے چلے جاتے ہیں۔ گزشتہ سطور میں عہد نبویؐ، عہد خلافت، عہد بنو امیہ میں اسلام قرآن کی ابتدائی اشاعت اور ابتدائی تراجم کا مختصر جائزہ لیا گیا ------- اگر ہم شجر اسلام کے پھیلاؤ کو دیکھیں تو ساختہ زبان سے نکلتا ہے:-

" کشجرة طیبة اصلها ثابت و فرعها فی السماء "

ترجمہ: جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ قائم اور شاخیں آسمان میں۔

آئیے اسلام کے اس نورانی شجر کا پھر ایک جائزہ لیں اور دیکھیں جبل نور سے پھوٹنے والی روشنی کہاں سے کہاں پہنچی ------

- عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں (610ء تا 632ء) صحرائے عرب، یمن، حضرت موت، نجد وعمان، سندھ اور حبشہ وغیرہ میں اسلام اور قرآن کا پیغام پھیل چکا تھا۔
- عہد خلافت راشدہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم (633ء تا 660) میں مصر، شام، عراق، ایران، آرمینیا، افغانستان، آذربائیجان، مکران، خراسان، وغیرہ میں جوں جوں اسلام پھیلا قرآن بھی پھیلتا چلا گیا۔
- عہد بنو امیہ میں (661ء تا 745ء) شمالی افریقہ، اسپین، پرتگال، فرانس، سوڈان، روسی ترکستان، چین، سندھ، پنجاب، برطانیہ، داغستان، مالدیپ، قبرص، سسلی، سارادینا وغیرہ میں اسلام پھیلا اور قرآن کا پیغام پھیلتا چلا گیا۔
- عہد غالبہ (نویں صدی عیسوی) میں جنوبی اٹلی، ایشیائے کوچک اور باسفورس تک مسلمان بڑھتے چلے گئے اور اسلام پھیلتا چلا گیا۔
- عہد بنو عباسیہ (745ء سے 1256ء میں سلطنت اسلامیہ کو وسعت سے زیادہ استحکام نصیب ہوا۔ البتہ عہد غزنویہ میں (1000ھ تا 1300ھ) ہندوستان، پاکستان اور کشمیر (سندھ وملتان کے علاوہ) وغیرہ میں سلطنت اسلامیہ کی وسعت کے ساتھ ساتھ اسلام پھیلا اور ساتھ ہی قرآنی تعلیمات کا دائرہ بھی وسیع ہوا۔
- بورینو، انڈونیشیاء، چین اور آبنائے ملاکا کے مختلف علاقوں میں تبلیغ کے ذریعے اسلام اور ساتھ ہی قرآن کا پیغام پھیلا۔
- عہد سلطنت عثمانیہ (بیسویں صدی عیسوی سے سولہویں صدی عیسوی تک) بلغاریہ، بلنسہ، ہنگری، رومانیہ، سربیا، البانیہ، بوسینیا، پولینڈ، کریمیا، جارجیا، ریاستہائے بلقان، یوگوسلاویہ وغیرہ میں اسلامی سلطنت کے دائرے کی وسعت کے ساتھ ساتھ اسلام اور قرآن پھیلتا چلا گیا۔ اس کے علاوہ مختلف ادوار میں مختلف علاقوں میں اسلام کے پیغام کے ساتھ ساتھ قرآن کا پیغام پہنچا۔

---- نائیجیریا، گولڈ کوسٹ، آئیوری کوسٹ، لائبریا، صحارہ، یوگنڈا، سومالیہ، کینیا، کیمرون وغیرہ

الغرض دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں مسلمان نہ پہنچے ہوں یا مبلغین ومحققین

نے اسلام کا پیغام نہ پہنچایا ہو------

مندرجہ بالا سرسری جائزہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ گزشتہ صدیوں میں اسلام اور قرآن کا پیغام دنیا کے ہر حصے میں پہنچ چکا ہے اور دنیا کی ہر قوم اسلام اور قرآن سے اچھی طرح واقف ہو چکی ہے اور برابر واقف ہو رہی ہے ----- قرآن کی اشاعت کے ساتھ ساتھ اس کی حفاظت کا وہ سامان ہوا کہ دنیا اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی------

معانی قرآن، الفاظ حروفِ قرآن، اعراب و اوقافِ قرآن، آیات و سورہ قرآن اور علوم قرآن وغیرہ کی حفاظت کا سامان مختلف طریقوں سے کیا گیا اور جوں جوں زمانہ گزرتا گیا حفاظت کے نئے نئے سامان مہیا ہوتے چلے گئے چنانہ ابتداء سے لے کر اب تک قرآن حکیم کو جس طرح محفوظ کیا گیا ہے دنیا کی کسی کتاب کو اس طرح محفوظ نہیں کیا گیا۔

تقریر و تحریر، تعلیم و تدریس اور تجوید و قرأت کے ذریعے قرآن کے متین اور معانی کو کتابوں میں، ذہنوں میں اور سینوں میں پوری طرح محفوظ کیا گیا۔ آغاز اسلام سے لے کر اب تک بلاد اسلامیہ میں علوم دینیہ اور تعلیم القرآن کے ہزاروں لاکھوں مدارس قائم ہیں جہاں سے ہر سال لاکھوں طلبہ فارغ ہو کر نکلتے ہیں------ نماز پنجگانہ، نماز جمعہ و عیدین، نماز تراویح وغیرہ کے لیے قرآن کو جزو لانیفک قرار دے کر امر بنا دیا گیا ہے ----- تفسیر تشریح اور ترجمے کے ذریعے قرآن کے معانی و مطلب کو محفوظ کیا گیا------ عربی و فارسی اور اردو میں خصوصاً تفاسیر قرآن کا ایک ذخیرہ موجود ہے اس کے علاوہ دنیا کی ایک سو سے زیادہ زبانوں میں تراجم اور بعض زبانوں میں تفسیری اور تشریحی نوٹ لکھے گئے ہیں۔

علوم قرآن سے متعلق روز روز نئی تحقیقات سامنے چلی آتی ہیں ----- تزئین و تذہیب اور خطاطی کے ذریعے قرآن حکیم کے ظاہری حسن و جمال میں اضافہ کیا گیا------ خطاطی کو کاغذ و قرطاس تک محدود نہ رکھا گیا بلکہ پتھروں، لکڑوں اور دھاتوں پر آیاتِ قرآنی کو کندہ کر کے جاوداں بنایا گیا----- جدید سائنسی ایجادات نے قرآن کی حفاظت و اشاعت میں چار چاند لگا دیئے------ پریس کی ایجاد نے مہمیز کا کام کیا، کروڑوں کی تعداد میں قرآن پاک چھپ چکے ہیں۔ چھپ رہے ہیں اور چھپتے رہیں گے۔

پھر کینماٹوگراف، فوٹوگراف، زیروگراف، فوٹو اسٹیٹ، مائیکرو فلم، فش پلیٹ، کمپیوٹر، آڈیو کیٹ، وڈیو کیسٹ، ریڈیو، ٹیلی ویژن وغیرہ کے ذریعے قرآنِ حکیم کتب خانوں میں، گھروں میں بلکہ گلی گلی، کوچے کوچے اس طرح پھیلا ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کو جمع کرنے کی ذمہ داری خود اٹھائی اور فرمایا کہ قرآن کا جمع کرنا اور پڑھانا ہماری ذمہ داری ہے صحیح ہے آج قرآن پاک جمع بھی ہے پڑھا اور پڑھایا بھی جا رہا ہے----- فضائیں اس کی آواز سے گونج رہی ہیں۔

بقیہ :- قولِ فیصل

پہلا بیالوجسٹ ارسطو بھی اس نظریئے کا قائل تھا اس نے اپنی کتاب (HISTORIA) (ANNIMALIUM) میں اس کے کئی ثبوت نقل کئے ہیں۔ ان دونوں نظریات کے متعلق ماہرین حیاتیات میں گذشتہ ساڑھے تین سو سال سے برمی بحث ہوتی رہی ہے ریڈی (REDI) سپلانزنی۔ (SPLLANZANI) اور پاسچر (PASTURE) نے اپنے تجربات کے ذریعے حیات از بے جان کے نظریے کی تغلیط کی اور کہا کہ جاندار ہمیشہ پہلے سے موجود جاندار اشیاء سے ہی معرض وجود میں آتے ہیں۔ قرآن پاک نے دونوں نظریات کے بارے میں بتایا ہے جہاں کرہ ارض پر جاندار اجسام جاندار سے پیدا ہوتے ہیں وہاں جب زمین پر کوئی جاندار نہیں تھا تو یقیناً ان کی تخلیق بے جان مادے (INORGANI MATER) ہی سے ہوئی ہوگی چنانچہ سورۃ الشوریٰ میں حیات از حیات کا نظریہ بیان فرما دیا گیا ہے ارشاد ربانی ہے کہ

جعل لکم من انفسکم ازواجا و من الانعام ازواجاً یذروکم فیہ (الشوریٰ 11)

ترجمہ: اس اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہی میں سے جوڑے بنائے اور نر و مادہ چوپائے بنائے اس سے تمہاری نسل پھیلاتا ہے۔

اب دوسرے نظریے پر غور فرمائیے ماہرین حیاتیات اس کی نفی کرتے رہے ہیں لیکن قرآن پاک جابجا بے جان " سے جاندار" کے پیدا ہونے کا اعلان کرتا ہے قرآن پاک نے کئی مقام پر یہ اعلان کیا

یخرج الحی من المیت (ال عمران: 27) (سورۃ روم: 19)

ترجمہ: وہ (اللہ تعالیٰ) مردہ سے زندہ کو نکالے۔

بے جان سے جاندار کیسے پیدا ہو سکتے ہیں اب سائنس نے بھی اس قرآنی تصور کو تسلیم کر لیا۔ اس طرح زندگی کے پہلی دفعہ ظہور میں آنے کا تصور اور زندگی کا آغاز پانی سے ہوا جیسے مسائل پر سائنس نے قرآن سے وضاحت حاصل کی۔

قرآن کا مقصد اولین انسان کی اصلاح ہے تربیت پیہم سے اس کے نفس امارہ کو نفسِ مطمئنہ بنانا ہے ہواء و ہوس کے غبار سے آئینہ دل کو صاف کر کے اسے انوارِ ربانی کی جلوہ گاہ بنانا ہے انانیت و غرور تمرد و سرکشی کی بیخ کنی کر کے انسان کو اپنے مالک حقیقی کی اطاعت و انقیاد کا خوگر کرنا ہے۔۔یہی کام سب سے اہم بھی ہے اور سب سے مشکل اور کٹھن بھی قرآن مجید نے اسی اہم ترین اور مشکل ترین کام کو سرانجام دیا اور اس حسن و خوبی سے کہ دنیا کا نقشہ بدل گیا۔

قرآن پاک متقین کے لئے بیان ہدایت اور موعظت ہے قرآن پاک سابقہ کتب کی تصدیق کرنے والا اور ان کا نگہبان ہے قرآن نے انسانیت کو کائنات میں غور و فکر کی دعوت دی قرآن پاک کتب سابقہ کا مصدق محسنین کے لئے مژدہ اور بدکاروں کے لئے تنبیہ ہے۔ قرآن کیا ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے اگر قرآن عرب کے اُجڈ بدوؤں کو آدم و بنی آدم کے لئے باعث عز و شرف بنا سکتا ہے اگر ان جاہلوں کو جو ابجد خواں بھی نہ تھے بزم علم و دانش کا صدر نشین بنا سکتا ہے اگر حرم کعبہ میں 340 بتوں کی پوجا کرنے والی قوم کے دل میں معرفتِ الٰہی کی شمع فروزاں کر سکتا ہے تو ہمارے صنم کدہ تصورات کے لات و ہبل کو کیوں ریزہ ریزہ نہیں کر سکتا ہمارے ظلمت خانہ حیات کو اس کی کرنیں کیوں منور نہیں کر سکتیں بخدا ہو سکتا ہے سب کچھ ہو سکتا ہے بشرطیکہ ہم قرآن کی ہدایت کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوں اور ہمارا کاروانِ حیات اس شاہراہ ہدایت پر گامزن ہو جائے جو قرآن پاک نے ہمارے لئے تجویز کی ہے۔

اے درماندۂ راہ قوم قرآن تمہیں عظمت و عزت کی بلندیوں کی طرف آج بھی لے جا سکتا ہے بشرطیکہ اس کی قیادت قبول کر لو اے اپنی قسمت برگشتہ پر آہ و فغاں کرنے والے نوجوانو دنیا کی امامت تمہاری متاع گم گشتہ ہے تمہیں یہ واپس مل سکتی ہے اگر تم میں اس کی واپسی کی تڑپ ہو قرآن تمہیں واپس دلا سکتا ہے اگر تم اس کا حکم ماننے کے لئے تیار ہو اور تمہیں یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی کہ واقع قرآن پاک قولِ فیصل اور محسنین کے لئے مژدہ ہے۔ (واللہ عالم بالصواب)

آپ جانتے ھیں کہ

اس وقت ملک فحاشی عُریانی، جھوٹی خبروں، سیکنڈلز اور زرد صحافت کی زد میں ہے۔ جھُوٹ کو سچ اور سچ کو جھُوٹ بنا کر پیش کیا جارہا ہے۔ جن کے پاس دولت ہے وہ اپنی دولت کے بل بوتے پر قوم کے ہیرو بنے ہوئے ہیں اور جن لوگوں نے اسلام اور مُلک کے لیے زندگیاں وقف کر رکھی ہیں وہ زیرِ عتاب اور معاندانہ پراپیگنڈے کی زد میں ہیں۔ عوام زرد صحافت کی وجہ سے صحیح حالات تک نہیں پہنچ پاتے۔ نتیجتہً قوم دن بدن پستی اور زوال کی طرف جارہی ہے اگر آپ ان حالات کو بدلنے اور سچی صحافت کا فروغ چاہتے ہیں تو آیئے

ندائے اھلسنّت کا مطالعہ کیجئے

- ندائے اہلسنّت تحریک ہے عشقِ مصطفےٰ کے فروغ کی
- ندائے اہلسنّت تحریک ہے نفاذ نظامِ مصطفےٰ کی
- ندائے اہلسنّت تحریک ہے تحفظ مقام مصطفےٰ کی
- ندائے اہلسنّت تحریک ہے عالمگیر غلبۂ اسلام کی
- ندائے اہلسنّت تحریک ہے نوجوانوں میں جذبۂ جہاد پیدا کرنے کی
- ندائے اہلسنّت تحریک ہے جھُوٹوں اور بہروپیوں کو بے نقاب کرنے کی
- ندائے اہلسنّت تحریک ہے دین فروشوں کا راستہ روکنے کی۔
- ندائے اہلسنّت تحریک ہے اہلِ حق علماء و مجاہدین کی حمایت کی
- ندائے اہلسنّت تحریک ہے مخلص، بے لوث اور سچی قیادت برسرِ اقتدار لانے کی
- ندائے اہلسنّت تحریک ہے قوم کو سمگلروں، ہیروئن فروشوں اور کلاشن کوف کلچر سے بچانے کی
- ندائے اہلسنّت تحریک ہے اہلسنّت کے اتحاد، تنظیم اور مسلک کی ترویج و اشاعت کی

آیئے آپ بھی ندائے اھلسنّت کے سالانہ خریدار بن کر اس تحریک میں شامل ھوجایئے

اگر آپ سالانہ خریدار بننا چاہیں تو یکصد روپے نقد یا منی آرڈر ہمیں بھیج دیجئے ۔ ہر پندرہ دن کے بعد گھر بیٹھے رسالہ آپ کو پہنچ جائے گا

خصائص کنزالایمان

علامہ عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم - اَمَّا بَعد۔ حضرات اولیاء اللہ نے دوسرے ملکوں سے آکر اِس ملک میں خدا پرستی کا درس دیا جس میں بُت پرستی کو ذریعہ نجات سمجھا جاتا تھا۔ یہاں خدائے وحدہٗ لاشریک کی جگہ ہزاروں فرضی خداؤں یعنی پتھروں سے تراشے ہوئے بُتوں کی پُوجا ہوتی تھی۔ کتنے ہی بزرگوں نے اِس کارِ خیر کے لئے اپنی زندگیاں اور زندگی کی جملہ راحتوں کو قربان کر دیا تھا۔ خدائے ذوالمنن کے فضل و کرم سے اُن حضرات کی مساعیٔ جمیلہ کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا اور ہر بزرگ نے ہزاروں بلکہ لاکھوں ہندوؤں کو حلقہ بگوشِ اسلام کر دیا تھا۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔

مذکورہ کارنامہ انجام دینے والے بزرگوں کا ایک ہی دین و مذہب تھا۔ یعنی وہ سب کے سب سُنّی حنفی تھے۔ یہی اُن کا فرقہ تھا، یہی اُن کی جماعت تھی۔ یہ وہی جماعت چلی آرہی تھی جو اللہ کے آخری رسول سیّدنا محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنائی تھی۔ صحابۂ کرام کا مقدس گروہ اِسی جماعت کا ہراول دستہ یا اسی عمارت کی بنیاد تھا۔ یہی جماعت آگے چل کر اہل سنت و جماعت کہلاتی ہے۔ یہ نام اُنہیں اس لئے اختیار کرنا پڑا کہ بعض گمراہ فرقے بھی عالمِ وجود میں آگئے تھے۔ اُن میں سے ہر فرقہ گمراہ ہوتے کے باوجود اپنی حقانیت منوانے پر تُلا ہوا تھا۔ ہر فرقے نے اپنے اوپر خوشنما لیبل لگایا اور اہلِ حق کو بُرے القاب سے یاد کرنے لگے۔ مسلمانوں کی اصلی جماعت نے اپنا تشخص برقرار رکھنے کی خاطر خود کو اہلِ سنت و جماعت لکھنا اور بتانا شروع کر دیا۔

بُت پرستوں کو خدا پرست بنانے والے سارے اولیاء اللہ بھی اہلِ سنت ہی تھے کیونکہ غیر مسلموں کو مسلمان بنانا یا مسلمانوں کو غیر مسلموں کے شر سے بچانا یہ اہلِ سنّت ہی کا طرۂ امتیاز ہے جبکہ دوسرے حضرات کا وزن علی الاعلان یا چھُپ کر اکثر و بیشتر کفار و مشرکین ہی کے پلڑے میں رہا ہے۔ اِس لحاظ سے مسلمانوں کی اصلی جماعت اور جعلی جماعتوں کا زاویۂ نظر ہمیشہ مختلف ہی رہا ہے۔ باقی مسلمان کہلانے والوں سے اگرچہ ووٹ تو مسلمانوں ہی کے بڑھتے ہیں لیکن معلوم نہیں یہ حالات کی ستم ظریفی ہے یا کسی خاص رگ کی مطابقت کہ اُن مسلمان کہلانے والوں کی اکثریت کے نام مسلمانوں کے کھاتے میں اور کام غیر مسلموں کے کھاتے میں جاتے ہیں۔ اُن کی زبانیں بظاہر مسلمانوں کے ساتھ نظر آتی ہیں لیکن دلوں کے رشتے غیر مسلموں کے ساتھ استوار رہتے ہیں۔ اُن کے جسم تو مسلمانوں میں گھلے ملے رہتے ہیں۔ لیکن چشمِ بینا کو اُن کی روحیں غیر مسلموں کے سامنے سجدہ ریز نظر آتی ہیں۔ شاید ایسے ہی مسلمانوں کی فہمائش کے لئے شاعرِ مشرق نے یہ فرمایا تھا۔

؎ یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

خیر حضرات اولیاء اللہ نے اس ملک میں جتنے بھی مسلمان بنائے، وہ سارے اُسی جماعت کے فرد بنے جس کو اہلِ سنت و جماعت کہا جاتا تھا۔ چونکہ مذکورہ جملہ اولیاء اللہ فقہی لحاظ سے حنفی تھے، لہٰذا یہاں جتنے بھی مسلمان ہوئے وہ سب سُنّی حنفی تھے۔ سُنّی حنفی کہلانے والوں کے سوا اِس ملک میں اور کسی ٹائپ کا کوئی مسلمان کہلانے والا نہیں تھا۔ یہی حضرات تھے جنھوں نے آٹھ سو سال تک پوری شان و شوکت سے اِس ملک پر حکومت کی اور یہ زمین اسلام کی تخم ریزی کے لئے بڑی زرخیز ثابت ہوئی۔ اِسی ملک میں ایسے اہل علم بھی پیدا ہوتے رہے ہیں جن کی بعض علمی نگارشات نے ایک دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ وہ جواہر پارے اپنے اپنے میدان میں ایسی امتیازی حیثیت کے حامل ہیں کہ وہ رہتی دُنیا تک مسلمانوں کو مشعلِ راہ کا کام دیتے رہیں گے۔ وہ امتیازی علمی کارنامے یہ ہیں۔

۱۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۰۳۴ھ/سنہ ۱۶۲۴ء) کے مکتوبات جو تین دفتروں کے اندر ہیں، وہ فارسی نثر میں علم و عرفان اور رُشد و ہدایت کا ایک بے نظیر مجموعہ ہے۔ فارسی نظم میں جس طرح مثنوی مولانا روم کا پورے اسلامی لٹریچر میں جواب نہیں اِسی طرح فارسی نثر میں مکتوباتِ امام ربانی بھی عدیم المثال نصابِ ہدایت ہیں۔

۲۔ سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۱۱۹ھ/سنہ ۱۷۰۷ء) نے پانچسو علماء کے ذریعے فتاویٰ عالمگیری مرتب کروایا جو فقہ حنفی کی کتابوں میں لاجواب اور قابلِ قدر اضافہ ہونے کے ساتھ اسلامی قانون کی مکمل کتاب ہے۔

۳۔ شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۲۳۹ھ/سنہ ۱۸۲۴ء) کی رَدِّ روافض میں تحفہ اثنا عشریہ نامی کتاب اِس درجہ تحقیقی اور ہر لحاظ سے مکمل ہے کہ اس میدان میں پوری دُنیا کے اندر شاید ہی کوئی ایسی کتاب لکھی گئی ہو۔

۴۔ پایۂ حرمین، شیخ الہند، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۳۰۸ھ/سنہ ۱۸۹۰ء) کی ردِ عیسائیت میں اظہار الحق نامی کتاب عربی زبان کے اندر اِس درجہ لاجواب اور مکمل ہے کہ اِس میدان میں شاید ہی کسی عالم نے ایسی کتاب لکھی ہو جو اس کے مقابلے پر رکھنے کے قابل ہو۔

۵۔ امام ابنِ عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۲۵۲ھ/سنہ ۱۸۳۶ء) نے فقہ حنفی کی مشہور کتاب درِّ مختار کی ردّ المحتار کے نام سے ایسی شرح لکھی جو اُن کی علمی وسعت اور جامعیّت کی گواہ ہے۔ ردالمحتار کو فقہ حنفی میں ایک امتیازی مقام حاصل ہے لیکن قسّامِ ازل نے اس سے بھی بڑھ کر شرف امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۳۴۰ھ/سنہ ۱۹۲۱ء) کی قسمت میں لکھا تھا کہ انہوں نے عربی کی پانچ جلدوں میں جدّ الممتار کے نام سے رد المحتار کی شرح لکھ دی۔ حق یہ ہے کہ مولانا بریلوی تحقیق و تدقیق اور وسعتِ نظر کے لحاظ سے علامہ شامی کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔

۶۔ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ چودھویں صدی کے مجدّدِ برحق اور آسمانِ فقاہت کے ایسے مہر درخشاں ہوئے ہیں کہ اُن پر مجتہد ہونے کا گمان گزرتا ہے کیونکہ بعض فتوے انہوں نے ایسے بلند پایہ تحریر فرمائے ہیں۔ جن سے شان اجتہاد ٹپکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ معاصرین میں سے کوئی آپ کی گردِ راہ کو بھی نہیں پہنچ سکا۔ آپ پورے عالمِ اسلام کے مفتی اور مرجعِ علماء تھے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی کا فتاویٰ بارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس عدیم المثال فقہی سرمائے کا نام العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ ہے۔ مولانا بریلوی کے ایک عربی فتوے کو دیکھ کر آپ کے معاصر مولانا سیّد اسماعیل بن خلیل مکّی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۳۳۸ھ/سنہ ۱۹۱۹ء) نے فرمایا تھا کہ اگر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۵۰ھ/سنہ ۷۶۷ء) اِسے دیکھتے تو اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور وہ اس کے مؤلف کو اپنے اصحاب کے زمرے میں شامل فرما لیتے۔ بعض علمی ہستیوں

نے فرمایا ہے کہ فتاویٰ رضویہ کو دیکھ کر امام احمد رضا پر ابوحنیفہ ثانی ہونے کا گمان گزرتا ہے۔ فتاویٰ رضویہ شریف کی چھ جلدیں مکمل اور دو نامکمل صورت میں چھپ چکی ہیں جبکہ باقی جلدیں اتنا عرصہ گزرنے پر بھی زیورِ طباعت سے محروم ہیں۔ خدا کرے کہ یہ لاجواب علمی سرمایہ پورے کا پورا منظر پر آجائے۔

۷۔ قرآنِ مجید کے یُوں تو اُردو میں بہت سے ترجمے منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ لیکن کنزالایمان کے نام سے ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۱ء میں جو ترجمہ امام احمد رضا خاں بریلوی نے کیا اُس کا جواب نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت نے اُردو میں کلامِ الٰہی کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے۔ یہ ترجمہ ایک جانب تفاسیرِ معتبرہ کے عین مطابق ہے تو دوسری جانب اُردو ادب کی جان، عظمتِ خداوندی و شانِ مصطفوی کا نگہبان اور حفظِ مراتب کا پاسبان ہے۔ واقعی یہ ترجمہ کنزالایمان یعنی ایمان کا خزانہ ہے۔ اسی لئے تو راقم الحروف نے لکھا ہے:۔

ترجمہ قرآں کا لکھا کنزِ ایماں کر دیا
اے مفسّر! واقفِ رمزِ خدا پائندہ باد

آئندہ سطور میں کنزالایمان کے بعض خصائص کا بیان کرنا مقصود ہے۔ لیکن اُس سے پہلے میں ایک تلخ حقیقت کی طرف اشارہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ انگریزوں نے اپنے دورِ حکومت میں اپنے اقتدار کو دوام واستحکام بخشنے کی خاطر مسلمانوں کو ایمان کی دولت سے محروم کرنا اور اُن میں افتراق پیدا کرنا ضروری سمجھا۔ یہ کام انہوں نے مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی (المتوفی ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) سے لیا اور اُن سے تقویۃ الایمان کتاب لکھوائی جو اُردو زبان میں نجدی امام الوہابیہ یعنی جناب محمد بن عبدالوہاب (المتوفی ۱۲۰۶ھ / ۱۷۹۱ء) کی کتاب التوحید صغیر کا چربہ ہے۔ موصوف کی محبت اُن کے معتقدین کے اندر اس طرح سمائی ہوئی ہے جیسے سامری کے بچھڑے کی محبت بعض یہودیوں کے دلوں اور دماغوں پر قبضہ جما بیٹھی تھی جس کا قرآنِ مجید نے یُوں ذکر فرمایا ہے:۔

وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِکُفْرِهِمْ (۲:۹۳)	اور اُن کے دلوں میں بچھڑا رچ بس گیا تھا، اُن کے کفر کے سبب۔

کسی انسان کو اپنے دل میں اتنی جگہ دے دینا کہ اُس کے بالمقابل اللہ اور رسول کی پروا بھی نہ رہے یعنی اگر اُس کی بات سے اللہ یا اس کے رسول کے ارشادات ٹکرائیں تو اس شخص کی بات کو قائم رکھنا اور اس سے ٹکرانے والی آیت یا حدیث کے مفہوم میں تاویل کی جائے، یہ ایسی عادتِ بد ہے جو یہود کے اندر پائی جاتی تھی اور پروردگارِ عالم نے اسے کفر قرار دیتے ہوئے قرآنِ مجید میں فرمایا ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۹:۳۱)	انہوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ کے سوا معبود (رب) بنالیا

پہلی مثال

قارئینِ کرام ملاحظہ فرمائیں کہ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کے معتقدین نے یہود کی مذکورہ عادت کو مٹنے نہیں دیا اور جیسے بچھڑے کی محبت اُن کے دلوں میں رچ بس گئی تھی۔ ان حضرات کے دلوں میں مصنفِ تقویۃ الایمان کی محبت کچھ اُس بچھڑے سے کم نہیں اور جیسے اُنہوں نے اپنے احبار و رہبان کو اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ بنایا تھا اُسی طرح سے بعض مسلمان کہلانے والوں نے مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کو وہی مقام دیا ہوا ہے، مثلاً موصوف نے لکھا ہے:۔

"سو اِسی طرح غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو، جب چاہے کر لیجئے، یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے، کسی نبی اور ولی کو، جن اور فرشتے کو، پیر اور پیغمبر کو، امام اور امام زادہ کو، بھوت اور پری کو اللہ صاحب نے یہ طاقت نہیں بخشی کہ جب وہ چاہیں غیب کی بات معلوم کر لیں۔"[۱]

اِس عبارت کے خط کشیدہ الفاظ کو بار بار غور سے دیکھیے۔ یہاں موصوف نے اپنے اللہ صاحب کی یہی شان تو بتائی ہے کہ جب وہ چاہتا ہے غیب کی بات دریافت کر لیتا ہے۔ ——— اس عبارت سے موصوف نے یہی تاثر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا ہر وقت علم نہیں ہوتا یعنی غیب جاننا اُس کی صفت نہیں کہ تمام علومِ غیبیہ اس کی ذات کے سامنے اُسی طرح موجود ہوں جیسے حاضر کی چیزیں دوسروں کے سامنے ہوتی ہیں بلکہ جب وہ چاہتا ہے تو کسی چیز کے متعلق دریافت کر لیتا ہے۔

یہ موصوف نے علمِ الٰہی کا انکار کیا ہے کیونکہ علم بھی اُس کی صفات میں سے ایک صفت ہے جو تمام صفاتِ عالیہ کی طرح اُس کی ذات کے لئے لازم اور دیگر صفاتِ مقدسہ کی طرح اُس کی ذات میں موجود ہے اور رہے گی۔ دیگر صفاتِ الٰہیہ کی طرح علم بھی اس کے تحت قدرت یا مشیّت پر موقوف نہیں ہے کہ چاہے تو کسی چیز کے متعلق دریافت کرے اور چاہے تو بے خبر رہے۔ نیز یہ صفت یا دیگر صفات تحتِ قدرت بھی نہیں ہیں کیونکہ جو چیز بھی تحتِ قدرت ہے وہ حادث اور فانی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات اُس کی ذات کی طرح ازلی و ابدی ہیں یعنی ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ باقی رہیں گی۔ اُن میں سے کسی صفت کا کسی بھی وقت اس کی ذات سے جدا ہونا ناممکن ہے۔

اب دہلوی صاحب کے متبعین کا حال ملاحظہ فرمائیے کہ وہ اپنے امام کی پیروی اور

اعلیٰ حضرت نے
اُردو میں کلامِ الٰہی
کی ترجمانی کا
حق ادا کر دیا

موافقت میں کس مقام تک پہنچے ہوئے ہیں۔ یہ تو قارئین کرام ہی اُن کے متعلق فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ حضرات یہود کے اس مقام تک پہنچے ہیں یا نہیں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ انہوں نے اپنے احبار و رہبان کو اللہ کے سوا رب بنا لیا ہے، جبکہ موصوف کے متبعین نے دہلوی صاحب کی موافقت میں خدا سے بھی رشتہ توڑ لیا۔ کلامِ الٰہی کی ترجمانی کے پردے میں پوری جرأت سے علمِ الٰہی کا انکار کر دیا۔ درج ذیل آیت کے تحت اُن کے رنگ برنگے ترجمے ملاحظہ ہوں۔

آیت:۔ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ کُنْتَ عَلَیْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْهِ ؕ

(البقرہ، آیت ۱۴۳)

- اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ کہ جس پر تو پہلے تھا مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کہ کون تابع رہے گا رسول کا اور کون پھر جائیگا اُلٹے پاؤں (مولوی محمود حسن صاحب)
- اور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں (یعنی بیت المقدس) وہ تو محض اس لئے تھا کہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ کون تو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے (مولوی اشرف علی تھانوی صاحب)
- اور جس قبلے پر تم (پہلے) تھے اُس کو ہم نے اس لئے مقرر کیا تھا کہ معلوم کریں کہ کون (ہمارے) پیغمبر کا تابع رہتا ہے اور کون اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔

(مولوی فتح محمد جالندھری صاحب)

اور اگر ہم نے اتنے دنوں تک تمہیں اگلے قبلہ پر رہنے دیا جس کی طرف تم رُخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے تو یہ اس لئے تھا تاکہ (وقت پر) معلوم ہو جائے کون لوگ اللہ کے رسول کی پیروی میں سچے ہیں اور کون لوگ (دِل کے کچے ہیں جو آزمائش میں پڑکر) اُلٹے پاؤں پھر جانے والے ہیں (ابوالکلام آزاد صاحب)

مذکورہ چاروں حضرات نے اِس آیت کے لفظ لِنَعْلَمَ کا ترجمہ معلوم کریں اور ہم کو معلوم ہو جائے وغیرہ الفاظ سے کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ اِن چاروں ترجمہ کرنے والوں کا پختہ یقین تھا کہ تحویل قبلہ سے پہلے اللہ تعالیٰ کو بالکل معلوم نہیں تھا کہ کون ہمارے رسول کی پیروی کریگا اور کون اُلٹے پاؤں پھر جائیگا۔ اپنے خالق و مالک کی صفت علم کا انکار کر کے اپنی کلمہ گوئی کی نفی کر دی اور خدا کا ساتھ چھوڑ دیا لیکن اپنے امام، مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی صاحب کی عقیدت و محبت میں اپنی پختگی بھی دکھا دی کہ اُن کی محبت میں خدا کی محبت بھی حائل نہ ہو سکی۔ اب اِن چاروں ترجموں کے ساتھ اِسی لفظ لِنَعْلَمَ کے تین ترجمے اور ملاحظہ ہوں:-

۱- ہم جان لیں (سر سید احمد خاں صاحب)

۲- ہم معلوم کر لیں (ڈپٹی نذیر احمد صاحب)

۳- ہمیں معلوم ہو جائے (مرزا حیرت دہلوی صاحب)

مذکورہ ساتوں مترجمین نے خدا کو بے خبر بتا کر ممکن ہے اپنے اپنے دِل خوش کر لئے ہوں یا اُن لوگوں کو خوش کر لیا ہو جن کی رضامندی کے لئے یہ وبال سر پر لیا تھا۔ ہم اُن اِتنے بڑے آدمیوں کے متعلق کیا کہہ سکتے ہیں، ہاں اُن کی جرأت ہمیں حیران ضرور کر گئی۔

ے
کہنے والے اپنی اپنی کہہ گئے
ہم تو اُن کے منہ ہو تکتے رہ گئے

کاش! یہ مترجمین خدا کو بے خبر بتا کر اپنی عاقبت کے لئے ایسا زادِ راہ جمع نہ کرتے تو اُن کا اپنا بھلا تھا۔ تفاسیر معتبرہ کی روشنی میں کئے ہوئے امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اُردو ترجمے ہی کو دیکھ لیتے جنہوں نے لکھا ہے ـــــ "اور اے محبوب! تم پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے اسی لئے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے۔" (کنز الایمان)

ے
محبت کے کوچے میں جو مٹ گئے ہیں
ہے زیبا انہیں پر قبائے محبت

آیت نمبر۲ :- وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ ○ (آلِ عمران: آیت ۱۴۲)

- اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں اور معلوم نہیں کیا ثابت رہنے والوں کو (مولوی محمود حسن صاحب)
- حالانکہ ابھی خدا نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو تو اچھی طرح معلوم کیا ہی نہیں اور (یہ بھی مقصود ہے کہ) وہ ثابت قدم رہنے والوں کو معلوم کرے۔ (مولوی فتح محمد جالندھری صاحب)

اِس آیت میں بھی دونوں حضرات نے خدائے علیم و خبیر کو بے خبر ٹھہرایا ہے جبکہ تفاسیر معتبرہ کی روشنی میں عظمتِ خداوندی کے مطابق امام احمد رضا خاں بریلوی نے یُوں ترجمہ کیا ہے ـــــ "اور اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی۔"

دوسری مثال

متحدہ ہندوستان میں وہابیت کا سنگِ بنیاد رکھنے والے یعنی امام الوہابیہ ثانی، مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی صاحب نے تقویۃ الایمان میں اپنے اللہ صاحب کی شان بیان کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے ــ "سو اللہ کے مکر سے ڈرا چاہیئے۔" ۱؎

مکر و فریب کرنا عیب ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جملہ عیوب و نقائص سے پاک اور منزّہ ہے۔ معلوم نہیں پھر کیوں دہلوی صاحب نے اللہ تعالیٰ کو مکّار قرار دے کر اُس کے مکر سے ڈرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ مسلمان تو ایسا عقیدہ رکھنے کو ہمیشہ سے کفر سمجھتے آئے ہیں اور ہمیشہ ایسا ہی سمجھتے رہیں گے لیکن دہلوی صاحب کے معتقدین نے پُوری اُمتِ محمدیہ اور کتاب و سنّت کے خلاف اِسی بات کو عقیدہ بنا لیا کہ اللہ تعالیٰ واقعی مکر کرتا ہے اور بعض آیتوں کا ترجمہ کرتے ہوئے انہوں نے ذات سُبّوح و قدّوس پر مکر کا دھبّہ لگا کر اپنے امام کی تائید و تصدیق کا یُوں حق ادا کیا ہے:-

کنز الایمان اردو ادب
کی جان، عظمتِ خداوندی
و شانِ مصطفوی کا
نگہبان اور حفظِ مراتب
کا پاسبان ہے

آیت نمبر۳ :- وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ○

(آلِ عمران، آیت ۵۴)

- اور مکر کیا اُن کافروں نے اور مکر کیا اللہ نے اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔ (مولوی محمود حسن صاحب)
- اور وہ (یعنی یہود قتل عیسیٰ کے بارے میں ایک) چال چلے اور خدا بھی (عیسیٰ کو بچانے کے لئے) چال چلا اور خدا خوب چال چلنے والا ہے۔ (مولوی فتح محمد جالندھری صاحب)

مذکورہ دونوں ترجموں کے خط کشیدہ الفاظ کو غیر جانبدار ہو کر دیکھیے کہ کیا اِن سے عظمتِ خداوندی پر کوئی حرف تو نہیں آتا؟ کیا مکر کرنا، داؤ کرنا اور چال چلنا اُس بے عیب ذات کی شان کے خلاف نہیں ہیں؟ خدا توفیق دے اور قسمت یاوری کرے تو یہ ترجمہ پڑھ کر فیصلہ کر لیا جائے: ـــ "اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے اُن کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے۔" (کنز الایمان)

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم
حکمتِ او لایزال است و قدیم

ترجمہ قرآن کنز الایمان کا مختصر تعارف

مولانا الحاج ابو داؤد محمد صادق

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کوئی بھی ترجمۂ قرآن پڑھ کر دیکھ لیں مترجمین نے تھوڑے سے بہت فرق کیساتھ اس کا ترجمہ کیا ہے۔ "شروع کرتا ہوں ساتھ نام اللہ کے" ان تراجم میں کہنے کو تو اللہ کے نام کے ساتھ شروع کیا گیا ہے لیکن فی الحقیقت جس کے نام سے شروع کیا گیا ہے اس (اللہ) کا نام بعد میں ہے اور شروع۔ کرتا ہوں ساتھ۔ نام "کے پانچ الفاظ پہلے ہیں۔ اور دراصل شروع ان الفاظ سے کیا گیا ہے نہ کہ اللہ کے نام سے۔ یہ راز اگر منکشف ہوا ہے تو صرف اعلحضرت عظیم البرکت امام اہل سنت مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم علمی و روحانی شخصیت پر منکشف ہوا ہے۔ جنہوں نے حقیقت ترجمہ اصل معنویت اور اسم جلالت پر نظر رکھتے ہوئے اس کا ترجمہ کیا ہے۔

"اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا"۔ دیکھئے یہ ہے ترجمہ کہ لفظی معنوی حقیقی و واقعی طور پر ہر لحاظ سے اللہ کے نام سے اس طرح شروع کیا ہے کہ اور تو اور لفظ "شروع" بھی شروع میں نہیں آسکا۔ اللہ اکبر! حفظ مراتب و ترجمہ و معنیٰ کا کیسا حق ادا کیا ہے۔ یہ اعلحضرت کے اعلیٰ ترجمہ کی پہلی فتح و خوبی، بہتری و برتری باقی تمام تراجم پر جس کی بنا پر ہم نے اسے اردو کے بہترین ترجمہ کا عنوان دیا ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ! جس کی مبارک بِسْمِ اللّٰہِ (ابتداء و شروع) ہی اتنی خوبصورت اور زوردار ہے۔ اس کی رفتار و پرواز عروج و ترقی اور کامیاب اختتام و انتہا کا کیا بیان ہو سکتا ہے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔

ترجمہ کا نام

ترجمۂ اعلیٰ حضرت کی بہتری و برتری عمدگی و خوبی وسعت لفظی اور علمی و روحانی گہرائی کے دیگر پہلوؤں کے علاوہ ایک بہت اعلیٰ پہلو۔ اس ترجمہ کا نام بھی ہے جو اعلحضرت کے بلند ترین علمی مقام و جلالت شان اور ترجمہ کی اعلیٰ صلاحیت و اہلیت کا منہ بولتا ثبوت ہے اور وہ ہے "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن" یعنی ترجمۂ قرآن خزانۂ ایمان۔ جو اسم بامسمیٰ ہے اور اس کے پڑھنے سے واقعی خزانۂ ایمان حاصل اور زائد ہوتا ہے۔ برخلاف دیگر عام تراجم کے جن کے بے خبری میں پڑھنے سے خزانۂ ایمان حاصل ہونا تو در کنار۔ اگر خزانہ ہو بھی تو کم ہو جاتا۔ بلکہ لٹ جاتا ہے۔ علاوہ ازیں کنز الایمان اسم بامسمیٰ ہی نہیں بلکہ مسمیٰ باسم تاریخی بھی ہے۔ جو اس کے عظیم نام کے ساتھ اس کے عظیم الشان کام کی تاریخ کا بھی حامل ہے۔ یعنی سنہ ۱۳۳۰ھ جو ترجمہ قرآن پاک پر اس طرح لکھا ہوتا ہے۔

"کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن"۔ ۱۳۳۰ھ

اس کے مقابلہ میں باقی تراجم بھی دیکھ لیجئے۔ جن پر بالعموم یہی لکھا ہوتا ہے کہ یہ فلاں صاحب کا ترجمہ ہے۔ بس ترجمہ کا اس طرح پورے عربی جملہ میں نام اور پھر اس کا اسم بامسمیٰ اور مسمیٰ باسم تاریخی ہونا تو بہت دور کی بات ہے۔ ترجمۂ قرآن کی یہ بلندیٔ شان اسی کا کام ہے جس کا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نام ہے ؎

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم ○ جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

ترجمہ کا کام

"کنزُ الایمان" کے نام کی طرح اس کا کام بھی فی البدیہہ ایسے تاریخی و الہامی انداز میں ہوا۔ کہ جس کی مثال نایاب ہے۔ سنیئے!

" ترجمہ کا طریقہ تھا کہ اعلحضرت زبانی طور پر آیاتِ کریمہ کا ترجمہ بولتے جاتے اور صدرُ الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی مصنف "بہارِ شریعت" (رحمۃ اللہ علیہما) اس کو لکھتے رہتے۔ لیکن یہ ترجمہ اس طرح پر نہیں تھا کہ آپ پہلے کتب تفسیر و لغت کو ملاحظہ فرماتے۔ بعدہٗ آیت کے معنیٰ کو سوچتے پھر ترجمہ بیان کرتے بلکہ آپؒ قرآن مجید کا فی البدیہہ برجستہ ترجمہ زبانی طور پر اس طرح بولتے جاتے جیسے کوئی پختہ یادداشت کا حافظ اپنی قوتِ حافظہ پر بغیر زور ڈالے قرآن شریف روانگی سے پڑھتا جاتا ہے۔ پھر جب حضرت صدر الشریعہ اور دیگر علمائے حاضرین اعلحضرت کے ترجمہ کا کتب تفاسیر سے تقابل کرتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ اعلحضرت کا یہ برجستہ فی البدیہہ ترجمہ تفاسیر معتبرہ کے بالکل مطابق ہے (اور ان کا نچوڑ ہے) الغرض بہت قلیل وقت میں یہ ترجمہ کا کام ہوتا رہا۔ پھر وہ مبارک ساعت بھی آگئی کہ حضرت صدر الشریعہ نے اعلحضرت سے قرآن مجید کا مکمل ترجمہ کرا لیا اور آپ کی کوشش بلیغ کی بدولت دنیائے سنیت کو "کنز الایمان" کی دولتِ عظمیٰ نصیب ہوئی"۔ (جَزَاھُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی خَیْرَ الْجَزَاءِ) (سوانح اعلحضرت امام احمد رضا صـ۲۷۵)

اوّلیتِ ترجمہ

قارئین کرام کو یہ سن کر خوشگوار حیرت ہو گی کہ "کنز الایمان" کو دیگر خصوصیات کے علاوہ عام تراجم پر اولیت کی فوقیت بھی ہے اور وہ اسطرح کہ "کنز الایمان" ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۱ء میں منظر عام پر آیا۔ اور جبکہ محمود حسن دیوبندی کا ترجمہ ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں مکمل ہوا اور ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۳ء میں منظرِ عام پر آیا۔ باقی اشرف علی تھانوی۔ ابو الکلام آزاد۔ عبد الماجد دریا آبادی۔ اور مودودی وغیرہ کے تراجم تو بہت بعد کی چیزیں ہیں۔ (محاسن کنز الایمان ۱۸)

مقام مترجم

ہم نے تمہیدی طور پر "کنز الایمان" کے جن امتیازات کی طرف اشارہ کیا ہے اور آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ جن کی کچھ تفصیل آرہی ہے اگر ہم اس ترجمہ کے مترجم کا مقام سمجھ لیں۔ تو پھر ان کے ترجمۂ قرآن کے ایسے مشکل کام کو اتنے بہترین انداز میں پیش کرنے پر کچھ بھی اچنبھا نہیں ہوتا کیونکہ مترجم کے مقامِ رفیع کی رفعت کا یہ حال ہے کہ عالمِ اسلام میں ان کو "٭ اعلحضرت امام احمد رضا کہا جاتا ہے ٭ علمائے عرب و عجم نے ان کو اپنا عظیم پیشوا اور مجددِ دین تسلیم کیا ہے ٭ دنیا کے ہر حصہ میں ان کی بریلوی نسبت صحتِ عقیدہ اور عشق

رسالت کی علامت ہے * کم و بیش ایک ہزار تصانیف میں "کنز الایمان" فتاویٰ رضویہ کی بارہ ۱۲ ضخیم مجلدات اور "حدائقِ بخشش" ان کے ایمان و عرفان، علم و فضل اور عشق و محبت کا عظیم شاہکار اور زندہ و پائندہ یادگار ہیں * پچاس علوم و فنون میں انھیں صرف مہارت ہی نہیں بلکہ ہر علم و فن اور فارسی اردو عربی میں ان کی باقاعدہ تصانیف و فتاویٰ بھی موجود ہیں * انھوں نے صرف تیرہ برس کی عمر میں تمام علوم عقلیہ نقلیہ کی تکمیل کر کے خدمتِ دین و فتاویٰ نویسی کا کام شروع کر دیا * انہوں نے اپنی مصروفیات کے باوجود صرف ایک ماہ میں مکمل قرآنِ پاک حفظ کر لیا * انہوں نے حالتِ بیداری میں سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ * ان کے وصال کے موقع پر عالمِ رؤیا میں ان کے آقا و مولا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "احمد رضا کا انتظار ہے"۔ پھر ایسی عظیم و جلیل علمی و روحانی اور برگزیدہ و مقبول شخصیت مجمع البحرین اور منبعِ حسنات و برکات کیوں نہ ہو۔ اور کنز الایمان بہترین ترجمہ کیوں نہ ہو۔ اس عظیم شخصیت کے تفصیل تعارف کے خواہش مند حضرات مرکزی مجلسِ رضا نوری مسجد ریلوے اسٹیشن لاہور سے لٹریچر کے حصول کے لئے رجوع فرمائیں۔ بالخصوص "محاسنِ کنز الایمان" اور "ضیاءِ کنز الایمان" کے حصول کے لئے ضرور رابطہ قائم کریں۔ تاکہ اس ہمہ گیر شخصیت کے متعلق معلومات میں مزید اضافہ ہو۔

خزائن العرفان: (فی تفسیر القرآن) "(کنز الایمان) کے حاشیہ پہ طبع شدہ تفسیر ہے جو ہر طرح "کنز الایمان" کے شایانِ شان ہے اور بہترین ترجمہ کے لئے بہترین تفسیر ہے۔ ترجمہ ایمان کا خزانہ ہے اور تفسیر اپنی تفصیل کے لحاظ سے علم و عرفان کے خزانوں کا مجموعہ ہے۔ یہ تفسیر صدر الافاضل حضرت مولانا محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر ہے جو اعلیحضرت کے عظیم المرتبت خلیفہ و تربیت یافتہ ہیں۔ اور بہت بلند پایہ عالم ہیں۔

مقبولیت: "کنز الایمان" و "خزائن العرفان" کی مقبولیت و شہرت دن بدن عروج پر ہے۔ شاہ فرید الحق صاحب (کراچی) نے اس کا انگریزی زبان میں بھی ترجمہ کیا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب اُسے چھپوا رہے ہیں۔ اور بھارت کے علاوہ پاکستان میں اس وقت کئی اشاعتی ادارے اس کی طباعت و اشاعت میں سرگرم ہیں۔ تاج کمپنی کراچی۔ لاہور۔ ڈھاکہ نے اس ترجمہ و تفسیر کو مختلف سائزوں میں بہت خوبصورت و دلکش انداز میں سترہ ۱۷ اقسام پہ شائع کیا ہے جن کا ہدیہ اس وقت پچاس ۵۰ روپے سے لے کر ساڑھے سات سو روپے تک ہے۔ علاوہ ازیں چاند کمپنی لاہور نے پانچ اقسام پہ اور قرآن کمپنی لاہور نے بارہ اقسام پہ اسے شائع کیا ہے۔ اور مکتبہ رضویہ کراچی دو قسم کی اشاعت کر رہا ہے "کنز الایمان" و "خزائن العرفان" کے تمام ناشرین اس بات پر متفق ہیں کہ اس ترجمہ و تفسیر کی مانگ باقی تمام تراجم سے کہیں بڑھ کر ہے اور اس کی مقبولیت نے تمام تراجم کی اشاعت کے ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔ یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔

تفسیر نور العرفان: "کنز الایمان" تفسیر خزائن العرفان کے علاوہ کافی عرصہ سے تفسیر نور العرفان کے حاشیہ کے ساتھ بھی شائع ہو رہا ہے۔ تفسیر نور العرفان مفسرِ قرآن حضرت مولانا مفتی احمد یار خاں صاحب گجراتی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ہے۔ جو حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے نہایت نامور اور ہونہار بزرگ شاگرد تھے نور العرفان میں خزائن العرفان کی بہ نسبت کچھ تفصیل ہے۔ اور کنز الایمان تفسیر نور العرفان کے ساتھ بھی بہت مقبول ہے اور نوری کتب خانہ لاہور کے بعد مکتبہ اسلامیہ گجرات۔ کامیاب بکڈپو لاہور اور پیر بھائی کمپنی لاہور کی مختلف اقسام کی اشاعت کے علاوہ مکتبہ اسلامیہ لاہور نے اسے پانچ اقسام پہ شائع کیا ہے۔ اس مختصر تفصیل سے "کنز الایمان" کی مقبولیت و اہمیت اور آفاقی شہرت و عظمت

کنز الایمان کی مقبولیت نے تمام تراجم کی اشاعت کے ریکارڈ توڑ دیے

کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اگر کہا جائے کہ باقی تراجم کی مجموعی تعداد سے تنہا "کنز الایمان" کی تعدادِ اشاعت زیادہ ہے تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ

ناکام کوشش: بہرحال "کنز الایمان" اور "خزائن العرفان" کی یہی وہ مقبولیت ہے جس سے بوکھلا کر مخالفینِ اہلسنّت و منکرینِ شانِ رسالت نے بیرونِ ملک بعض غیر اردو دان "عرب لیڈروں" کو اس کے خلاف غلط رپورٹیں دے کر ان کو بدظن کیا اور بعض مقامات پر اس بہترین ترجمہ و تفسیر پہ پابندی لگوانے کی سازش کی اور اس طرح اپنے غلط سلط تراجم پر پردہ ڈالنے اور کنز الایمان کے بالمقابل ان کی اشاعت کی ناکام کوشش کی۔ کاش یہ مخالفین تعصب کی عینک اتار کر "کنز الایمان" کا صحیح مطالعہ کرتے اور سیکرٹری رابطہ عالمِ اسلامی اہلسنّت کو تحقیق و صفائی کا موقع دینے کے بعد کوئی اقدام کرتے۔

بہرحال بیرونِ ملک اس محدود کاروائی سے اس بہترین ترجمہ و تفسیر کی مقبولیت میں کسی کمی کی بجائے انشاء اللہ اس کی مقبولیت و شہرت میں مزید اضافہ ہوگا۔ اسلام کے پودے کو قدرت نے لچک دی ہے۔

اُتنا ہی یہ اُبھرے گا جتنا کہ دبا دو گے۔

شانِ الوہیت کا دفاع: بِسْمِ اللہِ کی برکت میں "کنز الایمان" کے ترجمہ کی خوبی تو پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اب آیئے دیگر تراجم کے مُقابلہ میں شانِ الوہیت کے دفاع و تحفظ ناموسِ رسالت کے سلسلہ میں "کنز الایمان" کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیے۔ شانِ الوہیت کو دل و دماغ میں ملحوظ رکھ کر آیاتِ قرآنی کے مختلف تراجم اور "کنز الایمان" کے ترجمہ کا فرق دیکھئے۔ اور حق و انصاف کا ساتھ دیجیے۔

پہلی آیت: - اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ (پ ۱ رکوع ۲) * "اللہ ان

سے مذاق کر رہا ہے"۔ (مودودی ترجمہ) ٭ "اللہ ہنسی کرتا ہے اُن سے" (محمود الحسن) ٭ "اللہ ان سے دل لگی کرتا ہے۔" (وحید الزمان غیر مقلد)

٭ "اللہ تعالیٰ ان سے استہزاء فرماتا ہے جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔ (کنز الایمان)

دوسری آیت: وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ جَاھَدُوْا مِنْکُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ۔ (پ رکوع ۵) ٭ "اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں اور معلوم نہیں کیا ثابت رہنے والوں کو"۔ (محمود الحسن)

٭ "ہنوز اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا ہو۔ اور نہ ان کو دیکھا جو ثابت قدم رہنے والے ہوں"۔ تھانوی)

٭ "ابھی اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جانا ہی نہیں جنہوں نے جہاد کیا۔ اور نہ صبر کرنے والوں کو جانا"۔ (عبد الماجد دریا آبادی) ٭ "اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا۔ اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی (کنز الایمان)

تیسری آیت: اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ (پ رکوع ۱۷) ٭ "البتہ منافق دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا۔ (محمود الحسن) ٭ "وہ اللہ تعالیٰ کو فریب دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن کو فریب دے رہا ہے۔" (وحید الزمان) ٭ "بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں اور وہی انھیں غافل کر کے مارے گا"۔ (کنز الایمان)

چوتھی آیت: وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ۔ (پ رکوع ۱۸)

٭ "اور وہ اپنی چال چل رہے ہیں اور اللہ اپنی چال چل رہا ہے" (مودودی)

٭ "اور وہ بھی داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا۔" (ترجمہ محمود الحسن۔

وحید الزمان "غیر مقلد) ٭ "اور مکر کرتے تھے وہ اور مکر کرتا تھا اللہ"۔ (ترجمہ مطبوعہ صحیفۂ اہلحدیث کراچی) ٭ اور وہ اپنا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا (کنز الایمان)

پانچویں آیت: نَسُوا اللّٰہَ فَنَسِیَھُمْ (پ رکوع ۱۵) ٭ "یہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے بھی انھیں بھلا دیا"۔ (مودودی) ٭ "بھول گئے اللہ کو سو وہ بھول گیا اُن کو (محمود الحسن) ٭ "وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے انھیں چھوڑ دیا۔" (کنز الایمان)

چھٹی آیت: ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ۔ (پ رکوع ۱۴) ٭ "پھر تخت پر بیٹھا" (ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد) ٭ "پھر قرار پکڑا عرش پر" (محمود الحسن) ٭ "پھر عرش پر قائم ہوا۔" (اشرف علی تھانوی) ٭ "پھر تخت پر چڑھا" (وحید الزمان)

٭ "پھر عرش پر استوا فرمایا جیسا کہ اسکی شان کے لائق ہے"۔ (کنز الایمان)

موازنہ مذکورہ بالا آیات کے تراجم پر غور فرمائیں کہ "کنز الایمان" نے کس طرح ان آیات متشابہات و مشکل مقامات میں شانِ الوہیت کا دفاع کیا ہے۔ اور ترجمہ کو شان الوہیت کے خلاف ہر قسم کے نامناسب الفاظ سے محفوظ رکھا ہے۔ پہلی اور چھٹی آیت میں "یَسْتَھْزِئُ اور اسْتَوٰی" کے ترجمہ میں شایان شان مفہوم جب کسی اردو لفظ میں نہیں آسکا۔ تو وہی قرآنی کلام نقل کر کے ترجمہ پڑھنے والوں کو شانِ الوہیت کے متعلق بے ادبی و غلط فہمی سے بچالیا اور دونوں جگہ اس کے آگے "جیسا اس کی شان کے لائق ہے"۔ لکھ کر شانِ الوہیت کو اور دلنشین کر دیا اس کے برعکس باقی تراجم میں اردو عربی کے اندازِ کلام حفظِ مراتب و شان الوہیت سب کچھ نظر انداز کر کے کیسے عامیانہ طریقہ اور بازاری قسم کے الفاظ ہیں۔ اللہ جل شانہ کا چال چلنا۔ داؤ کرنا۔ مکر کرنا۔ دغا دینا۔ فریب دینا۔ ہنسی مذاق اور دل لگی کرنا بلا جھجک اور بے دھڑک لکھ دیا گیا ہے۔ بلکہ عکسی حمائل شریف

مترجم (مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور) میں پہلی آیت کے تحت مولوی محمود الحسن کے مذکورہ ترجمہ کے حاشیہ پر معاذ اللہ خدا تعالیٰ کے ہنسی کرنے پر مزید لکھا ہے۔ "ہنسی اور تمسخر کا انتساب ذاتِ باری کی طرف بائیبل (انجیل) میں بھی ہے۔" میں تمہاری پریشانیوں پر ہنسوں گا۔" اور جب تم پر دہشت غالب ہوگی تو میں ٹھٹھے ماروں گا۔ بلفظہٖ۔ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ یک نہ شد دو شد۔ ایک تو پہلے ترجمہ غلط۔ دوسرا تحریف شدہ بائیبل کے بالکل بازاری و عامیانہ ترجمہ سے تائید۔ تیسرا خدا تعالیٰ کا اپنی مخلوق کی پریشانی پر ہنسنا اور ان کے دہشت زدہ ہونے پر ٹھٹھے مارنا۔ یہ کلام خداوندی کا ترجمہ ہے۔ یا کوئی ناول نویسی و افسانہ نگاری۔ ایسی باتیں تو ایک عام متقی و شریف آدمی کے اخلاق سے بھی بعید ہیں۔ چہ جائیکہ خدا تعالیٰ ہی کیطرف انکو منسوب کر دیا جائے۔ اور وہ بھی ترجمہ قرآن کے نام پر۔ علاوہ ازیں مذکورہ تراجم میں یہ تاثر دینا کہ خدا تعالیٰ بھول جاتا ہے۔ بھلا دیتا ہے۔ اور واقعہ کے وقوع سے پہلے نہ اسے معلوم ہے۔ نہ وہ جانتا ہے۔ نہ دیکھتا ہے۔ کس قدر شانِ الوہیت کی تنقیص و بے ادبی ہے اور چھٹی آیت کے ترجمہ میں خدا تعالیٰ کا عرش و تخت پر قرار پکڑنا تخت پر بیٹھنا۔ قائم ہونا اور چڑھنا بھی شانِ الوہیت کے کتنا مخالف ہے۔ ہر مسلمان و اہلِ علم جانتا ہے کہ ایسی حرکات جسم سے متعلق ہوتی ہیں اور ذاتِ باری تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔

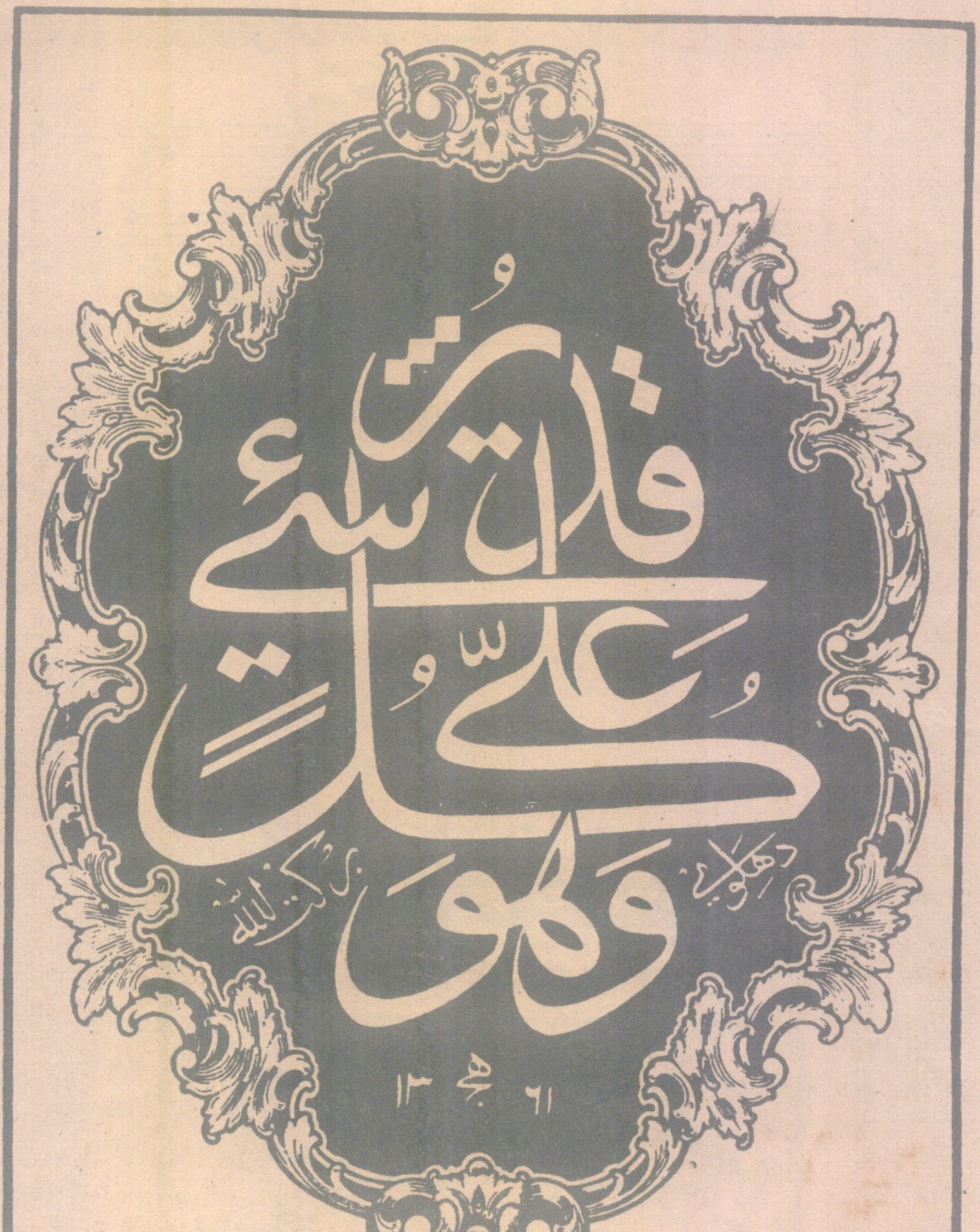
الغرض! یہ ہے "کنز الایمان" و دیگر تراجم میں فرق و موازنہ کا مختصر نمونہ جس کی اور متعدد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ ہم نے اختصار کی بنا پر "کنز الایمان" کے بالمقابل دو چار مشہور تراجم (مکاتبِ فکر) کا ذکر کیا ہے۔ ورنہ "کنز الایمان" کے علاوہ اردو کے تقریباً سبھی تراجم میں اسی طرح شانِ الوہیت سے لاپرواہی و بے احتیاطی کی گئی ہے۔ اور انھی غیر ذمہ دارانہ تراجم کی آڑ میں دشمنانِ اسلام نے "ستیارتھ پرکاش" وغیرہ کتب میں خدا تعالیٰ اور اسلام و پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف ہرزہ سرائی کی ہے۔ مگر تعجب ہے کہ تراجم کی آڑ میں شانِ الوہیت کے خلاف یہ سب کچھ لکھنے چھاپنے اور دشمنانِ اسلام کو غلط مواد مہیا کرنے کے باوجود یہ لوگ پھر بھی اہلِ توحید اور موحد کہلائیں اور شانِ الوہیت کے دفاع کا ضامن "کنز الایمان" قابلِ ضبطی قرار پائے۔ اور "خاک بدہن ناپاک" "کنز الایمان" والوں کو بدعتی و مشرکین سمجھا جائے۔ تیسری آیت کے تحت "کنز الایمان" میں شانِ الوہیت کے دفاع کا یہ پہلو بھی ملاحظہ ہو۔ کہ "بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں۔ یعنی اللہ کی شان تو یہ ہے کہ نہ اسے کوئی دھوکہ فریب دے سکتا ہے۔ نہ وہ کسی کے دھوکہ فریب میں آسکتا ہے۔ یہ تو منافقین کا اپنا ناپختہ گمان تھا۔ کہ "وہ اللہ کو فریب دینا چاہتے ہیں"۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ۔ کیا کسی موحد کے ترجمہ میں بھی اتنی احتیاط و باریک بینی اور عقیدۂ توحید کی ایسی رعایت پائی جاتی ہے! نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ شرف و اعزاز اور بہتری و خوبی اور لفظ و معنیٰ کے موقع محل کی پہچان "کنز الایمان" کا ہی حصہ ہے۔

ناموسِ رسالت و عصمتِ نبوت | **پہلی آیت:** وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی (پ ۱۶ رکوع ۱۶) ✱ "آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور راہِ راست سے بھٹک گیا۔" (مودودی، ثناء اللہ امرتسری) ✱ "اور حکم ٹالا آدم نے اپنے رب کا پھر راہ سے بہکا۔" (محمود الحسن) ✱ "اور نافرمانی کی آدم نے اپنے رب کی پس گمراہ ہوگیا۔" (ترجمہ مطبوعہ صحیفۂ اہلحدیث کراچی) ✱ "اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔" (کنز الایمان)۔

دوسری آیت: لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (پ ۲۶۔ رکوع ۹) ✱ "معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے۔" (محمود الحسن، ثناء اللہ، وحید الزمان) ✱ "تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دے" (تھانوی) ✱ "تاکہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے۔ تمہارے (امت کے) اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔" (کنز الایمان)

تیسری آیت: وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى (پ ۳۰ رکوع ۱۸) ✱ "اور تمہیں ناواقفِ راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی۔ (مودودی) ✱ "اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سجھائی (محمود الحسن) پہلے آپ دینِ حق سے بے خبر تھے۔ (حاشیہ مطبوعہ غلام علی) ✱ "اور تمھیں گم کردہ راہ پایا تو تمھیں ہدایت کی۔" (مرزا حیرت غیر مقلد) اور اس نے تجھ کو بھولا بھٹکا پایا پھر راہ پر لگایا۔" (وحید الزمان) ✱ "اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا۔ تو اپنی طرف راہ دی۔" (کنز الایمان)

موازنہ: پہلی آیت کے تحت حضرت آدم خلیفۃ اللہ صفی اللہ اور دوسری و تیسری آیت کے تحت خود حضرت محمد رسول اللہ حبیب اللہ (علیہما الصلوٰۃ والسلام) کی معصوم و مقدس ذات پر نام نہاد تراجم میں معاذ اللہ۔ بہکا۔ بھولا بھٹکا نافرمان۔ بے خبر و ناواقف اور گمراہ و اگلے پچھلے گناہوں اور خطاؤں کے الفاظ کا کس بے دردی و بے باکی کے ساتھ اطلاق کیا گیا ہے اور یہی نہیں جہاں جہاں بھی اس قسم کے مواقع آئے ہیں۔ نام نہاد تراجم نے موقع (محل) حفظِ مراتب اور شانِ الوہیت و ناموسِ رسالت کو نظر انداز کر کے اسی طرح بے احتیاطی و لاپرواہی برتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا مذکورہ تراجم شانِ الوہیت و منصبِ رسالت و نبوت کے منافی نہیں ہیں؟ کیا اس سے بہتر اور متبادل الفاظ نہیں مل سکتے؟ کیا مفسرین نے ان نازک مقامات پر بہتر پہلو استعمال اور پیش نہیں کئے؟ پھر اس قدر عامیانہ و گھٹیا الفاظ کے استعمال کا جواز کیا ہے؟ اس مقام پر ہم شانِ الوہیت و ناموسِ رسالت کا لحاظ کریں۔ یا غلط کار مترجمین کی "شخصیت" کو ترجیح دے کر شانِ الوہیت و ناموسِ رسالت سے آنکھیں بند کر دیں! ظاہر ہے کہ غلط تراجم و مترجمین کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے نہ کہ شانِ الوہیت و ناموسِ رسالت کو۔ قابلِ ضبط و لائقِ مذمت غلط تراجم ہیں نہ کہ "کنز الایمان" جس نے ہر موقع پر شانِ الوہیت و ناموسِ رسالت کا تحفظ و دفاع کیا ہے **الغرض** ہم نے بالاختصار دو عنوانات کے تحت تراجم کا جو موازنہ پیش کیا ہے اس سے پورے قرآن کے ترجمہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ دیکھیے غلط تراجم کے بالمقابل ان آیات میں "کنز الایمان" نے قلم کو حد ادب میں رکھ کر کسطرح عصمتِ نبوت کا تحفظ کر کے ثابت کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء و خلفاء علیہم السلام، اعلانِ نبوت سے قبل و بعد صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔


وهو على كل شيء قدير
١٣٦١ هـ

عمل الشيطن فاجتنبوه لعلكم تفلحون انما يريد الشيطن ان يقع بينكم العداوة والبغضاء فى الخمر و الميسر

(O, e who believed strong drink and games of chance and idols and divining arrows are only an infamy of Satan's hand work. Leave it aside in order that you may succeed. Satan seeketh only to cast among you enmity and hatred by means of strong drink and games of chance).

Not only clear directives have been given to get one self free from these vices, the Quran also asks whether they have attained freedom from committing such vices.

فهل انتم منتهون

(Will you then have done).

It is not a hidden fact that the present generation with illicit habit of drinking and use of narcotic articles stand in a situation which is choatic and threateniny for the total eradication of mankind. The evernew inventions and popularity of things like heroine and charas etc. and economic exploitation in terms of their use as commercial commodities has put the modern generation into dangerous situation which will result in the annihilation of human race and human civilization.

Islam promulgated these very principles as action system more or less 1400 years ago. The idea was to evolve the life of mankind individually and collectively, on these principles. Consequently, these principles are actualized as a system by Islam. They are not theories or beliefs but they are actions and day to day realities of life. The logic which is involved in such a impirical order is to create a balance and order in the society and to judge the people accordingly in a way to impose punishment to the miscreants and to award those who abide by these social imperatives.

In fact these laws and principles are universal. Everywhere the same principle is dominated. It is the attainment of peace; order, balance, harmony and consolidation.

The logic of this order should be seen in this frame work of reference that the social order plan in these principles was an order of peace, honour, dignity of mankind security of property, privelege of equality and balance. In this way we shall able to stablish a society which should be based on truth, a society having paradise on earth.

thing which requires attention is the fact that while imposing the punishment for such illicit act no mercy of any kind is to be shown to the criminal. The second thing is that they are not only to be punished but the crime is to be publicized. The idea behind publicity is to give a moral lesson to the public and mind is to be cultivated for restraining to commit such a vice. In this way the adultory or Rape will be restrained and no one will dare even to think of commotting such a crime.

The fourth principal is not to speak lie. The Quran declares a liar as a vulnerable person and a stigma of rebuke in order to keep the other member of the society away from speaking lies. If you receive any news or any statement by liar, reputed in speaking lies, his statement should not be taken as valid without evaluation and judgement. The idea behind this order is that by accepting the lie of any one without verification the situation may not be complicated and you may not be confronted with anything uncalled.

يا يها الذين امنو ان جاءكم فسق بنبيا فتبينوآ ان تصيبوا قوماً بجهالة
فتصبتوا على ما فعلتم ندمين

("O ye who believe: if a liar brings you tidings varify it. lest ye smit some folk in ignorance and afterwards repent at what ye did"). This not enough, But in Islam. In terms of the value of typology of lie, bigger, punishment has been imposed i.e., if any person charges any pure and chastise women for committing adutery without clear proof and evidence, such a person will be liable not only physical punishment but he is also to be mentally stigmatized. I quote here the following verse to prove the logicality and virtuality of my statement above.

والذين يرمون المحصنت ثم لم ياتوا باربعة شهدآء فا جلدوهم ثمنين جلده
ولاتقبلوانهم شهادة ابدا واولئک هم الفاسقون

("And those who accuse honourable women but bring not four witnesses, securing then (with) eighty stripes. And move (afterward) accept their testimony. They indeed are evil-doers").

The fifth principle is in relation of hard drinking and usage of narcotic articles. Islam imposes restriction to all users of anything which sealed the mind and human rational understanding. Undoubtedly it is a fact with the use of all marcotic things, man is sure to loose mental balance and turns into demoralized beings. On the basis of these facts the Quran has given definitive orders to keep away from the use of drinking wine and narcotics using ordinary.

يا يهاالذين امنوا انما الخمر والميسير والانصاب والا زلام رجس من

iscussing the philosophy of Quranic laws of punishment and its role in the establishment of peace:

In my opinions there are five basic principles which may be considered as the causes of rise and fall of any society. They are:

1. No human life should be devastated nor any one should be killed.
2. No property of any one should be stolen.
3. No adultery is to be committed.
4. None should speak lies.
5. None should use narcotics.

The first principlelaid down that killing should not be made by any one. This is a clear indication that peace was not distrubed when one is restrained from either killing one human individual or the entire human society.

I would like to quote the Islamic philosophy in this direction giving fuller exposition in the following beautiful words.

ولكم فى القصاص حيوة يا ولى الالباب

("And there is life for you retaliation, O men of comprehension"). In Islam the clear and intentional murder implies the immediate killing of the men who did the act of murder; This is called the killing for killing other. In Islamic juriprudence, this is called "Qisas".

How beautifully the murders or killing others has been called the invigoration (or renewal) of life. The idea behind this concept is to inculcate the idea, that, if anyone is going to kill other he will equally have to face, the same punishment. This will never allow anyone, to commit murder. In this way the lives of all human beings will be saved from the cruel act of murder.

The second principle is related to the safety of property. This should be either in terms of coins or food stuffs. To preserve the safety of property Islam Strictly prohibited theft. In this connection, the Islamic law for theft is so strict that no one may dare to think of commiting theft. While giving expression to this philosophy; the Quran definitely indicated that in the punishment of the theft.

Among the principles of peace the third one is related to chastity. This means restrain from adultery; In Islam the highly strict punishment has been imposed for those who commit prostitution or illicit sexual intercourse without marrying a lady. The punishment is hundred stripes for both male and female who are proved to be guilty of this crime. While imposing this punishment no mercy is to be shown. "The punishment should be carried out in the presence of in order to teach them a moral lesson" (6) The prostitution which has been prohibited and the punishment imposed by Islam has its own philosophy which requires clear understanding. The first

PHILOSOPHY OF QURANIC LAWS OF PUNISHMENT

*Dr. A. Rashid**

It was in December last when our Vice-Chancellor circulated amongst us the invitation of the President of Pakistan Philosophical Congress' Dr. C.A. Qadirs requesting us to send the names of Professors for participation in the 25th Annual Silver Jubilee Session of the congress. I read the invitation with great interest and Dr. Qadir's following words inspired me to attend the Conference.

''You know that for world peace as well as for better understanding of life and its problem, it is important to keep interest in philosophy at a high level.''

On my return from India, I wrote, for this Conference, a paper entitled ''Philosophy of Tauhid and its impact on the Social life of Muslims''.

When Almighty God decided to create the man as His vicegerent of Allah on earth, the Angels submitted that He was going to create on earth a creature who will be a source of mischief and disturbance on the surface of the earth.

قالو اتجعل فيها من يفسد فيها و يفسک الدماء

(''They) said: wilt thau place therein one who will do harm therein and will shed blood'').

After bearing this remark, Almighty Allah made the Angles quiet and stated that you creature, do not know any thing, while I understand fully what you know not.

قال انی اعلم مالا تعلمون

(''Surely I know that which Ye know not''.)

It clearly indicated that this vicegerent of Allah on earth will do work which would make them simply astounded.

After the advent of Adam, Almignty Allah with his own mercy, kept on sending the Holy apostles for guidance of mankind from time to time. These dedicated personalities turned the Earth into Heaven. They gave such moral and ethical teachings to mankind which made the earth a place of peace and tranquillity.

But as we know there do exist in every age a group of people who prove to be enemies of peace and who cannot be reformed. It is to these people that strict punishments should be given so as to maintain law and order in the society. Much can be said on this point but I shall confine myself to the following five basic principles. while

**Paper presented at 25th Annual Silver Jubilee Session of the Pakistan Philosophical Congress held in Lahore (April 27-29, 1985)*

doubting ones Almighty God poses again and again the question:

"Then which of the favours of your Lord will you deny?" (Qur'an 55:13 etc.)

PARADISE AND HELL

Paradise will be the home of the righteous, in the hereafter. They are called at one place "Companions of the Right Hand". Qur'an Majeed floridly describes the environment in their final abode, Paradise, as follows:

"(They will be) among Lote trees without thorns, among tall trees with flowers (or fruits) piled one above another, in shade long-extended, by water flowing constantly, and fruit in abundance, whose season is not limited, nor (supply) forbidden, and the Thrones (of Dignity) raised high." (Qur'an 56 : 28 - 34).

In sharp contrast, comes the word-picture of Hell, the final abode of those who disbelieve and lead a vicious life in this world:

"Verily the tree of Zaqum will be the food of the Sinful, like molten brass it will boil in their insides, like the boiling of scalding water. (A voice will cry): Seize you him and drag him into the midst of the Blazing Fire! Then pour over his head the Penalty of Boiling Water: Taste you (this)! Truly were you might, full of honour! Truly this is what you used to doubt." (Qur'an 44 : 43 - 50).

Having given us the senses, intellect and reason, and having explained the phenomena of life and death, good and evil, right and wrong, piety and sin, Paradise and Hell, God



DAY OF RESURRECTION

We have mentioned before the Day of Resurrection, when the death will be raised up and man will finally appear before God to render account of his this-wordly deeds. Qur'an Majeed describes it as "the day of noise and clamlour", as follows, to a stunning effect:

"*The (Day) of Noise and Clamour: What is the (Day) of Noise and Clamour? And what will explain to you what the (Day of Noise and Clamour is? (It is) a Day on which men will be like moths scattered about and the mountains will be like carded wool.*" (Qur'an 101 : 1-5).

On this fitful Day, contented and satisfied will be only those who, in their wordly life, obeyed God, distinguished between the Right and Wrong, and followed His path of goodness and virtue. Again the scene of turmoil of the Day of Resurrection is drawn vividly and forcefully, as follows:

"*When the Sky is cleft asunder; when the Stars are scattered; when the oceans are suffered to burst forth; and when the Graves are turned upside down; (then) shall each soul know what it has sent forward and (what it has) kept back.*" (Qur'an 82 : 1-5).

LIFE AND DEATH

God warns man that the life of this world is transient. It is a temporary show of material pomp and glory destined eventually to decline and fall. It has been illustrated, in terms of nature, as follows:

"... *How rain and the growth which is brings forth, delight (the hearts of) the tillers; soon it withers; you will see it grow yellow; then (it) becomes dry and crumbles away...*" (Qur'an 57 : 20).

All such signs and phenomena of nature point to the Supremacy of God and to His exquisite creation. The Divine purpose is to educate man for his spiritual betterment and to make him reflect, so as to realise his station in life and offer his grateful thanks to his munificent Creator. To the

SIGNS OF GOD

Qur'an Majeed speaks again and again about God's signs in nature which inevitably beacon human mind towards their Creator. For example, the following verse portrays wondrous celestial order created by God:

"*God is He Who raised the heavens without any pillars that you can see; (He) is firmly established on the Throne (of Authority); He has subjected the sun and the moon (to their law)! Each one runs (its course) for a term appointed. He does regulate all affairs, explaining the Signs in detail, so that you may believe with certainty in the meeting with your lord.*" (Qur'an 13 : 2).

This meeting with the Creator is to take place on the inevitable Day of Resurrection, more about which later.

MIRACLES

It is said that one of the ancient doorkeepers of Ka'bah had a ladder by which he used to profess to climb up to God in order to receive Divine oracles! Arab pagans so often used to ask the Prophet of Islam to demonstrate to them miracles. The anxiety of the Holy Prophet (S) to satisfy the infidels, in the hope to win them over to Islam was allayed by God Almighty saying that God's miraculous signs could not occur for anyone's mere asking. They would come by God's Will alone. This phenomenon is explained in a Qur'anic verse containing a piece of superb imagery inlaid with cute metaphors, as follows:

"*If their spurning is hard on your mind, yet if you were able to seek a tunnel in the ground or a ladder to the skies and bring them a Sign, (what good?). If it were God's Will, He could gather them together into true guidance; so be not you among those who are swayed by ignorance (and impatience of the unbelievers).*" (Qur'an 6 : 35).

J.M. Rodwell writes:

"It must be acknowledge, too, that the Qur'an deserves the highest praise for its conceptions of the Divine nature, in reference to the attributes of Power, Knowledge and universal Providence and Unity - that is belief and trust in the one God of Heaven and Earth is deep and fervent."

Qur'an Majeed is not purported to be a piece of literature, but it nonetheless abounds in delicate literary usage and style which help bring home the Divine Message with lucidity and clarity. Imagery is one of the generous used in this behalf so as to facilitate understanding of the meaning of the Word of God.

IMAGERY

Imagery comprises figurative illustration of a theme. Generally speaking, it makes use of language to represent objects, actions, feelings, thoughts, ideas, states of mind and any sensory or extra-sensory experience. Qur'an Majeed, however, does not use imagery as a measure of "art for art's sake," but to heighten the impact of the Divine Message on the imaginative and receptive human mind.

Qur'anic imagery is not a literary pursuit but a means to illustrating God's intent and purpose of creation in a figurative, poignant and pithy manner of speech. It aims not at any poetic ornamentation of words or ideas. It has been applied to picturesquely reveal the truth in letter and spirit. Herein the literal, perceptual, and conceptual are integrated together.

The sublime simplicity, piercing force, pictorial narration, and enchanting beauty of Qur'an Majeed lie fundamentally in its Message itself. The literary expression is subservient to Divine purpose. It is not meant to over-ride or overshadow the purport of the basic Message. We give below a few examples of Qur'anic imageries to explain this point of view.

IMAGERIES OF AL-QUR'AN

By M.M. Ansari (Journalist of Karachi Pakistan)

NOT USED AS A MEASURE OF 'ART FOR ART'S SAKE'

Someone has aid, "Style is the man himself". In other words, an author is identified and known by the style of his writings. And therefore where God Himself be the author, His revealed Scripture is bound to be one of the many sure tokens of recognition of God's Being. This is what is believed by the Muslims with reference to Qur'an Majeed, a Miracle for all time. Its beauty has deeply impressed even many eminent non-Muslim critics of literature and connoisseurs of literary style.

To cite only a few of them, the great German philosopher-poet Goethe - writes about Qur'an Majeed,

"How often we turn to it, it soon attracts, astounds, and in the end enforces our reverence. Its style, in accordance with its contents and aims, is stern, grand, forcible - ever and anon truly sublime."

George Sale observes:

"The style of the Qur'an is generally beautiful and fluent - It is concise - enlivened with florid and sententious expressions - sublime and magnificent."

G. Margoliouth says:

"The Qur'an admittedly occupies an important position among the great religious books of the world. Though the youngest of the epoch-maing works belonging to this class of literature, it yields hardly to any in the wonderful effect which it has produced on large masses of men. It has created an all but new phase of human thought and a fresh type of character."

results in keeping a considerable number of Muslim children deprived of Islamic education being provided in the Mosques or other schools.

(2) Adult Education:

Muslim parents do not have sufficient religious knowledge and therefore they themselves do not know how to present the teachings of Islam in a scientific way, to their children. Hence there should be a well organised system of Adult Education for Muslim parents so that they may know what and now they have to inculcate in their children.

Stage B:

The 2nd Stage is from 6 to 14th year of life. At this stage, the responsibility for creating a sense of duty and formation of good habits lies not only with parents but also with teachers. The teachers should keep themselves perfectly in the fold of Islamic standards and they should reflect the moral and ethical values of Islam in all of their activities.

At this delicate point, I must mention some of the suspicions put forward by a number of educationists about the majority of teachers involved in the present system of religious education in our Mosques.

At present, majority of the teachers, which are in many cases Imams as well, have directly come from Indo-Pak Sub-continent. They have brought in with them their own techniques and standards and are suspected not to cope with the complexities of modern and particularly western society. Therefore I also suggest to look over the possibilities of establishing such training centres in Europe where these teachers may get trained for modern and effective techniques of teachings.

HADITH

1. Jaber and Huzaifah reported that the Messenger of Allah said: Every good deed is charity.—Agreed.

2. Abu Zarr reported that the Messenger of Allah said; You must not despise a (trifling) thing of good deed, although it be your meeting with your brother (Muslim) with a cheerful countenance. —Muslim

Europe. What is going on with our Turkish Muslim brothers in West Germany? What is happening with our Moroccon Muslim brothers in Holland and Belgium. And what have, our Al-Jazirian Muslim brothers, lost in France. These tragedies are already known to those of us who are working in the field of multi-cultural education. Here in Britain, the problems we are facing, is also known to us. Muslims of India, Pakistan, Bangladesh and other countries have lost a reasonable number of their girls and boys in this country in terms of Islamic way of life and thinking.

For these unfortunate developments and moral crises of our community, I am not going to blame our Ulema and Imams. I don't want to blame our organisations and their administrators as well. But it is a fact that there is something definitely wrong in the system which is inadequate to build up character and to produce a nation whose members are men of integrity and deep sense of responsibility.

In this, historic and first of its kind, "Conference of Mosques and Imams in Europe" organised with the good offices of Islamic Call Society of Libya, bearing in the mind the whole situation and nature of the problem, I would like to suggest some guidelines with two stages by which the work of character-building and induction of self pride may be carried out among our children and youth.

Stage A:

The first stage is from birth to the 6th year of life. It is during this period that the foundation of character is laid, and the responsibility of laying it lies with the parents. But the parents themselves lack character, they sow the seeds of irresponsibility and falsehood rather than of discipline and integrity. Taking into consideration the specific nature of Muslims in Europe, who have come here for economic reasons and majority of them belong to the labour class and are not suitably qualified to meet the challenges of a highly industrialised urban society, the following steps may help in solving the problems.

(1) Free religious education:

In most of the Mosque-based schools a fee is charged to subsidize the wages of teachers and Imams, because there is no reasonable financial support available by our rich Muslim countries. Muslim parents do not realize the importance of religious education and furthermore mostly being in a low-income group, they are not enthusiastically prepared to pay any fee for this religious instruction. It

ISLAMIC EDUCATION FOR MUSLIM CHILDREN AND YOUTH IN EUROPE

Mohammad Shahid Raza, Imam
The Islamic Centre, Leicester England, U.K.

PAPER presented in the "Imam and Mosques Conference" held on 22-24 April 1983 at Wembley Conference Centre LONDON.

بسم الله الراحمن الرجيم

Mr. Chairman, distinguished guests, respected Imams, My dear brothers, All of us are fully aware of the fact that, we Muslims living in Europe like our brothers living in other parts of the globe, irrespective of our country of origin and our sectarian affiliations, sincerely wish to have an up to date and well organised system of Islamic education for our children and youth. Because this is the only way by which we can retain and develop Islamic identity and cultural dignity in this part of the world.

Since our arrival in Britain and other European countries, we have constantly been trying to establish our own independent religious schools and cultural institutions. According to a rough estimate, at present nearabout 350 mosques or house based, part-time (some of course full-time) religious schools are being run by Muslims in Britain alone. I think, without any difference of opinion, all of us agree that the purpose of these schools is to transfer religious, cultural and moral values of Muslims (in other words of Islam) from one generation to another. Therefore, these schools are supposed to be the fountain-heads of Islamic education and radical centres of cultural nourishment for Muslim children and youth. These schools have been established with a definite and dynamic purpose of bringing moral upliftment and ethical upbringing into our society.

But with due respect to all the participants of this conference, it is a fact that despite the increasing number of Mosques and schools, conferences and seminars, discussions and discources, proposals and resolutions, our children and youth are loosing their moral talents and ethical standards. Their character is being subjected to an unbelieveable catastrophe which has already spoiled our young generation and is going to spoil our religious and cultural future throughout

hours of dawn then we are awakened to offer prayers and for that this incentive is given that a person who has offered morning and night prayers in congregation it means that he has passed all his night in prayers and worship. In the same way the prayers of afternoon, before evening (Asr), and evening are such that during these hours people are often engaged either in their business or entertainment, and suddently there is a Call for Prayers and the human being is asked to offer Prayers to Allah, although it may be undesirable to the requisites of self. In a year Muslims observe fasts for a month and remain hungry and thirsty from dawn to dusk and they are also asked to keep away from their sexual desires. Haj is wholly a name of physical labour, and a sacrifice of pleasures and comforts of life. By making payment of (poor due) obligatory, Muslim has been given a test for his love of wealth and by telling the good qualities of alms and charity remedy or treatment of miserliness is suggested.

By Jihad, a man has been urged not only to sacrifice his pleasures and comforts of life but also to remain patient with the troubles and to sacrifice life even at the altar of truth. Among all these tenets of worship or prayers there is no such prayer in which the Holy Prophet himself did not participate alongwith a very big majority of his companions.

In this manner as a result of practical training and education the group which was prepared, in it all the individuals held good character and were persons having graceful personalities, whose character was exemplary for others.

This overall programme of the construction of the personalities of Muslim inspite of the differences of individual ability or potentiality, was actually is the product of a novel objective and method, the example of which is not available in any other system of education of this universe. By establishing practically a high, pure and pious society, actually the Holy Prophet has touched those stellar heights of education which has never been attained from Plato to the present day Philosopher and Reformers & Politicians of the world at large.

HADITH

Amr-b-Abi Salamah reported: I was a boy under the care of the Messenger of Allah, and my hand was unsteady in the cups; so he said to me: Eat with your right hand and eat from what is near you.

—Agreed.

"It is beyond doubt that the harbinger of the Caravan never tells a lie to his companions. And By God, if I would have been speaking lies with all human beings, I would not have spoken them to you and If I had been deceiving the entire humanity I would not have deceived you."

"I swear that God—there is no God except Him, I have come as a Messenger of Allah specially for you and towards all other human beings generally."

"By God as you go to sleep in the same way you will die one day and as you rise after sleep, similarity you will be arisen on the Day of Ressurection. And you will be accounted for your deeds surely and will receive a reward for good deeds and bad reward for evil deeds. And this reward will either be Heaven for Eternity or Fire of the Hell for the everlasting period."

If the awareness of the reality of Universe and human life is the basic object of education, then to prepare human beings for a proper action according to its place is another basic object of education. All the endeavours of the Holy Prophet (peace be upon him) in connection with his followers and devotees are directed towards this target. Our Prophet has declared that the standard of action should be 'Revealed Leading'. Therefore there is great wisdom in his saying "That person is Wise and careful who considers his self as unreal and insignificant and keeps it under his control. And that person is misled who is a slave of his souls desires, and inspite of it wants to have blessings from Allah." Only for this reason the third important object of the Holy Prophet's teachings was "Self-purgation". Purgation means to keep any thing clean, pure and crystal-clear. According to the Holy Quran the human-being possesses the tendencies of Good and Evil both at a time. Therefore it has been said:

"We have created the Human Being in the best manner, and then we have returned him to the lowest depths, excepting those people who expressed their belief and performed good deeds."

In the objectives of education of the Holy Prophet (peace be upon him), great importance has been given to the control over animal desires and motivations. Therefore he has repeatedly condemned the blind following of desires, tyranny, haughtiness, to humiliate others and to jear at them, gluttony, unbridled sexual satisfaction, nakedness, frugality, misery, anger and cowardice etc, and had instructed from time to time to protect one's self from them.

If you could visualise in a broader prospective, then all the Islamic Prayers are the exercises to control the motivations of our baser selves. When there is a preponderance of sleep in the early

for another valley full of wealth. Yes if anything could fill his belly is only a handful of dust. Moreover it is a fact that for Allah the reality of the world is not more than the wing of a Mosquito."

The Holy Prophet (peace be upon him) held a very deep concept of the nature of human being hence without a proper training and education a man cannot be stopped from becoming a taste-loving social animal. Therefore he said, "That two hungry wolves donot harm the goats so much as the craving of human being for wealth and power damages the religion." Keeping aside the craving for wealth, Islam has never aimed for escaping from the pure things and bounties of Allah.

This saying of the Holy Prophet is worth-noting that all the universe has been made for me as a mosque. It means that as other theologies and their followers considered the "Place of Worship" as pure and holy and the rest of the disruptive world as defiled, Islam has finished this dualism and made the entire world as the place of Worship of God.

The Holy Quran declares the human beings as the caliph of God or his Assistant, from this we understand that this duty has been assigned to human being that he may rule over this world according to the Will of God. Thus the object of education must be that it prepares the man to rule over the world as the caliph or Assistant of God. Now when the caliphate of God is not limited to any individual or group, but this honour has been bestowed upon the entire human race, therefore the first step of education should be that it must create in the individual and entire human race, a concept of the consciousness of Caliphate and Assistant, its responsibleties duties and requirements, must be clearly created. Quran itself determines this character of human being and according to it is to subjugate his will according to the Will of God, and this is actually Islam. And to contradict it is infidelity and misleading. "And the persons who do not decide according to the commandments of Allah are infidels."

The conception of one's place in the universe is the basic object of education. Not only it has been pointed out at several places in the Holy Quran but the Holy Prophet (peace be upon him) right from his inception of Prophethood to his last moments repeated this conception off and on. This was perhaps his maiden speech in which ...ed the fundamentals of his education and training before a gathering.

"All praise is for Allah, I praise Him also; and demand His assistance, His shelter, and rely upon Him. I bear witness that there is no God except Allah, He is one and He has no partner."

of the Holy Book. Now the question arises that what are the objectives of this education. We can divide the objects of education into two parts. *Immediate Objects*—as to prepare people for some artistic skill or trade to earn their livelihood or to accomplish the material and cultural requisites on national level.

Ultimate Objects: We can include the objects of propagating good deeds in the society to create peace and homogenuity in the society. It is evident that the object of the Holy Prophet's education is not related with the immediate objects, but it was connected with the ultimate objects of education.

Among the ancient Philosophers Plato has written in detail about the method and object of Education. According to him the basic object of education is to prepare "Guardians" and to prepare them for running the government of the country. His ideal state was Aristocracy and the bringing up and nurture of this Aristoratic section of society was the basic theme of his treatise called 'Republic'.

According to Aristotle the basic object of educating and training an individual or a state is to obtain happiness. Evidently these objects of Education are very limited. To ransack the entire population in search of ruling, aristocrats, and to rotate the entire system of education around this very orbit does not give an idea of justice with all the sections of the human society. Moreover it is correct beyond any doubt that the attainment of happiness is the basic urge of human life, but too much emphasis on it and to make this the centre for all endeavours shall not only bring into existence a society which shall be unbalanced, but it shall raise all those questions which emerge under the philosophy of happiness generally. For example whose happiness shall be the objective, and attainment of what kind of happiness, higher or baser. The most renowned educational philosopher of the present era has declared the object of education as practical, in his opinion the object of education is nothing else, except the mental upbringing of the individual.

This concept of education gave birth to purposeless progress and frustration and destruction in the Western World. On another side this conception of education created a feeling of despondancy in the societies of under developed countries. Hazrat Muhammad (peace be upon him) never preached to run away from the world and its materialistic things and tastes, but he has declared that the desire for worldly things is condemnible and he has created hatred against unnecessary requirements. This saying of the Prophet points out towards that direction that "nothing could satisfy the son of Adam, if he possesses wealth equivalent to fill two valleys, then he will crave

While speaking on the topic of education our mind is diverted towards three basic requirements, and they are objects of Education, method of Education and system of education. The allegory referred to just now throws light on all the three aspects. Here the objective of education is to infuse among the addressees consciousness of a purposeful and beneficial life, whether conditions may be adverse to them. The method of education may be so that the pupils may become interested. So far are the system of education is concerned we observe that it is unceremonious. Here there is no classification of students according to age, syllabus and class-room.

Not only the method of Education of the Holy Prophet (peace be upon him) was different from the methods of education of his time but also his objects of education were quite different against the general objectives. And therefore this thing is quite natural that his personality was multifacet and of multiqualities, and therefore his basic status was that of a teacher. Thus he said:

"I am really sent as a teacher."

This status is according to the prayer of Hazrat Ibrahim R.A. and Hazrat Ismail R.A.

"O, My Lord, sent a Messenger among our successors from our progeny, who may recite your verses before them and may impart education of the Book and Wisdom and may make the people pious as You are Almighty and All-knowing." (2:129)

Under this observation the incident of the prophethood of Hazrat Muhammad (peace be upon him) is a unique incident of human history. Arabia was the most depressed class of human society of the known world of that period. Most of the people of this region were illiterate and backward. And then to impart education and wisdom to the human beings, the person who was being selected has neither been a pupil of any teacher, nor has learnt any thing from any one. The greatest miracle in the personality of the Holy Prophet was that he was unlettered (Ummi).

He was illiterate, but he was responsible for initiating the greatest educational, cultural and mental revolution in this world, in front of that political and martial victories adopt a secondary position. And then his followers and beneficiaries and pupils have imprinted everlasting impressions in the world of culture and education.

This has been enumerated among the blessings of God in the Holy Quran that He has deputed a Messenger to educate and train the illiterate people, and who passes on His Revelations to them and makes their lives pious and pure and educates them with the wisdom

THE EDUCATIONAL PHILOSOPHY OF THE HOLY PROPHET
(Peace be upon Him)

Maulana Shah Ahmad Noorani **Siddiqui**

In a meeting of his companions, in which many educated young and old persons were present, the Holy Prophet (peace be upon him) was sitting. While talking to his companions he asked, "Do you know about that tree which remains evergreen and which resembles the Muslims? Various persons sitting in this meeting began thinking about numerous wild trees. Somebody told about some tree and the other told about another, but he denied all. Among the persons attending this meeting the young son of Hazrat Umar R.A. viz. Hazrat Abdullah was also sitting. Describing this incident he tells that it flashed into my mind that it may be the date-palm tree, but as I was very young in age therefore I kept myself silent and could not dare to speak. When nobody could reply it correctly, the people requested the Holy Prophet (peace be upon him) that he may kindly tell. He told that it is the date-palm tree. By this allegorical question he wanted to tell that only date-palm tree is such a tree which is full of goodness from top to bottom. It gives shade also, its fruits are eaten, its stones are used by the camels, its leaves are used in making mats, its trunk and branches are used in constructing the house, and it is also utilised as fuel. Therefore this tree is profitable from every side, and there is nothing in it which is useless. Moreover its requirements are limited. It can flourish even in unfavourable climate and it is never naked or without leaves. This is the condition of a Muslim also, his life and personality, his deeds and utterances, are never useless or meaningless. He always helps others and shares the grief and joy of others. His existence for the world is always a blessing not a trouble. He is always profitable to others, he wants others to be benefitted of the teachings which have been given to him. And his benefits remain continued even after his death because what ever good deeds he performed in this world, helped others, bear good results. The Holy Quran exemplifies good persons with the Holy utterance, as if he is like a holy tree whose roots are stable and branches are spread over the sky and it always bears fruits i.e. its benefits remains continued and it never ceases. Like the date-palm tree the necessities of a Muslim are also limited. He may pass on his life in adverse circumstances. Therefore this was an allegory described by the Holy Prophet (peace be upon him) in a meeting of his companions.

Yunus, notes that the body of the pharaoh, who was to be damned, would be saved from the waters.

This day we save thee in thy body so that thou mayset be a Sign for those who come after thee (10 : 92).

A medical examination of this mummy, has moreover, shown that the body could not have stayed in the water for long, because it does not show signs of deterioration due to prolonged submersion.

Here again, the confrontation of the narration in the Qur'an with the data provided by modern knowledge does not give rise to the slightest objection from a scientific point of view.

The Old Testament constitutes a collection of literaty works produced in the course of roughly nine centuries and which has undergone many alterations. The part played by man in the actual composition of the texts of the Bible is quite considerable.

HADITH

Hazrat Ali (Radi-allahu-anhu) narrates that the Holy Prophet Muhammad (Sal-lal-lahu alaihe wa-sal-lam) has said that a very dangerous period is coming nearer when Islam will remain in name only, and the words of the Holy Qur'an will also remain on pages only. At theat time, you will find the Masjids (Mosques) full of worshippers, and will seem inhabitated, but there will be no trace of any true guidance coming from them, and from this point of view, they (the Mosques), will be like deserted (being devoid of any true worshippers).

Their ULEMA (who will be seeking worldly benefits and would be devoid of any true knowledge) from among the dwellers (of the earth) below the skies, will be the worst propagators of FITNA and evil, and they will be the ones from whom the FITNA and evil will rise, spread and come back (to remain) in them."

None of the preceding statements is acceptable according to modern knowledge.

From this point of view, we can measure the enormous gap separating the Bible from the Qur'an.

In contrast to the Bible, the narration contained in the Qur'an deals with a cataclysm that is limited to Noah's people. They were punished for their sins, as were other ungodly peoples. The Qur'an does not located the cataclysm in time. There are absolutely no historical or archaeological objections to the narration in the Qur'an.

A third point of comparison, which is extremly significant, is the story of Moses, and especially the Exodus from Egypt of the Hebrews enslaved to the Pharaoh. Here I can only give a highly compresed account of the study of this subject that appears in my book. I have noted the points where the Biblica and Qur'anic narrations agree and disagree, and for some details, I have found points where the two texts complement each other in a very useful way. Among the many hypotheses concerning the position occupied by the Exodus in histroy of the pharaohs, I have concluded that the most likely is the theory which makes Merneptah, Rameses II's successor, the pharaoh of the Exodus. The confrontation of the data contained in the Scriptures with archaeological evidence speaks strongly in favour of this hypotheses. I am pleased to be able to say that the Biblical narration contributes weighty evidence leading us to situate Moses in the history of the pharaohs: Moses was born during the reign of Rameses II. Biblical data are therefore of considerable historical value. in the story of Moses.

The medical study of the mummy of Mernepthah has yielded further useful information on the possible causes of this Pharaoh's death.

The fact that we today possess the mummy of this pharaoh, which, to be exact, was discovered in 1898, is one of paramount importance. The Bible records that it was engulfed in the sea, but does not give any details as to what subsequently became of the body. The Qur'an, in the sura

Earlier on, we also noted how perfectly the Qur'an agrees with general, modern ideas on the formation of the Universe, whereas the Biblical narration stands in contradiction to them; the allegory of the primordial waters is hardly tenable, nor is the creation of light on the first day, before the creation of the stars which produce this light; the existence of an evening and a morning before the creation of the Earth; the creation of the Earth on the third day before that of the Sun on the fourth;' the appearance of beasts of the Earth on the sixth day after the appearance of the birds of the air on the fifth day, although the former came first: all these statements are the result of beliefs prevelent at the time this text was written and do not have any other meaning.

As for the genealogies contained in the Bible, which form the basis of the Jewish calendar and assert that today the world is 5738 years old, these are hardly admissible either. Our solar system may well be 4 1/2 billion years old, and the appearance on Earth of man, as we know him today, may bed estimated in tens of thousands of years, if not more.

It is absolutely essential, therefore, to note that the Qur'an does not contain any such indications as to date, and that these are specific to the Biblical text.

There is a second, highly significant, subject of comparison between the Bible and the Qur'an: this is the Flood. In actual fact, the Biblical narration is a fusion of two descriptions in which events are related differenly. The Bible speaks of a universal flood and places it roughly 300 years before Abraham. According to what we know of Abraham, this would imply a universal cataclysm around the twenty-first or twenty-second century BC. This would be untenable, in view of historical data.

How can we accept the idea that, in the twenty-first or twenty-second century BC, all civilization was wiped off the face of the Earth by a universal cataclysm, when we know that this period corresponds, for example, to the one preceding the Middle Kingdom in Egypt, at roughly the date of the first Intermediary period before the eleventh dynasty?

QU'AN AND BIBLE

We have now come to the last subject; it is the confrontation, with modern knowledge, of passages in the Qur'an that are also referred to in the Bible.

We have already caught a glimpse of the problem when talking of the Creation. Earlier I stressed the perfect agreement between modern knowledge and verses in the Qur'an, and pointed out that the Biblical narration contained statements that were scientifically unacceptable. This is hardly surprising when we know that ;the great narration of the Creation contained in the Bible was the work of priests living in the sixth century BC, hence the term 'Saceredotal' narration. This seems mainly to have been conceived as the theme of a preaching desinged to exhort people to observe the sabbath. The narration was constructed with a definite end in view, and, as Father de Vaux (a former head of the Biblical School of Jerusalem) has noted, this end was essentially legalist in character.

The Bible also contains a much shorter and older narration of the Creation, the socalled 'Yahvist' version, which approaches the subject from a completely different angle.

They are both taken from Genesis, the first book of the pentateuch or Taurah: Moses is supposed to have been its author, but the text we have today has, as we known, undergone many changes.

The Sacredotal narration of Gensis is famous for its whimsical genealogies that go back to Adam, and which nobody takes very seriously. Nevertheless, such Gospel authors as Matthew and Luke have reproduced them, more or less verbatim, in their genealogies of Jesus. Matthew goes back as far as Abrahm, and Luke to Adam. All these writings are scientifically unacceptable, because they set a figure on the age of the world and the time man appeared on Earth, which is most definitely out of keeping with what has today been established with certainty. The Qur'an, on the other hand, is completely free of data of this kind.

concerning the complexity of the fertilizing liquid and the fact that an infinitely small quantity is required to ensure fertilization, its 'quintessence' - if I may so translate the Arabic word 'sulala'.

The implanation of the egg in the female genital organ is perfectly desceibed in several verses by the word 'Alaq', which is also the title of the Sura in which it appears:

God fashioned man from something which clings (96 : 2).

I do not think there is any reasonable translation of the word 'Alaq other than to use its original sense.

The evolution of the embroyo inside the materanal uterus is only briefly described, but the description is accurate, because the simple words refrring to it correspond exactly to fundamental stages in its growth. This is what we read in a verse from the Sura Al Mu'minun (23 : 14).

'We fashioned the thing which clins into a chewed lump of flesh and we fashioned the chewed flesh into bones and we clothed the bones with intact flesh'.

The term 'chewed flesh' (mudga) corresponds exactly to the appearance of the embroy at a certin stage in its development.

It is known that the bones develop inside this mass and that they are then covered with muscle. This is the mening of the term 'intact flesh' (lahm).

The embryo passes through a stage where some parts are in proportion and others out of proportion with what is later to become the individual. May be this is the meaning of a verse in the sura Al Hajj (22 : 5) which reads as follows:

We fashioned [man] into something which clings into a lump of flesh in proportion and out of proportion.

Next, we have a reference to the appearance of the senses and viscerae in the Sura Al Sajda (32 : 9).

[God] appointed for you the senses of hearing, sight and the viscerae.

Nothing here contradicts today's data and, furthermore, none of the mistaken ideas of the time has crept into the Qur'an.

understand this verse in the Qur'an Al Nahal 916 : 66).

Verily, in cattle there is a lesson for you. We give you to drink of what is inide their bodies, coming from a conjunction between the contents of the intestines and the blood, a milk pure and pleasant for those who drink it.

THE CREATION OF MAN

In the Qur'an the subject of human reproduction leads to a multitude of statements which consitute a challenge to the embryologist seeking a human explanation to them. It was only after the birth of the basic sciences which were to contribute to our knowledge of bioloogy, and especially after the invention of the microscope, that man was able to understand such statements. It was impossibel for a man living in the early seventh century to have expressed such ideas.d There is nothing to indicate that, at theis time, men in the Middle East and Arabia knew anything more about this subject than menu living in Europe or anywhere else. Today there are many Mulims with a thorough knowledge of the Qur'an and natural sciences who have clearly recognised the comparisons to be made between the verses of the Qur'an ealing with reproduction and human knowledge. I shall always remember the comment of an eighteen year old Muslim, brought up in Saudi Arabia, replying to reference to the question of reproduction as described in the Qur'an. Pointing to it, he said, 'But this book provides us with all the essential information on the subject. When I was at school they used the Qur'an to explain to me how children were born; your books on sex-education are a bit late on the scene!' It is on this point in particular, that a comparison between the beliefs current at the time of the qur'an, that were fully of superstitions and myths, and the contents of the Qur'an and modern data, leaves us amazed at the degree of concordance between the latter and the absence of any reference in the Qur'an toi the maistaken ideas that were prevalent at the time.

Let us now isolate, from all these verses, precice ieas

believe. (21 : 30).

This is an affirmation of the modern idea that the orign of life is aquatic.

Progress in botany at time of Muhammad was in no country advanced enough for it to be established as a rule that plants hve noth male and female parts. Nevertheless, we may read the following in the sura Taha (20 : 53).

(Go d is the one Who) sent water down from the sky and there by We brought forth pairs of plants each separate from the other.

Today, we know that fruit comes from plants that have sexual charcteristics (even when it comes from unfrtilized flowers, like bananas). In the sura Al Ra'd (13 : 3) we read:

Of all fruits [God] placed [on the earth] two of a pair.

Reflections on reproduction in the animal kingdom were linked to those on humanu reproduction. We shall examine them presently.

In the field of physiology, there is one verse which, to me, appears extremly significant: one thousand yars before the discovery of the circulation of the blood, and roughly thirteen centuries before it was known what happened in the intestine to ensure that the organs were nourished by the process of digestive absorption, a verse in the Qur'an describes the source of the constitutents of milk, in conformity with these notions.

To understand this verse, we have to know that chemical reactions occur in the intestine and that, from there, substances extracted from food pass into the bloodstream via a complex system, sometimes by way of the liver, depending on their chemical nature. The blood transports them to all the organs of the body, among which are the milk-producing mammary glands.

Without entering into detail, let us just say that, basically, there is the arrival of certain substances from the contents of the intestines into the vessels of the intestinal wall itself, and the transportation of these substances by the bloodstream.

This concept must be fully appreciated, if we are to

bydrology with the data to be found in numerous verses of the Qur'an on the subject, one cannot fail to notice the remarkable degree of agreement between lthe two.

In geology, a fact of recenly acquired knowledge is the phenomenon of folding, which was to form the mountain ranges.

The same is true of the Earth's crust, which is like a solid shell on which we can live, while the deeper layers are hot and fluid, and thus inhospitable to any form of life. It is also known that the stability of the mountains is linked to the phenomenon of folding, for it was the folds that were to provide foundations for th reliefs that constituted the mountains.

let us now compare modern ideas with one verse among many in the Qur'an that deals with this subject. it is taken from the sura Al Naba' (78 : 6-7).

have We not made the earth an expanse anud the mountains stakes?

The stakes (awtad), which are driven into the ground like those used to anchor a tent, are the deep foundations of geological folds.

here, as in the case of other topics, the objective observe cannot fail to notice the absence of any contradiction with modern knowledge.

But more than anything else, I was struck, at first, by statements in the Qur'an dealing with living things, both in the animal and vegetable kingdoms, especially with regard to reproduction.

I must once again stress the fact, that it is only since modern times, that scientific progress has made the content of many such verses more comprehensible to us. There are also other verses which are more easily understandable, but which conceal a biological meaning that is highly significant. This is the case of the sura Al Anbiya', a part of which has already been quoted:

Do not the unbelieves see that the heavenus and the earth were joined together, thenu We clove them sunder and We got every living thing out of the water. Will they then no

the evolution of the Heavens and the notion of a settled place for the Sun are also described. They are in agreement with highly detailed modern ideas. The Qur'an also seems to have alluded to the expansion of the Universe.

There is also the conquest of space. This has been undertaken thanks to remarkable technological progress and has resulted in man's journey to the Moon. But this surely springs to mind when we read the sura Al Rahman (55 : 33).

O assembly of jinns and men, if you can penetrate regions of the heavens and the earth, then penetrate them! You will not penetrate them save with [our] Power.

This power comes from the All-Might, and the subject of the whole Sura is an invitation to recognize God's Beneficences to man.

THE EARTH

Let us now return to Earth.

Let us examine, for example, this verse inu the sura Al zumar (39 : 21).

Hast thou not seen that God sent water down from the sky and ed it through sources into the ground? Then He caused sown fields of different colours to grow.

Such notions seem quite natural to us today, but we should not forget that they were not prevalent long ago. It was not until the sixteenth century, with bernard Palissyd, that we gained the first coherent description of the water cycle. Prior to this, people talked about the theory whereby the water of the oceans, under the effect of winds, was thrust towards the interior of the continents. It then returned to the oceans via the great abyss which, since Plato's time, has been called the Tartarus. In the seventeenth century, a grea thinker such as Decartes believed in it, and evenu in the nineteenth century there was still talk of Aristotle's theory, according to which water was condensed in cool mountain cavernus and formed underground lakes that fed springs. Today, we know that it is the infiltration of rainwater that is responsible for this. If one compares the facts of modern

Moon, torch (siraj) for the Sun. The first is an inert body which relfects light, the second a celestical formation in a state of permanent combustion, and a source of light and heat.

The word 'star' (najm) is accompanied by another qualifying it which indicates that it burns and consumes itself as it pierces through the shadows of the night: it is the word thakib.

In the Qur'an, the word kawkab definitely seems to mean the planets which are celestial formations that reflect and do not produce light like the Sun.

today it is known how the celestial organisation is balanced by the position of stars in a defined orbit and the interplay of gravitational forces related to their mass and speed of movment, each with its own motion. But isn't this what the Qur'an describes, in terms which have only become comprehensible in our own day, when it mentions the foundation of this balance in the sura Al Anbiya' (21 : 33).

[God is] the One Who created the night, the day the sun and the moon. Each one is travelling in an orbit wih is own motion.

The Arabic word which express this movement is a verb sabaha (yasbahun in the text); it carries with it the idea of motion which comes from any moving body, be it the movement of one's legs as one runs on the groung, or the action of swimming in water. In the case of a celestial body, one is forced to translate it in the original sense, that is, 'to travel with one's own motion'.

The description of the sequence of day and nigh would, in itself, be rather commonplace were it not for the fact that, in the Qur'an, it is expressed in terms that today are highly significant. This is because it uses the verb kawwara in the sura Al Zumar (39 : 5) to describe the way the night 'winds' or 'coils' itself about the day and the day about the night, just as, in the original meaning of the verb, a turban is wound around the head. This is a totally valid comparison; yet at the time the Qur'an was revealed, the astronomical data necessary to draw it were unknown.

It would seem that this intermediary Creation corresponds to the modern discovery of bridges of matter which are presenut ouside organised astronomical systems.

This survey certainly shows us how modern data and statemens in the Qur'an agree on a large number of points. We have come a long way from the Biblical text with its successive phases that are totally unacceptable; especially the one placing the Creation of the Earth (on the 3rd day) before that of the Heavens (on the 4th day), when it is a known fact that our planet comes from its own star, the Sun. In such circumstances, how can we imagine that a man who drew his inspiration from the Bible could have been the author of the Qur'an, and, of his ownu accord, have corrected the Biblical text to arrive at a general concept concerning the formation of the Universe, when this concept was not to be formed until centuries after his death?

ASTRONOMY - LIGHT AND MOVEMENT

Let us now turn to the subject of Astronomy.

Whenever I describe the details the Qur'an contains on certain points of astronomy to westerners, it is unusual for someone not to reply that there is nothing special in this, considering the Arabs made important discoveries in this field long before the Europeans.

This is, in fact, a singularly mistaken idea resulting from an ignorance of history in the first place, scinece was developed in Arabian countries at a time that was long after the Qur'an Revelation had occured; in the second place, the scientific knowledge prevalent at the highpoint of Islamic civilization would not have made it possible for a human being to have written statements on the Heavens comparable to those in the Qur'an.

Here again, the subject is so wide that I can only provide an outline of it.

Whereas the Bible talks of the Sun and the Moon as two luminaries differing in size, the Qur'an distinguishes beween them by the use of different epithets: light (nur) for the

commentators stress the interpretation of ayyam, one translation of which is 'days', as ;meansing 'long periods' or 'ages' rather than periods of twenty four hours.

What to me apears to be of fundamental importance is that, in contrast to th narration contained in the Bible, the Qur'an does not lay down a sequence for the Creation of the Earth and Heavens. it refers both to the Heavens before the Earth and the Earth before the Heavens, when it talks of the Creation in general, as in this verse of the sura Taha (20 : 4).

(God) who created the earth and the high heavens.

In fact, the notion to be derived from Qur'an is one of a concomitance in the celestical and terrestrial evolutions. there are also absolutely fundamental data concerning the existence of an initial gaseous mass (dukhan) which is unique and whose elements, although at first fused together (ratq) subsequenctly became separated (fatq). This notion is expressed in the sura Fussilat (41:11).

God turned to Heaven when it was smoke.

And the same is expresed in the sura Al Anbiya' (21 : 30).

Do not the Unbelievers see that the heavens and the earth were joined together, then We clove them as under?

the separation process resulted in the formation of multiple worlds, a notion which crops up dozens of times in the Qur'an, once it has formed the first verse in the sura Al Fatiha (1 : 1).

Praise be to God, the Lord of the Worlds.

All this is in perfect agreement with modern ideas on the existence of primary nebula and the process of secondary separation of the elements that had formed the initial unique mass. This separation resulted in the formation of galaxies and then, when these divided, of stars from which the planets were to be born.

Reference is also made in the Qur'an to an intermediary Creation between the Heavens and the Earth, as in the sura Al Furqan (25 : 59).

God is the one. Who created the heavens, the earth and what is between them.

reflections having a scientific aspect to be scattered throughout the Book. In the case of a study such as the one I have made, I had to regroup them according to subject, collecting them Sura by Sura.

How should they be classified? I could not find any indications din the Qur'an suggesting any particular classification. So I have decided to present them according to my own personal one.

It would seem to me, that the first subject to be dealt with is the Creation. Here it is possible to compare the verses referring to this topic with the general ideas prevalent today on the formation of the Universe. Next, I have divided up verses under the following general headings: Astronomy, the Earth, the Animal and Vegetable Kingdoms, Man, and Human Reproduction in particular; the latter is subject which, in the Qur'an, is alloted a very important place. To these general headings it is possible to add sub-headings.

Furthermore, I thought it useful to make a comparison between Qur'anic and Biblical narrations from the point of view of modern knowledge. This has been done in the case of such subjects as the Creation, the Flood and the Exodus.

CREATIONS OF THE UNIVERSE

An extremely important general idea emerges: this is its dissimilarity with the Biblical narration. This idea contradicts the parallels which are often, and wrongly, drawn by western authors to underline solely the resemblances between the two texts.

When talking of the Creation, as of other subjects, there is a stong tendency in the West to claim that Muhammad only copied the general outlines of the Bible. it is indeed possible to compare the six days of the Creation as described in the Bible, plus an extra day of rest on God's sabbath, with this verse from sura Al A'raf (7 : 54).

Your Lord is Allah Who created the heavens and the earth in six days.

We must point out straight away that modern

excellence and that it cannot, of course, be expected to have a 'scientific' purpose per se. Whenever man is invited to reflect upon the works of creation and the numerous natural phenomena he can observe, the obvious intention, in using such examples, is to stress Divine Omnipotence. The fact that, in these reflections, we can find allusions to data connected with scientific knowledge is surely anoher of God's gifts whose value must shine out in an age where scientifically based materialistic atheism seeks to gain control at the expense of the belief in God.

Throughout my research I have constntly tried to remain totally objective. I believe I have succeeded in approaching the study of the Qur'an with the same objectivity that a doctor has when he opens a file on a pateint: In other words, by carefully confronting all the symptoms he can find to arrive at diagnosis. i must admit that it was certainly not a faith in islam that first guided my steps, but simple research for the truth. This is how I see it today. It was mainly this fact which, by the time I had finished my study, had led me to see in the Qur'an a text revealed to a prophet.

We shall examine statments in the Qur'an which appear today merely to record scientific truth, but which men in former times were only able to gasp the apparent meaning of. How is it possible to imagine that, were there any subsequent alterations to the texts, these obscure passages scattered throughout the text of the Qur'an were able to escape human manipulation? The slightest alteration to the text would automatically have destroyed the remarkable coherence which is characteristic of them, and prevented us from establishing their conformity with moder kowledge. The presence of these statements spread throughout the Qur'an looks to the impartial observer like an obvious hallmark of authenticity.

The Qur'an is a preaching which was mae known to man in the course of a Revelation which lasted roughly twenty eyars. I spanned two periods of equl lengh on either side of the Hegira. In view of this, it was natural for

facts discovered by moder science: these are what exercise a magnetic attraction for today's scientists.

ENCYCLOPEDIA KNOWLEDGE NECESSARY TO UNDERSTAND THE QUR'AN

For many centuries, man was unable to study them, because he did not possess sufficient means. It is only today that numerous verses of the Qur'an dealing with natural phenomena have become fully comprehensible. i should even go so far as to say that, in the 20th century, with its compartmentalization of every increasing knowledge, it is not always easy for the average scientist to understand everything he reads in the Qur'an on such subjects, without having recourse to specialized research. This means that to understand all such verses of the Qur'an one is today required to have an absolutely encyclopaedi knowledge, by which I mean, one which embraces very many disciplines.

I use the word 'science' to mean knowledge which has been soundly established. It does not include the theories which, for a time, help to explain a phenomenon or a series of phenomena, only to be abandoned later on in favour of explanations which have become more plausible thanks to scientific progress. I basically only intend to deal with comparison between statements in the Qur'an and knowledge which is not likely to be subject to further discussion. Wherever I introduce scientific facts which are not yet 100% established, I shall, of course, make this quite clear.

There are also some very rare examples of statements in the Qur'an which have not, as yet, been confiemd by modern science: I shall refer to these by pointing out that all the evidence lead scientists to regard them as being highly probable. An example of this is the statement in the Qur'an that life is of aquatic origin; and another is that somewhere in the Universe there are earths similar to our own.

These scientific considerations should not, however, make us forget that the Qur'an remains a religious book par

Islam and that today, at a time when science has taken such great strides, they still continue to be associated, and furthrmore certain scientific data are used for the beter understanding of the Qur'anic text. What is more in a century where, for many, scientific truth has dealt a deathblow to religious belief, it is precisely the discoveries of science that, in an objective examination of the Islamic Revelation, have highlighted the supernatural charcter of certain aspects of the Revelation.

When all is said and done, generally speaking, scientific knowledge would seem, in spite of what people may say, to be highly conducive to reflection on the existence of God.

Once we begin to ask ourselves in an unbiased or unprejudiced way about the metaphysical lessons to be derived from some of today's knowledge, (for example our knowledge of the the infinitely small or the problem of life), we indeed discover many reasons for thinking along these lines. When we think about the remarkable organisation presiding over the birth and maintenance of life, it surely becomes clear that the likelihood of it being the result of chance gets less and less, as our knowledge and progress in this field expand. Certain concepts must appear to be increasingly unacceptable; for example, the one put forward by the french winner of the Noble prize for Medicine who tried to get gpeople to dmit that living matter was self-created as the result of fortuitou circumstancs under the effect of certain outside influences using simple chemical elements as their base. From this it is claimed that living organisms came into being, leading to the remarkable complex called man. To me, it would seem that the scientific progres made in understnding the fantastic complexity of higher beings provides strong arguments in favour of the opposite theory; in other words, the existence of an extraordinarily methodical organization presiding over the remarkable arrangement of the phenomena of life.

In many parts of the Book, the Qur'an leads, in simple terms, to this kind of general reflection. But it also contains infinitely more precise data which are directly related to

THE QUR'AN & MODERN SCIENCE

DR. MAURICE BUCAILLE
(FRENCH ACADEMY OF MEDICINE)

On 9 November 1976, an unusual lecture was given at the French Academy of Medicine. It title was 'Physiological and Embryological data in the Qur'an. I presented may study on the existence in the Qur'an of certain statements concerning physiology and reporduction. My reason for doing this was that our knowledge of these disciplines is such, that it is impossible to explain how a text produced at the time of the Qur'an could have contained ideas that have only been discovered in moder times.

There is indeed no human work prior to modern times that contains statements which were equally in advance of the stae of knowledge at the time they appeared and which might be compared to the Qur'an.

In addition to this, a comparative study of data of a similar kind contained in the Bible (Old Testament and Gospels) seemed desirable. This is how the project was formed of a conforntation between modern knowledge and certain passages in the Holy Scriptures of each monotheistic religion. It resulted in the publication of a book under the title, The Bible, the Qur'an and Science. The first French edition appeared in May 1976. (Seglers, Paris). English* and Arabic editions have now been published.

Dr. Maurice Bucaille is an eminent medical scientist and a member of the French Academy of Medicine. He is the author of a book enetiled "The Bible, the Qur'and and Science".

On 14th June 1978, Dr. Bucaille gave a talk on the Qur'an and Modern Science at the Commonwealth Institute London. The text of his talk is published in this book.

*Published by American Trust Publications, 7216S, Madison Ave., Indianapolis, Ind. 46227, USA.

It comes as no surprise to learn that Religion and Science have always been considered to be twin sisters by

happiness. Periods observing the month of Ramazan with decently, decorum and according to the tradition of the Prophet rejoice the Idd day fully and they deserve this rejoicing.

It is very grand festival of Muslims. After Fair prayer, every person takes bath wear, new or washed clothes, spreads scents over the cloth, eat some sweats and then go for Idd prayer either in the mosque or in an open place or Iddgah. Allah offer two rakat prayer obligator (wajib) with extra six Takbirs with an Imam (the person leading the prayer).

After prayer, shaking of hands, embracing of one another, and exchange of greetings begin. Every Muslim thanks to Allah Almighty for showing his great Mercy and Affection to fulfill the duty in the month of Ramazan successfully.

May Allah give us courage of ability and opportunity to achieve the blessings of Ramazan.



be very particular in this night. According to consensus of Ulemas the night of 27th Ramazan is Lailatul Qadr. One should try to seek this night in odd nights of the last ten days. This night should be passed in prayer, invocation, recitation of Qur'an and Salato-Salam (paying greetings to the Holy Prophet).

FITRA (CHARITY FOR IDD)

This charity is incumbent (Wajib) on every adult, independent Muslim, if he has money or goods extra of his basic necessities. One who pays poor-due (Zakat) he is to pay this charity too, but for paying Zakat one year should be passed over the fixed amount on which Zakat becomes due, while for paying Fitra (Idd Charity) no period is fixed, if a person at the time of paying Fitra possesses the fixed amount extra of his basic requirements, he has to pay Fitra. The adult should pay Fitra on behalf of himself and on behalf of his minor children. Wheat or its flour or equal to the weight of two Kilos and 150 grams, or barley or its flour or dates four Kilos and 300 grams may be given in Fitra. It is better that the prevalent cash price of these thing should be paid before going for Idd prayer. The Fitra should be paid to needy and poor persons. It may be given to poor students who are getting religious education in Arabic Schools. The infidels, hypocrites, innovators, deviationists persons insulting the Prophet, companions of the Prophet and family members of the Prophet or the wives of the Prophet can not be given Zakat or Fitra.

THE NIGHT OF IDD AND IDD DAY

The night of Idd day is very sacred as the compensation and reward of work done in the month of Ramazan are given by Almighty Allah. One who fulfills his duty, he is duely rewarded. So the nighty should be passed in prayer and invocation paying thanks of Almighty Allah.

In the morning it is Idd the day of rejoicing and

IFTAR (THE BREAKING OF FAST)

Just after sun-set, one is necessarily to break his fast eating or drinking. He should not be late. Any prayer at the time of Iftar is accepted by Allah of his Mercy. It is appreciable and pays great reward, if you manage to provide things for Iftar to other persons, even though it may be a draught of Syrup, water or a date. There are certain actions which are not allowed in Shariat, if any one indulges himself in any such activity, he is sinful, and his action is disapproved. these actions are specially forbidden during month of Holy Ramazan as it corrupts fasting. If a man wishes to utilize full benefits of fasting, he should try to avoid these actions in the holy month of Ramazan.

The actions are:

(1) Telling a lie.

(2) Backbiting, and tale-bearing,

(3) Rebuking, gossiping, loose-talking,

(4) Injuring, beating, fighting, etc.

PRAYERS OF TARAWIH

This is an extra prayer offered after Isha prayer. This is necessary tradition (Sunnat-e-Moakkada) of the Prophet (Peace be upon him). It is twenty rakats offered in two's. To recite full Qur'an in Tarawih prayer in full month is appreciable.

LAILATUL QADR (VALUABLE NIGHT)

In the last ten days of the month of Ramazan, one night is necessarily a valuable night. The prayer in this night has immense rewards. Qur'an says, the prayer of this night is better than the prayers in one thousand nights. One should

THING UNDOING FASTING:

(1) Eating, drinking or having sexual relation undo fasting, smoking is also included in it, chewing pan or tobacco, or putting sugar in the mouth and swallowing it.

(2) Swallowing anything equal to the size of a gram, or blood from teeth giving taste to throat.

(3) Full mouth vomiting knowingly, or full mouth vomiting inadvertently of which any drop goes back in the knowingly or unknowingly.

(4) Kissing and touching a woman thus seminal discharge, but if woman touches a man and then there is seminal discharge, there is no harm to fasting.

(5) The swallowing of one or two drops of sweat or water, if its saltishness is felt in the throat, if not there is no harm or going down any drop of water through throat while garling.

(6) To drop any medicine inside nostrils, or putting oil in the ears, but dropping water in the ears does not undo the fasting.

THINGS NOT UNDOING FASTING

(1) Eating, drinking or having sexual relation in forgetfulness.

(2) Entering into throat, and fly, or smoke, or dust.

(3) Seminal discharge in sleeping.

(4) Not taking bath due to any pollution requiring bath, but to remain dirty is sinful.

(5) To use scent, oiling hair, smelling any flower or scent using antimony in eyes.

after sighting another moon, if the horizon is cloudy, then complete thirty days of the month of Shaaban (the eight month of lunar calendar).

LEAVE GRANTED FOR NOT KEEPING FAST

(1) A wayfarer is allowed leave during the period of journey, but he has to fulfill his obligation in another days, and if he keeps fast during journey too, it is appreciable.

(2) Pregnancy, a pregnant woman or a woman sucking a child may have leave, if there is danger of the life of the woman or the child, but she is to fulfill her obligation is other days.

(3) A patient is allowed to have leave if there is likelihood of any seriousness to his disease.

(4) Persons of very old age having no strength of bearing any headship of fasting are allowed to have leave. If there is any chance of getting strength afterwards, then they have to fulfill the obligation of fasting. If there is no such likelihood, then an old man is allowed to have leave and to feed daily needy persons instead.

(5) Women in the days of monthly course are allowed to have leave, but they are to fulfill the obligating in other days.

(6) Persons waging religious war are also allowed to have leave but they are to fulfill the obligation in other days.

SEHRI (BREAKFAST BEFORE DAWN):

This is a tradition of the Prophet (Peace be upon him). Before beginning fasting some breakfast before dawn should be taken.

THE HOLY MONTH OF RAMAZAN AND FASTING

By Maulana Shah Abdul Aleem Siddiqui (R.A.)

The fasting is one of the main pillars of Islam. It is the second important worship after prayer (Salat). In Arabic Calendar the month of fasting is called 'Ramazan.' It is the ninth month of the year. A believer is to observe fasting for the full lunar month, i.e. 29 or 30 days. The last revealed holy book Qur'an, attaches great importance to this month and fasting has been made compulsory for all adult and sane Muslim men and women. The Qur'an says:

O believers! the fasting has been made binding on you as it was made binding over those before you, so that you may became pious (Muttaqui).

The Prophet (Peace be upon him) says, when the month of fasting begins, the doors of Paradise are opened, the doors of the Hell are closed and the devils are tied with chains." (Bokhari Muslim).

In another long Hadith (tradition) the Prophet (Peace be upon him) says, this is a month whose first ten days is mercy, the middle ten days is forgiveness and the last ten days is freedom from the Hell.

This is Allah's month and He Himself awards its compensation.

WHAT IS FASTING?

The fasting is keeping away oneself from eating, drinking and sexual relation from dawn, till sun-set. One is to keep himself completely aloof from eating, drinking and sexual relation for a fixed period i.e. from dawn till sun-set. If anyone fasting, breaks his fast, knowingly without any cause or reason, he commits a big sin, and he will have to expiate for it. The expiation is to keep fasting for sixty days without break or to feed sixty poor persons. The Prophet (Peace be upon him) says, begin fasting after sighting moon and end it

The Fortnightly
NIDA-E-AHL-E-SUNNAT
LAHORE

QURAN NUMBER

EDITOR: QARI MOHAMMAD ZAWAR BAHADER, M.A

CHIEF WRITER: ALLAMAH SAYYED SHABEER AHAMAD HASHMI

MANAGING EDITOR: RASHEED AHMAD RAZVI

VOL NO.3 ISSUE NO. 19-20
RAMZAN-UL-MUBARIK 1412, A.H MARCH 1992

CONTENTS

OFFICE: FORTNIGHTLY NIDA-E-AHL-E-SUNNAT GULBERG III LAHORE PAKISTAN.



دورِ جدید میں جدید ٹیکنالوجی اپنایئے
کاروبار میں دنیا کے شانہ بشانہ چلنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ جدید ترین ٹیکنالوجی اپنائیں اور مصنوعات کو
عالمی معیار دیں۔ ریڈی ایکس سپریٹرز بناتے وقت ہم یہی مدِ نظر رکھتے ہیں اور جب آپ بیٹری بنائیں تو یہی
پیشِ نظر رکھیں اور ریڈی ایکس سپریٹرز استعمال کریں
اب پی جی سپریٹرز (پیپر بورڈ، نمدے کے ساتھ) بھی دستیاب ہیں۔
درآمد شدہ پلانٹ پر تیار شدہ مائیکرو پورس فائبر گلاس سپریٹرز
بیٹری کو زیادہ برقی قوت اور پائیداری دیتے ہیں اور
ہر قسم کی بیٹریوں کے لیے موزوں ہیں۔
غیر ملکی معیار سے بہتر۔ ملکی بیٹری سپریٹر۔ ریکس
تیار کنندگان:
ریڈی ایکس (پرائیویٹ) لمیٹڈ
۱-۴۔ اسلام آباد بلاک II فلور فورٹریس سٹیڈیم لاہور کینٹ
فون: ۳۷۲۰۹۳-۳۸۱۱۰۱، ٹیلیکس: ۴۴۰۳۲ ریکس پی کے
Marshal